پیش لفظ

ذاتی تجربے نے مجھے یہی بتایا کہ ترجمہ، تخلیق سے کہیں مشکل کام ہے۔ سولہ برس کی عمر سے میں نے مہم جوئی کے قصے اور سرّیت آمیز کہانیوں کے ترجمے شروع کیے، تو ان میں پھر بھی حاشیہ آرائی کی گنجائش ہوتی تھی لیکن جب ویت نام کی جنگ کے بارے میں اس وقت کی ایک مشہور کتاب One Morning in War، ایلون ٹوفلر کی Third Wave کے چند ابواب، ڈاکٹر گلین پیج کی Nonkilling Plitical Science اور بعض دوسری کتابوں کو اردو میں منتقل کیا تو اندازہ ہوا کہ ترجمہ واقعی جوکھم کا معاملہ ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ زیب داستان کے لیے کچھ بڑھا دیا جائے یا کوئی حصہ طویل اور بے رس ہے تو اسے چھوڑ دیا جائے۔

ایما گولڈ مان کی زیرِ نظر خودنوشت محمد مظاہر نے ترجمہ کی ہے۔ اس کے بارے میں کچھ کہنے سے پہلے یہ عرض کر دوں کہ دو برس پہلے تک مظاہر صاحب سے چند سرسری ملاقاتیں تھیں۔ میں نے انہیں علمی اور ادبی محفلوں میں بحث مباحثہ کرتے اور عموماً لوگوں سے اختلاف کرتے سنا تھا۔ لوگوں کو ان سے ناراض ہوتے ہوئے بھی دیکھا تھا۔ دو برس پہلے اپنی ترجمہ شدہ ایک کتاب ''اسپین میں عوامی جنگ'' کا نسخہ لے کر آئے۔ یہ جارج آرویل کی Homage to Catalonia تھی۔ جارج آرویل کو لوگ Animal Farm کے حوالے سے جانتے ہیں لیکن مظاہر صاحب نے اسپین کی اس خانہ جنگی کے بارے میں آرویل کی کتاب ڈھونڈھ نکالی تھی جس میں شرکت کے لیے یورپ امریکہ کے کئی ادیبوں نے اسپین کا رخ کیا تھا۔ پنڈت نہرو اسپین گئے اور ریپبلک کو تین ہزار ٹن گیہوں کا تحفہ بھی بھیجا۔ جنرل فرانکو کے خلاف ہونے والی شاندار عوامی مزاحمت کو تمام جزیات کے ساتھ جارج آرویل نے بلاکم و کاست لکھا اور اتنی ہی ایمانداری سے مظاہر صاحب نے اس کا ترجمہ کیا۔ سجاد ظہیر صدی کے سلسلے میں ہندوستان کے سفر کے دوران انہیں دیکھنے کا موقعہ ذرا زیادہ ملا۔ اپنے آپ کو نمایاں نہ کرنے اور گرد و پیش کا گہرا جائزہ لینے والے۔ مجھے یہ اندازہ نہیں تھا کہ یہ لوگوں کو اپنے بے دھڑک سچ سے ناراض کرنے کے علاوہ بھی کیا کچھ کرتے ہیں۔

شادی کی ایک محفل میں ملاقات ہوئی تو سرسری انداز میں کہنے لگے کچھ ترجمہ کیا ہے، وہ لے کر آؤں گا۔ ایک نظر ڈال لیجیے گا۔ میں نے ہامی بھر لی۔ چند دنوں بعد وہ ایک بھاری پشتارہ اٹھائے ہوئے چلے آئے۔ میں نے ذرا حیران ہو کر اس پلندے کو دیکھا تو کہنے لگے یہ ترجمہ شدہ کتاب کے پروف ہیں۔ میں نے اسے دیکھا اور ان کی ہمت کی داد دی۔ کمپوز کیے ہوئے ۱۳۷۵ صفحات کتنی مرتبہ ہاتھ سے لکھے گئے ہوں گے، کسی لفظ کے بارے میں اشتباہ ہوا ہوگا، تو کتنی مرتبہ لغت دیکھا گیا ہوگا، میں دل ہی دل میں انہیں داد دیتی رہی اور اب جب یہ کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے تو آپ کے پاس بھی ان کی ہمت، حوصلے اور محنت کی داد کے سوا لفظ نہ ہوں گے۔

سچ تو یہ ہے کہ مظاہر صاحب نے جنوں والا کام کیا ہے اور شائید ایما گولڈ مان جیسی باغی، متحرک اور بے مثال وفور والی عورت کی خودنوشت کا ترجمہ کوئی ایسا ہی شخص کر سکتا تھا جس میں استقلال اور عزم کا دفینہ ہو۔

مظاہر صاحب نے ایک ایسی کتاب ترجمہ کی ہے جس کے ورق ہمیں ایک ایسے زمانے میں لے جاتے ہیں جو شور انگیز اور ہیجان خیز تھا۔ انیسویں صدی کے آخری پچیس اور بیسویں صدی کے ابتدائی تیس سال۔ یہ زمانہ ماضی کا حصہ بن چکا۔ یہ کتاب آپ کو ایک ایسی شوریدہ سر باغی عورت کی کہانی سنائے گی جس نے خطرات کی زد میں رہتے ہوئے اک شانِ بے نیازی سے

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

آزادانہ زندگی گزاری۔ ایک ایسی زندگی جس کا ہر لمحہ آزادئ تحریر و تقریر کے حق، عورتوں اور مردوں کے درمیان مساوات، مزدوروں، قیدیوں اور بے گناہوں کے لیے لڑتے ہوئے گزرا۔

امریکی اخبار اسے ''سرخ ایما'' کے نام سے یاد کرتے تھے، یہ اشارہ اس کے کمیونسٹ، سوشلسٹ اور انارکسٹ ہونے کی طرف اشارہ تھا۔ پولیس اسے ''خطرناک ترین عورت'' سمجھتی تھی۔ خفیہ ایجنٹ اس کا تعاقب کرتے تھے اور قدامت پرست اس کے جلسوں کو ناکام بنانے کی ہر ممکن کوشش کرتے تھے۔ یہ اس لڑکی کی خودنوشت ہے جس نے اپنے سیاسی شعور کا آغاز پندرہ برس کی عمر میں نکولائی چرنے شوسکی کی کتاب What Is To Be Done سے کیا اور اس کی ہیروئن ویرا پر فدا ہوگئی جو سیاسی اعتبار سے نہلسٹ (ارتیابی) تھی، عورتوں اور مردوں کے درمیان مساوات چاہتی تھی، انسانوں کے استحصال کے خلاف تھی اور محنت کے وقار اور احترام پر اس کا ایمان تھا۔ بارہ تیرہ برس کی عمر میں ویرا کو 'پیر و مرشد' ماننے والی ایما کے والدین نے جب رواج کے مطابق پندرہ برس کی عمر میں اس کی شادی کرنا چاہی تو ایما نے صاف انکار کر دیا۔ وہ 'آزاد' رہنا چاہتی تھی۔ ایما کے ماں باپ پرانی روایات کے اور یہودی اخلاقی نظام کے پشتیبان تھے، ان کے لیے یہ ایک بڑا صدمہ تھا کہ ان کی پندرہ برس کی بیٹی اتنی خود مختار ہوگئی ہے۔ غربت نے انہیں دانے دانے کو محتاج کر رکھا تھا، اسی لیے تیرہ برس کی عمر میں ایما کو فیکٹری میں سینے پرونے کے کام پر لگا دیا گیا تھا۔ یہاں اس نے غریب مزدور عورتوں کا استحصال دیکھا اس نے دیکھا کہ اس کی عمر کی لڑکیاں جن کے پڑھنے اور کھیلنے کے دن ہیں کس طرح اپنی آنکھوں کی روشنی بخیے کے ٹانکوں میں پروتی ہیں۔

محمد مظاہر خوش نصیب ہیں کہ انہوں نے پہلے جارج آرویل کی کتاب ترجمے کے لیے منتخب کی اور پھر ایما گولڈ مان کی خود نوشت اردو میں منتقل کی۔ دونوں کام انہوں نے دیانت اور ذہانت سے کیے۔ وہ قابل مبارکباد ہیں کہ انہوں نے اردو کو نئے ذائقوں سے آشنا کیا اور پڑھنے والوں کے لیے علمی اور سیاسی مباحث کے نئے در وا کیے۔

اور اب کچھ باتیں ایما کے بارے میں۔

ایما کی خودنوشت پڑھتے ہوئے مجھے کئی یونانی اساطیری کردار یاد آئے۔ رب الارباب سے بغاوت کرتے ہوئے اور اس کی سزا سہتے ہوئے۔ ایما نے ربِّ ابراہیم سے بغاوت کی اور ربِّ سرمایہ کے سامنے بھی اس کا سر کبھی خم نہیں ہوا۔ پندرہ برس کی عمر میں اس نے جو کتاب پڑھی تھی وہ اس کی زندگی کی راہ متعین کر گئی۔ اس کے خواب اور اس کی خواہشیں ایک رخ اختیار کر رہی تھیں۔ ایسے میں اسکے والدین نے اس کی شادی کرنی چاہی۔ وہ ایک کنیز کی طرح زندگی گزارنے کا تصور بھی نہیں رکھتی تھی۔ سو اس نے شادی سے صاف انکار کر دیا۔ والدین کے اور ایما کے درمیان تلخی اور کشمکش اتنی بڑھی کہ سب کے لیے زندگی جہنم ہوگئی۔ آخر کار جب وہ 17 برس کی تھی تو فیصلہ یہ ہوا کہ اسے امریکہ بھیج دیا جائے جہاں اس کی ایک بہن اپنے شوہر کے ساتھ رہتی تھی۔

ہزاروں میل کا سمندری سفر کر کے ایما امریکہ پہنچی تو اسے اندازہ ہوا کہ ترک وطن کر کے آنے والے یہودیوں کے لیے یہ کوئی ارض موعود نہیں ہے۔ اس نے تنگ و تاریک ٹیکسٹائل فیکٹریوں میں سخت دن گزارے۔ بغاوت کی چنگاری اس کے سینے میں دبی ہوئی تھی کہ ۱۸۸۶ء میں شکاگو کی گھاس منڈی (حِ مارکیٹ) میں مزدوروں کے قتل عام نے اس چنگاری کو شعلے میں بدل دیا اور پھر وہ ''سرخ ایما'' ''باغی ایما'' کے نام سے مشہور ہوئی۔

اس نے ایک ایسی زندگی گزاری جس میں اس کا ایک قدم جیل کے اندر اور ایک باہر رہتا۔ کسی تقریر کے بعد جب اسے اپنی گرفتاری کا یقین ہوتا تو وہ اپنے بیگ میں دو جوڑے کپڑے رکھنے کی بجائے کوئی کتاب اپنے ساتھ رکھتی تاکہ رات اگر حوالات میں بسر کرنی پڑے تو وہ اسے پڑھ کر گزار دے۔ ساری عمر وہ سفر میں رہی ایک شہر سے دوسرے شہر، ایک ملک سے دوسرے ملک اپنی تقریروں سے آگ لگاتی ہوئی۔ امریکہ کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک سرگرداں، انقلابیوں کے دلوں کو گرماتی ہوئی۔ محکمۂ خفیہ کے کارندوں کی ناک کے نیچے بھیس بدل کر اسٹیج پر پہنچتی ہوئی اور تمام پابندیوں کی دھجیاں اڑاتی ہوئی۔ امریکہ، روس، ہالینڈ، انگلینڈ، فرانس، اسپین وہ کہاں نہیں گئی اور جہاں گئی وہاں لوگوں کو جھنجھوڑتی رہی۔ انہیں یاد دلاتی رہی کہ زندگی اپنے اندر

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

تمام خوبصورت امکانات رکھتی ہے۔لیکن ربِّ سرمایہ نے وہ تمام امکانات ان سے چھین لیے ہیں۔

وہ صرف بغاوت اور سیاست کے میدان میں ہی اپنے جوہر نہیں دکھاتی۔اس کی ہشت پہلو شخصیت کے عجب زاویے اور رنگ ہیں۔وہ ادب، فلسفے، تاریخ اور تنقید کے مطالعے میں غرق نظر آتی ہے۔کبھی وہ جدید ڈرامے کی سماجی اہمیت پر تقریر کرتی ہے اور کبھی اپنے زمانے میں اسٹیج کیے جانے والے مشہور ڈراموں پر تنقید و تبصرہ لکھتی ہے اس کی ایک کتاب دنیا بھر کے ۱۸ ڈراما نگاروں کے ۳۲ کھیلوں کے سماجی مفاہیم کا احاطہ کرتی ہے۔

اس کی زندگی میں مرد آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں اس نے عشق کیے، محبتیں کیں لیکن یہ والہانہ عشق کبھی اس کے عشقِ بشر پر حاوی نہ ہوسکا۔دوست داری، دل داری اور نظریاتی رفاقت کا رشتہ صرف ساشا سے رہا۔ساشا نے ۱۴ برس جیل میں گزارے تو وہ وفاداری کے ساتھ اس کا انتظار کرتی رہی۔ساشا آزاد ہوا اور نفس اور جنس کے الجھاوؤں میں گرفتار ہوا تو وہ اس کے زخموں پر مرہم رکھتی اور اس کی بے اعتنائیوں سے زخمی ہوتی رہی۔شکوہ کیے بغیر اس کے ناز اٹھاتی رہی۔وہ کیسی سچی عورت تھی کہ اس نے اپنے کسی تعلق کو نہیں چھپایا اور اس کے حسن و بدصورتی کو بلاکم و کاست لکھا۔

اپنے محبوب کے شدید اصرار کے باوجود وہ کبھی بھی خود کو ماں بننے پر آمادہ نہ کرسکی۔ممتا کے جذبے سے کہیں زیادہ اسے اپنی آزادی عزیز تھی۔وہ اس نتیجے پر پہنچ چکی تھی کہ خدا اور زمین پر خدا کے نائب مرد کو عورت کے بطن کا مالک و مختار نہیں ہونا چاہیے۔اس کا خیال تھا کہ عورت اسی وقت سچی آزادی کا ذائقہ چکھ سکتی ہے جب وہ بچے اپنی مرضی، صحت اور استطاعت کے مطابق پیدا کرسکے۔وہ ''آزاد ماں'' کا تصور رکھتی تھی۔ایک ایسی ماں جسے بچہ پیدا کرنے یا نہ کرنے کا اختیار خود ہو۔

اس نقطہ نظر کو اکیسویں صدی کی پہلی دہائی میں بھی مغرب کے کیتھولک حلقوں میں مسترد کیا جاتا ہے۔غیر اخلاقی کہا جاتا ہے اور خدائی معاملات میں مداخلت قرار دیا جاتا ہے۔تو سوچنے کی بات یہ ہے کہ اب سے سو برس پہلے لوگوں کا کیا ردِعمل ہوگا جب وہ ضبطِ تولید کے فلسفے پر دھواں دھار تقریریں کرتی تھی۔لیکن ایما کو اس سے غرض نہ تھی کہ لوگ کیا کہتے ہیں وہ جس بات کو درست خیال کرتی اسے جان پر کھیل کر کہنا اپنی ذمہ داری سمجھتی تھی۔

اپنے اس رویے کے ساتھ ہی وہ احساسِ مادریت کو اندھی گونگی قوت کہتی جو درد زہ کی دہلیز پر پیدا ہوتی ہے۔احساس مادریت سے سرشار عورتوں کی آخری عمر جس کرب سے گزرتی ہے اسے وہ مادریت کی بے کسی قرار دیتی اور اس پر گریہ کرتی نظر آتی۔

صرف کوئی ایک مسئلہ اس کا مسئلہ نہ تھا۔اور اسی لیے وہ بار بار جیل گئی۔مزدوروں کی آزادی، عورتوں کی تعلیم، ان کی سیاسی، سماجی اور ذہنی آزادی، اپنے اعضائے تخلیق پر ان کا اختیار، احترامِ آدمیت۔غرض ہزار جھمیلے تھے جن میں ''سرخ'' ایما گرفتار رہی۔کبھی وہ تپ دق کے مریضوں کی تیماردار کرتی ہے۔کبھی ''مدر ارتھ'' جیسا سیاسی اور ادبی رسالہ نکالتی ہے اور کبھی ''فری اسپیچ لیگ'' قائم کرتی ہے۔وہ ہمیں اپنے گرفتار ساتھیوں کے لیے چندہ اکٹھا کرتی اور کبھی کان کنوں اور لباس تیار کرنے والوں کے حقوق کے لیے تقریریں کرتی اور گرفتار ہونے والوں کے لیے وکیل ڈھونڈتی نظر آتی ہے۔

ہڑتالیں کان کنوں کی ہوں یا ریل مزدوروں کی، تقریر عیسائیت کے خلاف کرنی ہو یا فوج میں جبری بھرتی کی مخالفت کا معاملہ ہو، آئرش باغیوں کے حمایت کا مسئلہ ہو یا برطانوی، امریکی، استحصالی نظام رکھنے والے کسی دوسرے ملک کی مخالفت ہو۔ایما ہر محاذ پر موجود ہوتی۔چوکھی لڑائی لڑنے میں شائد ہی اس کا کوئی ثانی پیدا ہوا ہو۔

۱۹۱۷ء کے روسی انقلاب کے بعد وہ اس انقلاب کی سب سے بڑی مداح اور وکیل بن کر تقریریں کرتی رہی۔یہاں تک کہ امریکی حکومت نے اسے ملک بدر کردیا اور وہ اور ساشا اپنے خوابوں کی سرزمین سوویت یونین پہنچ گئے۔سوویت یونین کی حمایت کرتے ہوئے ایما نے اور اس کے ساتھیوں نے کیسے کشٹ نہیں اٹھائے تھے۔لیکن جب وہ اور ساشا وہاں پہنچے تو ان کے تمام خواب چکنا چور ہوئے۔انہوں نے سوویت یونین میں 21 ماہ کی جبری خاموشی کا عذاب سہا۔وہاں وہ لینن سے بحث کرتی ہے اور

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

کہتی ہے کہ ''ہم تو امریکہ میں سیاسی حقوق کے لیے لڑتے تھے یہاں تک کہ اپنے مخالفین کے لیے بھی۔'' ایما کھر دراسچ لینن اور اس کے ساتھیوں کو خوش نہیں آ سکتا تھا چنانچہ اس کے اور ساشا کے لیے مشکلیں کھڑی ہونے لگیں۔ وہ پیٹر کروپوٹکن کو روس کا بطل جلیل کہتی ہے اور اس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ انقلاب آنے کے بعد یہ کیسے ممکن ہے کہ روس کا ایک بے مثال انقلابی فاقہ کشی سے موت کے منہ میں جا پہنچے اور سوویت حکومت کے خوشامدی عیش کریں۔

وہ نہ کریملن کے جبر و استبداد سے مصالحت کر سکتی تھی اور نہ اس کے لیے سوویت یونین کے دشمنوں کا حلیف بننا ممکن تھا۔ یہ ''سرخ ایما'' تھی جو ''سرخ سوویت یونین'' میں دہرے عذاب میں گرفتار تھی۔ مشکل یہ تھی کہ وہ جھوٹ بھی نہیں بول سکتی تھی۔ اس نے سوویت یونین میں گزارے ہوئے ۲۱ مہینوں کے بارے میں جو یادداشتیں لکھیں انہوں نے ایک تہلکہ مچا دیا۔ اس کے بہت سے دوست بدظن ہوئے لیکن اس کے خیال میں سچ بولنا اور لکھنا ہر بات سے افضل تھا۔

اس کا خیال تھا کہ جنگ جوئی کی شکست ہی عوام کی فتح کا سبب بن سکتی ہے۔ اس کا کہنا تھا کہ سرمایہ داری کی سب سے بڑی پشت پناہ جنگجوئی اور فوج پرستی ہے۔ فوج پرستی کا زوال ہی سرمایہ داروں کے زوال کا سبب بن سکتا ہے۔

اپنے پرچہ ''مدرارتھ'' سے وہ پیٹ کے پیدا کئے ہوئے بچے جیسی محبت رکھتی تھی ''مدرارتھ'' کی دسویں سالگرہ پر ایما نے لکھا کہ ''امریکہ اور بیرون ملک قارئین نے جو خراج تحسین پیش کیا۔ اس سے اس بات کی تصدیق ہوگئی کہ میرے بچے نے کس طرح لوگوں کے دلوں میں گھر کر لیا تھا''

ایما نے جب اس پرچے کا آغاز کیا تھا تو بقول اس کے ''بالکل ابتداء سے ہی میں نے دہرے مقاصد متعین کر دیئے تھے یعنی ہم غیر معروف ترقی نظریے کے لیے بلا خوف و خطر آواز بلند کریں گے اور ہماری منزل' اظہار خیال کو فنکارانہ پیرائے میں انقلابی کوششوں سے مربوط کرنا ہوگی۔ ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے مجھے ''مدرارتھ'' کو پارٹی پالیسیوں کی بندش سے آزاد رکھنا ہوگا۔ یہاں تک کہ انارکسٹ پالیسیوں سے بھی۔ فرقہ وارانہ حاشیہ بندی سے مبّرا اور ہر خارجی اثر سے پاک۔ خواہ وہ نیک نیتی پر ہی مبنی کیوں نہ ہو۔''

دس سینٹ میں ملنے والا ''مدرارتھ'' ہر مہینے کی پندرہ تاریخ کو شائع ہوتا اور اس کے ۴۰ صفحات شعلہ فشاں تحریروں سے مرقع ہوتے۔ فروری ۱۹۱۵ء کے شمارے پر نظر ڈالیے تو اس میں پیٹر کروپوٹکن' الیگزنڈر برکمین (ساشا)' ایما گولڈن مان اور اس عہد کے کئی دوسرے باغیوں' انقلابیوں کے نام نظر آتے ہیں۔ یہ وہ زمانہ ہے جب پہلی جنگ عظیم شروع ہو چکی تھی اور ''مدرارتھ'' کے صفحوں پر اس جنگ کے خلاف احتجاجی تحریریں چھپی ہوئی ہیں۔

پرچے کا آغاز ''جنگ کے دیوتاؤں کے لیے ایک حمد'' سے ہوتا ہے اور اختتام پیٹر کروپوٹکن کے مضمون ''جنگیں اور سرمایہ داری'' پر۔ فروری ۱۹۱۵ء کے اسی شمارے میں ایک مضمون ''امریکہ میں فیمینزم'' کے عنوان سے شائع ہوا ہے جو ایما کا لکھا ہوا نہیں لیکن اس کے خیالات کی ترجمانی کرتا ہے۔

ایما نے اپنی تحریروں اور تقریروں میں اپنے عہد کی اور اس سے پہلے گزرنے والی ان امریکی خواتین کو ہمیشہ جی کھول کر داد دی ہے جنہوں نے عورتوں کی تعلیم' آزادی' ان کے مساوی حقوق' ان کی تنخواہ' صحت اور ان کے آزاد ماں بننے کے حق کے لیے نہایت مشکل لڑائی لڑی اور اس کی سماجی اور ذاتی سطح پر بھاری قیمت ادا کی۔ یہ وہ عورتیں تھیں جنہوں نے برسوں جیلیں کاٹیں۔ پولیس جن کا تعاقب کرتی رہی۔ جو دھتکاری گئیں اور جن میں سے بعض کو پولیس نے اتنا ہراساں کیا کہ انہوں نے خودکشی میں پناہ ڈھونڈی۔

ایما کی زیر نظر خودنوشت ۱۹۲۸ء میں ختم ہو جاتی ہے۔ ایما اس کے بعد ۱۲ برس زندہ رہی۔ اس کی ذاتی زندگی کا سب سے بڑا حادثہ اس کے محبوب اور عزیز ترین دوست ساشا کی خودکشی تھی۔ ۲۸ جنوری ۱۹۳۶ء کی رات وہ ساشا کو خط لکھ کر اپنی ذاتی اداسیوں کا اظہار کر رہی تھی اور یہ پوچھ رہی تھی کہ اسے مانچسٹر گارجین یا ٹائمز لٹریری سپلیمنٹ درکار ہوں تو وہ اسے بھجوا دے۔ ایما نے خط کو

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

لفافے میں ڈال کر ابھی سر بہ مہر ہی کیا تھا کہ نائیس سے اس کے پاس فون آیا ''فوراً پہنچو'' ایما جب ساشا کے فلیٹ پر پہنچی ہے تو اس کا دم لبوں پر تھا۔ گولی اس کا سینہ چیرتی ہوئی نکل گئی تھی۔ ایک انقلابی نے اپنی بیماریوں اور ناکامیوں سے گھبرا کر زندگی کو ترک کر دینے کا فیصلہ کیا تھا۔ ایما نے اس شخص کو اپنی آنکھوں کے سامنے دم توڑتے دیکھا جو اس کی زندگی تھا۔ یہ اس کی ذاتی زندگی کا وہ جانکاہ صدمہ تھا جس نے اسے توڑ کر رکھ دیا۔ اس کے دوستوں کے لیے یہ ایک دل دوز منظر تھا کہ وہ اپنے کاٹیج کے پچھواڑے باغ میں پھر رہی ہے اور آوازیں دے رہی ہے ''ساشا تم کہاں ہو۔ کہاں ہو تم۔؟''

بعد میں ایما نے لکھا کہ میری زندگی کا ایک بہت بڑا حصہ ساشا کے ساتھ قبر میں رہنے چلا گیا۔ ایما نے بہت ہمت کی اور اپنے آپ کو سمیٹنے کی کوشش کی۔ وہ اسپین گئی جہاں جنرل فرانکو کے خلاف شاندار جدوجہد چل رہی تھی وہاں بھی وہ تقریریں کرتی رہی' انقلابیوں کو جوش دلاتی رہی لیکن زندگی کا ایک بڑا حصہ قبر میں اتر جائے تو ہم نیم جاں ہو جاتے ہیں۔ ایما اسپین سے واپس ہوئی اور کینیڈا میں تھی جب ۱۷ فروری ۱۹۴۰ء کو اس پر فالج کا حملہ ہوا۔ اور وہ شعلہ بیان عورت جسے دنیا کی کوئی طاقت' کوئی حکومت خاموش نہ کر سکی تھی وہ چار مہینوں تک چپ چاپ لیٹی رہی۔ ۱۴ مئی ۱۹۴۰ء کو موت اس کے لیے آزادی کا پروانہ لے کر آئی۔ ایما کو دسمبر ۱۹۱۹ء میں امریکہ بدر کر دیا گیا تھا اسے ''واپسی'' کی اجازت اس وقت ملی جب وہ تابوت میں بند تھی۔ اس کے سوگوار دوستوں نے اس کا استقبال کیا اور پھر وہ گھاس منڈی (ح مارکیٹ) شکاگو کے شہیدوں کے پہلو میں جرمن وائلڈ ہائم کے قبرستان میں سو گئی۔ اس کے لوح مزار پر لکھا ہے۔

''آزادی لوگوں پر نزول نہیں کرے گی' لوگوں کو آزادی کے حصول کے لیے اٹھنا ہوگا''

ایما کا کہنا تھا کہ ''میں خدا پر یقین نہیں رکھتی کیونکہ میں انسان پر یقین رکھتی ہوں۔ انسان نے خواہ کتنی ہی غلطیاں کی ہوں لیکن وہ ہزاروں برس سے خدا کے نادرست کاموں کو درست کرنے کی کوشش کر رہا ہے''

وہ مطلق العنانیت سے پنجہ آزمائی کو انسان کا سب سے بڑا خواب سمجھتی تھی اور اس کا کہنا تھا کہ جب ہم خواب نہیں دیکھتے تو مر جاتے ہیں۔

ایما کی زندگی میں دلچسپی کا نئے سرے سے آغاز ۱۹۶۰ء کی دہائی میں ہوا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ۱۹۶۸ء میں پیرس کی ہڑتال نے دنیا کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ اس وقت سے اب تک ایما کی زندگی پر کئی ڈرامے اسٹیج ہوئے ہیں۔ فلم بنی ہے۔ اس کے بارے میں متعدد مقبول گیت گائے گئے۔ کتابیں لکھی گئیں جن میں سے تازہ ترین تھریسا مورٹیز کی "The Worlds Most Dangerous Woman" ہے۔ جو ۲۰۰۱ء میں کینیڈا سے شائع ہوئی۔ کہنے والے تو یہ بھی کہتے ہیں کہ ایما کا جسد خاکی ٹورنٹو کے جس یونین ہال میں آخری دیدار کے لیے رکھا گیا تھا اور جہاں اس نے بہت سی تقریریں کی تھیں وہاں اب بھی اس کی روح بھٹکتی ہوئی اور تقریریں کرتی نظر آتی ہے۔ یہ جگہ اب ایک چینی ریستوران ہے۔

ایما گولڈ مان جیسی دہری عورت سے اس سے بڑا مذاق بھلا اور کیا ہو سکتا ہے۔

زاہدہ حنا

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

کچھ ترجمے کے بارے میں

اگر آپ ناول پڑھنے کے شوقین ہیں تو یہ علی پور کے ایلی سے بڑھ کر ہے جسے ایک عورت نے تصنیف کیا ہے۔ ہاں اگر آپ تاریخ کے آدمی ہیں تو یہ کتاب آپ کو تاریخ کی انچاس کتابوں سے بے نیاز کردے گی۔ اور اگر آپ سائنسی ذہن رکھتے ہیں تو کتاب آپ کو بتائے گی کہ چاند کے عقب میں کیا ہے کیونکہ کہا جاتا ہے کہ جب انسان کی بنائی ہوئی مشین چاند کے دوسرے جانب جاتی ہے تو اس کا روئے زمین سے رابطہ منقطع ہو جاتا ہے۔ آزادی فکر اور عملی جدوجہد کی ایک نایاب داستان ہے۔

عورت مرد کو کن نظروں سے دیکھتی ہے اور اس کی دیانت دارانہ اور بے باک رائے کیا ہے وہ اس کتاب میں ملے گی۔ کوئی عورت کس طرح امریکہ، سویت یونین، برطانیہ، فرانس اور یورپ کا جائزہ لیتی ہے اسے یہاں قلمبند کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ تاریخ کے متعلق کئی سوالات اٹھانے کے علاوہ یہ تحریر تاریخ کے اس رخ کو نمایاں کرے گی جو برصغیر میں بیسویں صدی کی تعلیم یافتہ اکثریت کی نظروں سے اوجھل رہا ہے۔ موصوفہ نام نہاد ترقی یافتہ قوموں کی انسانیت کش پالیسیوں اور پس پردہ کرتوتوں کا پردہ چاک کرتی ہے اور وضاحت کرتی ہے کہ دنیا کیسی ہے اور کیا ہونا چاہئے۔ تاہم اس میں امریکہ میں پائی جانے والی سیاہ فاموں کے خلاف نسل پرستی کا کماحقہ ذکر نہیں ہے اس کے علاوہ مصنفہ نے چین کے ممتاز انارکسٹ لی۔ پی۔ کان (یا' پاچن) کا ذکر نہیں کیا جو خود کو ان کا 'معنوی فرزند' کہتے تھے۔ روسی تھیٹر کے متعلق باب بھی شائید چند قارئین کو گراں گزرے جسے ہم نے متن کا اعتبار رکھنے کے لیے کتاب سے خارج نہیں کیا۔ تاہم تحت اللفظ ترجمہ کرنے میں ممکن ہے میں نے کہیں کہیں عاشقانہ انحراف سے کام لیا ہو یا چند غلطیاں در آئی ہوں جن سے درگزر فرمایئے۔ پھر بھی یہ کتاب مردوں کے لیے آئین حیات اور خواتین کے لیے بہشتی زیور سے کم نہیں۔

تزئین کائنات کا باعث وہی بنے دنیا سے اختلاف کی جرأت جنہوں نے کی

گولڈ مان شوریدہ سر، مفکر اور باغی خاتون تھیں۔ ''بغاوت کرنا جائز اور برحق ہے'' جسے ۱۹۶۸ء میں انقلاب فرانس کی تیسری کروٹ میں منوالیا گیا۔ انسان کو مساوات اور برابری کا درس دینے کے لیے اہل فرانس نے انقلاب کے چوتھے مرحلے میں جو ۲۶ اکتوبر ۲۰۰۵ء سے ۱۹ نومبر تک ۲۵ دن چلا..... ۳۰۴۶۵ کاروں کو نذر آتش کر کے (جبکہ ہم آج بھی اپنی بسوں کو جلاتے ہیں) ایک مرتبہ پھر دنیا بھر کو سبق دیا کہ برابری اور مساوات کے لیے پبلک ٹرانسپورٹ درست اور بلا معاوضہ ہونا چاہئے، جس میں کسی کی نکسیر بھی نہ پھوٹی۔ جبکہ فرانس کی حکومت نے ہنگامی قوانین کے تحت آٹھ پولیس والوں کو حراست میں لے لیا جنہوں نے یہ کہہ کر عوام کے خلاف کارروائی کرنے سے انکار کر دیا تھا کہ ہم سب برابر ہیں ہفت روزہ نئی دنیا (۲۰۔۲۶ نومبر ۲۰۰۵ء نئی دہلی)۔ انقلاب فرانس کے دو مقاصد مساوات اور اخوت کی منزل دور ہے۔

ایما کے نظریات مختصراً یوں بیان کئے جاسکتے ہیں۔

> ''یہ ایسے سماجی نظریات کا فلسفہ ہے جس کا دارومدار انسان کے بنائے ہوئے تمام قوانین سے نجات پانا ہو۔ اس نظریہ کے مطابق حکومتوں کی تمام قسموں کا دارومدار تشدد پر ہوتا ہے۔ اس لیے وہ غلط اور ضرر رساں ہوتی ہیں اور اس لیے غیر ضروری بھی۔ یوں انارکزم ذہن کو مذہب کی گرفت، انسانی جسم کو جائے داد اور ملکیت کے شکنجے اور حکومتی جبر و استبداد سے گلوخلاصی دیتا ہے۔'' یہ کتاب اسی نظریئے

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

کے حصول کی جدوجہد کی آپ بیتی ہے۔

''اسے تاریخ کی ستم ظریفی کے سوا کیا کہا جائے کہ اکادمی ادبیات' اسلام آباد پاکستان نے شمارہ ۶۰ - ۵۹ سال ۲۰۰۲ء خواتین کے عالمی ادب کا جہازی سائز کے ۹۲۰ صفحات کا انتخاب شائع کیا جس میں ۲۱۴ خواتین کی نگارشات شامل ہیں۔ جو ایک وقیع کام ہے مگر عورتوں اور انسان کی خیر اندیش ایما گولڈمان کے ذکر سے خالی۔

اس کتاب کے ترجمہ کرنے میں قدم قدم پر فرحت فردوس نے دستگیری کی جو چار برس تک جاری رہی۔ اس کے علاوہ روسی عبارت کے ترجمہ / تلفظ کے لیے جون عباس اور وکٹوریہ (قازقستان)، فرانسیسی کے لیے شیر محمد (راولپنڈی) لیکن ماسکو/پیرس کے انگریزی تلفظ کو نہیں چھیڑا گیا، جرمنی سے ترجمہ کے لیے ابوالبرکات ملک اور سلطان مسعود شیخ۔ اے بی ٹی کا بھی میں ممنون ہوں جنہوں نے چار ماہ تک پروف خوانی کی اور مفید مشورے دیے۔ پروف کی تصحیح میں فرحت زہرا (زارا نقوی) نے ہاتھ بٹایا۔ اسی طرح کینیڈا میں مقیم عسکری نقوی نے Single Taxer کے معنی ڈھونڈ نکالے۔ زاہدہ حنا نے اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود اس کی نوک پلک درست کرنے میں اعانت کی۔

محمد مظاہر
گلشن اقبال کراچی
مئی ۲۰۰۷ء

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

بلاتبصرہ

کولن پاول کو آزاد کرو!

امریکی وزیر خارجہ ریٹائرڈ جنرل کولن پاول ٹی وی کے پروگرام میٹ دی پریس پر ان سے کیے گئے سوال کا جواب دینے ہی والے تھے کہ کیمرہ ان سے ہٹ گیا اور ایک خاتون کی آواز آئی کہ "You are Off" یعنی آپ اب کیمرے کے سامنے نہیں ہیں۔ امریکی وزیر خارجہ ملک کے ایک بڑے نیٹ ورک کے ایک مقبول ترین پروگرام کے لیے انٹرویو ریکارڈ کروا رہا ہو اور اسے کوئی بات کرنے سے روک دے؟ ایسا تو ISI والے شیخ رشید یا میاں خورشید قصوری کے ساتھ نہیں کرتے؟

(2) یہ واقعہ ۱۶ مئی اتوار کے روز کا ہے۔ شو کے میزبان Tim Russert نے وزیر خارجہ پاول سے یہ سوال پوچھا تھا کہ ''مسٹر سیکرٹری ۲۰ فروری ۲۰۰۳ء کو آپ نے اقوام متحدہ میں اپنی ذاتی Credibility داؤ پر لگاتے ہوئے عراق پر حملے کا جواز پیش کیا اور.....'' کولن پاول کے جواب دینے سے پہلے وزارت خارجہ کے تعلقات عامہ کے شعبے کی Emily Miller نے کولن پاول سے کہا کہ "YOU ARE OFF" اس پر کولن پاول نے ایک ضدی بچے کی طرح کہا کہ "No! I AM NOT OFF" اور ایملی ملر نے ایک سخت گیر ماں کی طرح کہا ''یہ لوگ یہ استعمال نہیں کر سکتے یہ اس کی تدوین کریں گے۔'' یعنی جو کچھ بے بس وزیر خارجہ کے ساتھ بدسلوکی ہو رہی تھی وہ بھی ٹیپ ہو رہی تھی اور مس ملر کا کہنا تھا کہ اسے NBC پر نہیں دکھایا جا سکتا۔ پاول نے آواز بلند کر کے کہا کہ ''ایملی میرے سامنے سے ہٹو، براہ مہربانی کیمرہ واپس لائیے۔'' یہ انٹرویو NBC کے اسٹوڈیو میں نہیں ہو رہا تھا۔ شو کے میزبان NBC میں تھے بلکہ کولن پاول کسی دوسری جگہ تھے جہاں NBC کے کیمرہ مین وغیرہ تھے جب پاول کی اسٹاف نے کہا کہ آپ اب کیمرے پر نہیں ہیں تو پاول نے کہا کہ وہ ابھی سوال پوچھ رہے ہیں اس پر خاتون نے ڈانٹ کر کہا کہ ''نہیں وہ نہیں پوچھ رہے ہیں۔'' پاول نے شو کے میزبان سے کیمرہ بند ہونے کی معذرت کرتے ہوئے کہا کہ ''مجھے افسوس ہے کہ میرا آپ کا Connection کٹ گیا تھا'' میزبان نے کہا ''مسٹر سیکرٹری میرے خیال میں یہ رابطہ آپ کے اسٹاف ممبر نے منقطع کیا تھا اور میرے خیال میں یہ نامناسب بات تھی۔''

خیر پاول کے کہنے پر کیمرہ واپس ان پر لایا گیا اور انہوں نے میزبان کے سوال کا جواب دینا شروع کیا کہ ''مجھے سخت تشویش ہے جب میں نے فروری ۲۰۰۳ء میں اقوام متحدہ میں عراق پر حملے کا کیس پیش کیا تو اس کی بنیاد اس انفارمیشن پر تھی جو مجھے CIA نے فراہم کی تھی ہم نے اس کا بغور مطالعہ کیا ہم نے دیکھا کہ اس کے ذرائع کیا ہیں ہم نے موبائل ٹرکوں کے کیس کا مطالعہ کیا اس کے کئی ذرائع تھے لیکن بدقسمتی سے یہ تمام ذرائع صحیح ثابت نہیں ہوئے چنانچہ مجھے گہری مایوسی ہوئی ہے۔'' میں جب بھی امریکی حکومت کے سینئر حکام سے صحافی کے طور پر ملا تو اس ملاقات میں اس وزارت کا تعلقات عامہ کا ایک افسر ضرور موجود ہوتا تھا۔ میرا خیال تھا کہ شائید اس کا مقصد ان افسران کو صحافیوں کو اندرونی باتیں بتانے سے روکنا ہو لیکن امریکی پریس LEAKS کے لیے مشہور ہے۔ سرکاری افسران کسی نہ کسی طرح انفارمیشن میڈیا میں پہنچا دیتے ہیں۔

اس واقعہ میں کولن پاول اپنی وزارت کے سربراہ ہیں۔ ایملی ملر وزارت کے Public Affairs Office کی ایک ملازمہ ہیں ان کو جرأت کیسے ہوئی کہ وہ انٹرویو کے دوران وزیر خارجہ کو Censor کریں۔ ان کا پورا کیریئر تباہ ہو سکتا تھا چنانچہ میرا خیال ہے کہ Public Affair کے وہ افسران جو سینئر حکام کی پبلک یا پریس کی ملاقاتوں میں سائے کی طرح لگے رہتے

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

ہیں ان کا تعلق خفیہ ایجنسیوں سے ہوتا ہے ورنہ کسی اسٹاف ممبر کی یہ جرأت نہیں ہوسکتی کہ وہ اپنے وزیر کی کھلے عام زبان بندی کرے بلکہ کیمرے کا Plug نکال دے جو بدتمیزی ہے۔اس کے بعد سے اب تک پریس میں ایسی کوئی خبر نہیں آئی کہ کولن پاول نے ان محترمہ کو اسٹاف سے برطرف کر دیا اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ انہیں اس کا اختیار نہیں ہے۔ان کا تبادلہ ہوسکتا ہے برطرفی نہیں۔جب لوگ گلہ کرتے ہیں کہ پاکستان میں ایجنسیوں کی حکومت ہے تو میں ان سے کہتا ہوں کہ ایجنسیوں کی حکومت دیکھنا ہے تو امریکہ میں دیکھیں۔

مئی کے مہینے میں وائس آف امریکہ کی اردو میں ۱۲ گھنٹے روزانہ کی سروس ''آپ کی دنیا'' کا افتتاح ہوا۔تقریب میں اس بات پر بڑا زور تھا کہ اس سروس میں نشر ہونے والی خبریں اور تبصرے آزادانہ ہونگے بعض شرکاء کو شک تھا اگر ریڈیو حکومتی ہے تو وہ حکومت کا نقطۂ نظر پیش کرے گا نہ کہ آزادانہ۔جس حکومت میں وزیر خارجہ اپنا آزادانہ موقف پیش کرنا چاہے تو کیمرے کا Plug نکال دیا جاتا ہو ایسی حکومت میں عام ملازمین کس طرح کوئی آزادانہ بات کر سکتے ہیں؟ پاکستان میں امریکہ کے مقابلے میں کتنی آزادی ہے؟ اس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ یہاں کوئی یہ کہنے والا بھی نہیں ہے کہ ''کولن پاول کو آزاد کرو!

نیر زیدی.....واشنگٹن

(روزنامہ جنگ کراچی ۲۸ مئی ۲۰۰۴ء)

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

اعتراف میں

ان تجاویز پر کہ میں اپنی یادداشتیں قلمبند کروں اس وقت سے میرے کانوں میں پڑ رہی ہیں جب میں عوامی معاملات میں بہ مشکل نووارد تھی اور یہ سلسلہ برس ہا برس سے جاری ہے۔ لیکن ان فرمائشوں پر میں نے کبھی توجہ نہ دی۔ میں اپنی زندگی بھرپور طریقے سے بسر کرتی رہی۔ اس کے متعلق لکھنے کی آخر کیا ضرورت ہے؟ میری ہچکچاہٹ کی ایک وجہ میرا یہ عقیدہ تھا اور جس پر میں کاربند بھی رہی کہ کسی کو اپنی زندگی کے متعلق صرف اس وقت لکھنا چاہیے جب وہ زندگی کے طوفانی دھارے میں سے نکل کر الگ کھڑا ہو چکا ہو اور ''اس کا سن حکیمانہ عہد میں داخل ہو چکا ہو۔'' میں اپنے دوستوں سے کہا کرتی تھی کہ جب ''انسان زندگی کے المیوں اور طربیوں کو ذاتی مفادات سے بلند ہو کر ایک ہمزاد کی طرح دیکھنے کے قابل ہو جائے۔ بالخصوص اپنی ذاتی زندگی کو۔'' تب شائید یہ ممکن ہو کہ وہ کوئی قابل ذکر خودنوشت آپ بیتی تخلیق کر سکتا ہے۔ عمر رسیدگی کے باوجود میں خود کو نوجوان محسوس کرتی ہوں اس لیے خود کو ایسے کام کے لیے اہل نہیں پاتی۔ مزید براں مجھے لکھنے کے لیے اور مرکوز توجہ کے لیے جیسی فراغت درکار ہے وہ ہمیشہ سے کم رہی ہے۔

مجھ پر یورپ میں جو بے عملی مسلط کر دی گئی اس سے مجھے گہرے مطالعے کا موقع مل گیا جس میں سوانح عمریاں اور خودنوشت آپ بیتیاں دونوں شامل ہیں۔ اگرچہ اس بات سے میں بہت جز بز بھی ہوئی جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ ضعیفی میں دانش اور معاملہ فہمی میں اضافے کے بجائے تنگ نظری اور سٹھیانے میں بہت اضافہ ہو جاتا ہے۔ اور رنجش عداوتوں میں بدل جاتی ہیں۔ میں اس نوعیت کے عذاب کا خطرہ نہیں مول لے سکتی۔ اس لیے میں نے بڑی سنجیدگی سے اپنی زندگی کے حالات قلمبند کرنے کے متعلق سوچنا شروع کر دیا۔

سب سے بڑی دشواری جو مجھے درپیش تھی وہ میرے کام کے تاریخی کاغذات کی نایابی تھی۔ قریب قریب ہر وہ چیز جو کتابی شکل میں، خط و کتابت کی صورت میں یا اس سے ملتا جلتا مواد جو میں نے اپنے امریکہ کے پینتیس سال کے قیام کے دوران میں جمع کیے تھے اسے وہاں کے محکمہ انصاف کے چھاپہ مارنے والوں نے ضبط کر لیا تھا اور پھر نہ لوٹایا۔ یہاں تک کہ میرے پاس مدراراتھ رسالے کے جو ذاتی شمارے تھے وہ بھی موجود نہیں۔ جنہیں میں نے بارہ برس شائع کیا تھا۔ یہ ایک ایسا مسئلہ تھا جس کا مجھے کوئی حل نہیں نظر آتا تھا۔ مزاج کی میں تشکک مائل ہوں، میں دوستی کی ساحری کو فراموش کر بیٹھی جس نے میرے زندگی میں کئی مواقع پر پہاڑوں میں جنبش پیدا کر دی تھی۔ میرے جاں نثار دوستوں لیونارڈ۔ ڈی۔ ایبٹ، ایگنس انگلس، ڈبلیو۔ ایس۔ وان فالکنبرگ اور دیگر نے میرے شکوک کو شرما دیا۔ ایگنس جو ڈیٹرایٹ کی لاباڈی لائبریری کی بانی ہے جہاں ریڈیکل اور انقلابی مواد کا امریکہ میں سب سے بڑا ذخیرہ رکھا ہے، میری دستگیری کو اپنی روایتی عجلت سے پہنچ گئی۔ لیونارڈ نے اپنے حصے کا کام انجام دیا وان نے اپنی فرصت کا تمام وقت میرے لیے تحقیق کرنے میں صرف کیا۔

جہاں تک یورپ کے مواد کا تعلق تھا مجھے معلوم تھا کہ اپنی ہی صفوں کے دو فاضل مورخین سے رجوع کیا جا سکتا ہے یعنی میکس نٹالو اور روڈولف روکر۔ ایسے معاونین کے صف بستہ ہو جانے کے بعد مزید تردد کی ضرورت نہ رہی۔

اس کے باوجود میں قدرے بے چین سی تھی۔ میں کوئی ایسی چیز چاہتی تھی۔ جو مجھ میں وہ جذبہ بیدار کر دے جو میری ذاتی

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

زندگی کی فضا کو از سر نو طاری کردے، وہی واقعات جو چاہے چھوٹے ہوں یا بڑے جن میں میں ڈولتی رہی۔ میرے اندر ایک پرانی آواز نے میری دستگیری کی یعنی خطوط کے وہ طومار جو میں نے کبھی دل کھول کر لکھے تھے۔ اور جس پر اپنے ہانی (پنجابی) ساشا المعروف الیگزینڈر برکمین کی جھڑکیاں بھی سہہ چکی تھی اور اپنی ذات کو خطوط میں عریاں کرنے کی روش پر دیگر دوستوں کی بھی سہنا پڑی تھی۔ اس نیکی کا کوئی انعام تو مجھے کیا ملتا۔ اس بدچلنی کا صلہ مجھے اس چیز میں ملا جس کی آج مجھے سخت ضرورت تھی...... ایام رفتہ کی صحیح تصویر۔ بین ریٹمین، بین کیپس، جیکب مارگولس، ایگنس انگلس، ہنری وین برگر، وان میرادل پھینک مداح لیون باس اور لاتعداد دیگر احباب جنہوں نے میری فرمائش پر میرے خطوط فی الفور لوٹا دیے میری بھانجی، اسٹیلا بالنتاین نے میری تحریر کو سینت کر رکھا تھا جو میں نے مسوری کی اصلاحی جیل سے ارسال کی تھی۔ وہ اور اس کے علاوہ میری دوست ایم۔ ایلیز فٹز جیرالڈ بھی میری روسی زبان میں ہونے والی خط و کتابت محفوظ رکھے ہوئے تھی۔ مختصراً جلد ہی میرے قبضے میں کوئی ہزار سے اوپر میرے مکتوباتی نگارش کے حامل خطوط کا ڈھیر لگ چکا تھا۔ میں تسلیم کرتی ہوں کہ ان کا پڑھنا تکلیف دہ تھا کیونکہ عموماً کوئی بھی یوں دل چیر کر نہیں رکھ دیتا جتنا کہ ذاتی خطوط میں ہو جاتا ہے۔ مگر میرے مقاصد کے لیے یہ انمول تھے۔

ان سے لدی پھندی میں سین تغوپیز سدھاری جو جنوبی فرانس میں مچھیروں کی ایک جاذب نظر بستی ہے۔ میرے ہمراہ ایملی ہومز کولمین تھی۔ جسے میری سیکرٹری کے فرائض انجام دینے تھے۔ اسے بے تکلف ڈیمی کہتے تھے۔ وہ کوہ قاف کی پری ہوتے ہوئے مزاجاً جوالا مکھی تھی۔ لیکن وہ ریشم کی طرح نرم بھی تھی اور چھل فریب سے عاری۔ وہ بنیادی طور پر شاعر تھی نہایت پر تخیل اور حساس۔ میرے نظریات کی دنیا اس کے لیے بھول بھلیاں تھی حالانکہ وہ فطرتاً باغی اور انارکسٹ تھی۔ ہم خوانخوار ہو کر الجھ جاتے اور تنازع اتنا بڑھ جاتا کہ ہماری خواہش ہوتی کہ دوسرا سین تغوپیز کی خلیج میں غرق ہو جائے۔ لیکن اس کی دلربائی کے مقابلے میں اس سب کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ وہ کام میں تن من سے لگی رہتی اور اسے میرے داخلی ردوکد کا گہرا شعور تھا۔

قلمکاری میرے لیے ہمیشہ کوئی آسان کام نہیں رہا۔ اور جس کام کا میں نے بیڑا اٹھایا تھا وہ کسی معنی میں محض لکھنے والا کام نہ تھا۔ اس کے معنی یہ تھے کہ مجھے ماضی بعید میں بسر کیے ہوئے دنوں میں روح پھونکنی تھی اور ان یادوں کو نئی حیات دینی تھی جن گڑے مردوں کو میں اکھاڑنا نہ چاہتی تھی جو میرے تحت الشعور میں دبے ہوئے تھے۔ اس کے معنی یہ تھے کہ میری خلاقی کی صلاحیت مشکوک ہے، اضمحلال طاری ہے اور بددلی نے جگہ بنالی ہے۔ ایسے مواقع پر ڈیمی نے بڑے جرأت سے کام کو آگے بڑھایا اور اس کی ہمت افزائی کشمکش کے پہلے سال میں نہ صرف ولولہ انگیز رہی بلکہ وجہ آسودگی بھی۔

اگرچہ میں دوستوں کی تعداد اور ان کی جاں نثاری کی حد تک بہت خوش نصیب ہوں جنہوں نے اپنا سارا زور اس پر صرف کیا اور اس کے لیے راہ ہموار کرتے رہے تاکہ میں اپنی زندگی بسر (For Living My Life) کر سکوں۔ پہلا شخص وہ تھا جس نے مجھے مادی تشویش سے نجات دلانے کی غرض سے چندے کے ذریعے رقم جمع کرنا شروع کر دی وہ تھا پیگی گگنہیم۔ دیگر احباب اور کامریڈوں نے اس ہی کے نقش قدم پر چلنا شروع کر دیا اور اپنے محدود وسائل کے باوجود بے دریغ رقوم دیں۔ ایک نوجوان امریکی دوست مریام لرنر نے اس وقت رضا کارانہ ڈیمی کی جگہ کام سنبھال لیا جب آخر الذکر کو انگلینڈ جانا پڑا۔ ڈوروتھی مارش بیٹ ٹی مارکو اور ایمی ایکسٹین نے میری محبت میں قلمی مسودے کا معقول حصہ ٹائپ کر کے دیا۔ آرتھر لیونارڈ راس جو ازحد کریم النفس اور انتہائی فیاض اور شاہ خرچ ہیں انہوں نے بطور قانونی مشیر کے کبھی تساہل نہ کیا۔ ایسی دوستیوں کا کیا اجر دیا جا سکتا ہے۔

اور پھر ساشا؟ اس وقت بہت سی غلط فہمیاں حائل ہو گئیں جب مسودے کی نظر ثانی کی نوبت آئی۔ میں ڈر رہی تھی کہ ممکن ہے وہ اس بات کا برا مان جائے جب وہ اپنی تصویر کو میری آنکھوں سے دیکھے۔ کیا وہ اپنی ذات سے اتنا بلند ہو سکے گا اور میں حیران تھی کہ وہ اس کام کے لیے اس قدر معروضی ہو سکے گا؟ میں نے اسے اس کام کے لیے قابل ذکر حد تک پورا اترتے دیکھا جو

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

میری داستان کا اتنا اہم جزو ہے۔ ساشا اٹھارہ ماہ تک ماضی کی طرح میرے ساتھ شانہ بشانہ کام کرتا رہا۔ بلاشبہ گاہے گاہے نقاد بھی بن جاتا۔ مگر نیت میں ہمیشہ شستگی اور فراخی ہوتی۔ یہ ساشا ہی تھا جس نے اس کتاب کا عنوان ''لونگ مائی لائف'' تجویز کیا۔

اپنی حیات میں نے جیسے بھی بسر کی یہ ان کے طفیل ہے جو اس میں داخل ہوئے، مختصر یا طویل عرصے تک مقیم رہے اور گزر گئے۔ ان کی محبت اور ان کی نفرتوں نے بھی میری زندگی کی تشکیل میں قابل ذکر حصہ لیا۔

یہ کتاب ان تمام لوگوں سے اظہار ممنونیت اور بطور خراج تحسین کے پیش کرتی ہوں۔

ایما گولڈمان

سین تغوپیز۔ فرانس

جنوری ۱۹۳۱ء

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

باب ۱

یہ اگست ۱۸۸۹ء کی پندرھویں تاریخ تھی جو میری نیویارک شہر میں آمد کا دن تھا میں بائیس برس کی تھی۔ گذشتہ برسوں میں مجھ پر جو بیتی وہ میں پیچھے چھوڑ آئی تھی۔ پھٹے پرانے کپڑوں کی طرح۔ ایک نئی دنیا میرے سامنے تھی۔ جو اجنبی اور ڈراونی تھی۔ لیکن میں جوان تھی۔ صحت عمدہ اور آدرش سے لبریز۔ پردہ غیب سے میرے لیے جو ظاہر ہونے والا تھا میں اس کا سامنا کرنے کے لیے کمر بستہ تھی۔

مجھے اتوار کا وہ دن خوب یاد ہے۔ جب سستے ٹکٹ والی ویسٹ شور ٹرین جو میری مالی حیثیت کے مطابق تھی مجھے روچسٹر سے نیویارک لائی۔ جووی ہاکن اسٹیشن پر صبح آٹھ بجے پہنچی۔ جہاں سے بذریعہ کشتی میں نیویارک شہر تک آئی۔ یہاں میرا کوئی دوست نہ تھا لیکن میرے پاس تین پتے ضرور تھے۔ ایک شادی شدہ خالہ' دوسرا ایک طب کے نوجوان طالبعلم کا جس سے سال بھر پہلے نیوہیون کے مقام پر میری ملاقات ہوئی تھی۔ جن دنوں میں خواتین کے زیر جامے بنانے کی فیکٹری میں ملازم تھی۔ تیسرا پتہ فرای ہایٹ' جوہان موسٹ (Freiheit Johan Most) کا تھا جو فرای ہایٹ جرمن انارکسٹ (نراجی) رسالے کا ناشر تھا۔

میرا کل اثاثہ پانچ ڈالر ایک چھوٹا ہینڈ بیگ اور میری سلائی مشین تھی جو میری خودمختاری کی ضامن تھی جسے میں روانگی سے پہلے بک کرا آئی تھی کیونکہ مجھے بیالیسویں سڑک کے مغربی کنارے سے بوویری تک کے فاصلے کا علم نہ تھا جہاں خالہ کا گھر تھا۔ اس کے علاوہ نیویارک کی ماہ اگست کی توانائی نچوڑ لینے والی گرمی سے بھی نا آشنا تھی اس لیے پیدل چل دی۔ ایک بڑا شہر نووارد کے لیے کس قدر پریشان کن اور شیطان کی آنت ہوتا ہے اور کس قدر سرد مہر اور غیر دوستانہ ہوسکتا ہے! اس کا مجھے علم نہ تھا۔

کئی سمتوں کی جانب ہدایات اور بھٹکانے والے مشورے ملنے کے بعد' کئی سر چکرا دینے والے چوراہوں پر ٹھہرنے کے بعد اور تین گھنٹے کے سفر کے بعد میں اپنی خالہ رخالو کے گھر پر پہنچی جو فوٹو گرافک گیلری کے علاقے میں تھا۔ خستہ حال اور گرمی سے بدحال میری خلاف توقع آمد سے اپنے رشتہ داروں کے چہرے پر پھیلی ہوئی سراسیمگی ابتدا میں مجھے نظر نہ آئی۔ انہوں نے آؤ بھگت دکھائی، ناشتہ کرایا پھر سوالوں کی بوچھاڑ کر دی۔ میں نیویارک کس لیے آئی ہوں؟ کیا میں نے اپنے شوہر سے مستقل علیحدگی اختیار کر لی ہے؟ کیا میرے پاس رقم ہے؟ میرا کیا کرنے کا ارادہ ہے؟ مجھے بتایا گیا کہ میں ان کے ساتھ یقیناً قیام کر سکتی ہوں۔ ''تم کہاں جا کے رہو گی' ایک جوان عورت نیویارک میں اکیلی کیسے رہ سکتی ہے۔'' یہ بھی ضروری ہے کہ میں فوراً کوئی ملازمت تلاش کروں۔ کاروبار میں مندی چل رہی ہے اور بود و باش کے اخراجات بڑھ رہے ہیں۔

میں نے یہ سب کچھ سکتے کے عالم میں سنا۔ میں سفر کے رتجگے سے نڈھال تھی اس کے علاوہ پیدل سفر اور سورج کی تپش مجھے پہلے ہی جھلسا چکی تھی۔ رشتے داروں کی آوازیں مجھے کہیں دور سے آتی لگ رہی تھیں جیسے مکھیاں بھن بھنا رہی ہوں جس سے مجھ پر غنودگی طاری ہوگئی۔ بہ مشکل میں نے حواس یکجا کیئے۔ میں نے انہیں اطمینان دلایا کہ میں ان پر بوجھ بننے نہیں آئی ہوں۔ ہنری اسٹریٹ پر مقیم ایک دوست میرا منتظر ہے جہاں میں ٹھہروں گی۔ میری بس ایک ہی آرزو تھی کہ کسی طرح یہاں سے نکلوں اور ان لوگوں کی بچوں کی سی باتوں اور چبھتی آوازوں سے گلوخلاصی حاصل کروں۔ میں نے اپنا تھیلا وہیں چھوڑا اور روانہ ہوگئی۔

دوست میں نے محض اس لیے ایجاد کیا تھا تا کہ اپنے عزیزوں کی ''مہماں نوازی'' سے نجات مل جائے سولوٹاروف سے میری سرسری ملاقات تھی۔ جو ایک نوجوان انارکسٹ تھا اور نیوہیون میں اس کا میں نے ایک لیکچر سنا تھا۔ اب میں نے رستے تلاش

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

کرنا شروع کیے ۔ بڑی تلاش کے بعد اس کا گھر ڈھونڈ نکالا مگر مکین صاحب سکونت ترک کر چکے تھے ۔ صفائی کرنے والا اکھڑ کارکن میری بیکسی کو بھانپ گیا ۔ بولا کہ میں اس کے نئے پتے کو تلاش کرتا ہوں جو رخصت ہوتے وقت اہل خانہ چھوڑ گئے تھے ۔ وہ جھٹ سے کوچے کا نام لے آیا مگر مکان نمبر ندارد ۔ مجھے کیا کرنا چاہیے؟ اس وسیع و عریض شہر میں سولوٹاروف کو کیسے تلاش کروں؟ میں نے ہر گھر پر رکنے کی ٹھانی ۔ پہلے کوچے کے ایک جانب پھر دوسری طرف ۔ نیچے سے اوپر تک سیڑھیوں کے ذریعے میں چلی جا رہی تھی، سر میں دھمک ہو رہی تھی اور ٹانگیں ٹوٹ رہی تھیں ۔ جاں لیوا دن ختم ہوا چاہتا تھا ۔ آخر کار جب میں تلاش ترک کرنے کی سوچ رہی تھی ۔ میں نے اسے منٹگمری اسٹریٹ کی پانچویں منزل پر ایک علیحدہ فلیٹ میں تلاش کر لیا جہاں انسانیت پھٹی پڑ رہی تھی ۔

ہماری ملاقات کو کوئی ایک برس گزر چکا تھا لیکن سولوٹاروف نے مجھے فراموش نہیں کیا تھا ۔ اس کا انداز استقبال ملنساری اور ایسی گرم جوشی کا تھا جو پرانے دوستوں میں ہوتی ہے ۔ اس نے مجھے بتایا کہ اس اپارٹمنٹ میں وہ اپنے والدین اور بھائی کے ساتھ رہتا ہے پھر بھی وہ اس بات پر راضی ہو گیا کہ میں اس کے کمرے میں قیام کروں اور وہ خود اپنے کسی دوست شاگرد کے ساتھ چند راتیں بسر کر لے گا ۔ اس نے مجھے اطمینان دلایا کہ مجھے رہائش تلاش کرنے میں کوئی دشواری نہ ہو گی ۔ فی الواقع وہ دو بہنوں سے واقف تھا جو دو کمرے کے فلیٹ میں اپنے باپ کے ساتھ رہتی تھیں لیکن ایک اور لڑکی کی تلاش میں تھیں جو ان کے ساتھ رہ لے ۔ چائے اور یہودی کیک سے جو اس کی ماں نے تیار کیے تھے سے مجھے شکم سیر کرانے کے بعد اس نے کئی لوگوں کے متعلق بتایا جن سے میں مل سکتی تھی جس میں ایدیش (Yiddish) (ایک بولی جو وسطی یا مشرقی جرمن نژاد یہودی بولتے ہیں) انارکسٹ کارکنوں کے علاوہ دیگر دلچسپ معاملات کی سبیل پیدا ہو سکتی تھی ۔ میں اپنے میزبان کی شکر گزار تھی ۔ چائے اور کیک سے زیادہ اس کے سلوک اور میرے لیے فکر مندی کے احساس کے لیے اس کی شکر گزار تھی، میں اس تلخی کو بھول چکی تھی جو میری روح میں اعزا کے درشت استقبال سے پیدا ہو گئی تھی ۔ نیو یارک اب وہ عفریت نہیں لگ رہا تھا جس نے میرے بوویری کے علاقے میں کئی گھنٹوں تک بھٹکنے میں سر اٹھایا تھا ۔

سولوٹاروف اس کے بعد مجھے سفولک اسٹریٹ پر واقع ساشیز کیفے پر لے گیا ۔ اس کے بقول یہ مشرقی خطوں کے ریڈیکلز، سوشلسٹوں، انارکسٹوں کے علاوہ ایدیش مصنفوں اور شاعروں کا بھی گڑھ تھا ۔ ''وہاں سب جمع رہتے ہیں'' اس نے سرسری سا تبصرہ کیا ۔ منکن بہنیں بھی لازماً موجود ہوں گی ۔

کسی ایسے شخص کے لیے جو روچسٹر جیسے مضافاتی شہر کی یکسانیت سے مخلصی پا کر ابھی ابھی وارد ہوا ہو اور جس کے اعصاب رات بھر حبس زدہ ڈبے کے سفر سے بیزار ہو چکے ہوں ۔ اس کے لیے ساشیز کا شور اور افراتفری کا حامل استقبال کسی حالت میں بھی سکون بخش نہیں ہو سکتا تھا ۔ جگہ دو کمروں پر مشتمل تھی اور کھچا کھچ بھری ہوئی تھی ۔ سب بول رہے تھے، اشارے کنائے کر رہے تھے، بحث کر رہے تھے ۔ ایدیش اور روسی زبانوں میں ۔ دونوں ایک دوسرے پر حاوی آنے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے ۔ میں انسانوں کے اس عجیب و غریب ملغوبے میں بھونچکی ہو کر رہ گئی ۔ میرے ہم راہی نے دونوں لڑکیوں کو ایک میز پر بیٹھے تاڑ لیا ۔ اس نے انہیں آنا اور ہیلن منکن کے نام سے متعارف کرایا ۔

وہ دونوں یہودی کارکن طبقے کی لڑکیاں تھیں، بڑی والی میری ہم عمر تھی ۔ ہیلن شائید اٹھارہ برس کی تھی ۔ جلد ہی میرے ان کے ساتھ قیام کے معاملے میں دونوں متفق ہو گئیں ۔ یوں میری گھبراہٹ اور غیر یقینی ختم ہو گئی ۔ مجھے اب ایک چھت میسر تھی ۔ مجھے دوست مل گئے تھے ۔ ساشیز کا غل غپاڑہ اب کوئی اہمیت نہ رکھتا تھا ۔ میری سانسوں میں ایسی روانی آ گئی جس سے اجنبیت کا احساس گھٹنے لگا ۔

جس اثنا میں ہم چاروں اپنا ڈنر کھا رہے تھے سولوٹاروف کیفے میں موجود افراد کی طرف اشارے سے مختلف لوگوں کو متعارف کرا رہا تھا ۔ میں نے ناگاہ ایک زوردار آواز سنی ''بڑا والا پارچہ! اور لمبی کافی''! میری پونجی کم تھی اور کفایت اتنی ہی لازم تھی

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

کہ میں اس ظاہری شاہ خرچی پر حیران رہ گئی۔ اس کے علاوہ سولوٹاروف مجھے پہلے ہی بتا چکا تھا کہ ساشیز کے گاہک صرف غریب طلباء ادیب اور کارکن طبقے کے لوگ ہوتے ہیں۔ میں متعجب تھی کہ یہ کون فضول خرچ شخص ہے جو ایسی خوراک کا متحمل ہو سکتا ہے۔ ''یہ پیٹو کون ہے؟'' میرے پوچھنے پر سولوٹاروف زور سے ہنسا۔ وہ ہے الیگزینڈر برکمین۔ وہ تین آدمیوں کے برابر کھاتا ہے۔ لیکن اس کے پاس کبھی کبھار اتنی رقم ہوتی ہے کہ وہ اتنا خرید سکے۔ مگر جب ہاتھ لگ جائے تو وہ ساشیز کا باورچی خانہ بھی چٹ کر جاتا ہے۔ میں تمھارا اس سے تعارف کراتا ہوں۔

ہم کھانا ختم کر چکے تھے۔ کئی لوگ ہماری میز کی طرف آئے تا کہ سولوٹاروف سے بات چیت کریں۔ ''بڑے پارچے'' والا اب بھی کھانے کا پیکٹ بنا رہا تھا لگتا تھا جیسے وہ ہفتوں سے فاقے کر رہا ہو۔ ہم بس اٹھنے ہی والے تھے کہ وہ لپکتا ہوا آیا یوں سولوٹاروف نے متعارف کرایا۔ اس کا لڑکپن ختم نہیں ہوا تھا وہ محض اٹھارہ برس کا لڑکا تھا۔ مگر جس کی چھاتی اور گردن دیو جیسی تھی۔ اس کے جبڑے طاقتور تھے جو بھرے ہوئے ہونٹوں کی وجہ سے اور نمایاں تھے۔ میری نظر میں ایک پرعزم نوجوان۔ برکمین مجھ سے تڑ سے بولا ''جوہان موسٹ آج رات کو تقریر کرے گا۔ کیا تم اسے سننے کے لیے آنا چاہتی ہو۔''

میں سوچنے لگی نصیب کی یاوری دیکھئے کہ نیویارک میں آمد کے پہلے ہی دن مجھے یہ موقع مل رہا ہے کہ میں اس شخص کو اپنی آنکھوں سے دیکھوں اور اس کی آتشیں تقریر سنوں جسے روچسٹر کے اخبارات انسانی صورت میں شیطان ظاہر کرتے اور خونخوار بلا کہتے تھے! موسٹ سے میرا ملنے کا ارادہ اس کے دفتر میں تھا لیکن ٹھہر کر۔ لیکن نصیب مجھے اس قدر جلد یہ خلاف توقع موقع مہیا کرے گا جس سے میرے اندر یہ کوندا کہ کوئی حیرت انگیز واقعہ پردہ غیب سے نمودار ہونے والا ہے۔ کوئی ایسی شئے جو میری زندگی کی راہیں متعین کرنے کا فیصلہ کرنے والی ہے۔

ہال پہنچنے تک میں برکمین اور منکن بہنوں کے درمیان ہونے والی گفتگو میں ڈوبی رہی۔ اچانک میں لڑکھڑائی۔ میں گر پڑتی اگر برکمین نے میرا بازو نہ پکڑ لیا ہوتا اور اوپر نہ اٹھایا ہوتا۔ ''میں نے تمہاری زندگی بچائی ہے'' اس نے مذاقاً کہا۔ ''مجھے امید ہے کہ کسی دن میں بھی تمہاری زندگی بچاؤں گی۔'' میں نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

جلسہ گاہ ایک چھوٹا سا ہال تھا جو ایک دیوان خانے کے عقب میں تھا جس میں سے گزر کر وہاں پہنچا جا سکتا تھا۔ یہ اہل جرمن سے بھرا ہوا تھا جو شراب پی رہے تھے بول رہے تھے اور باتیں کر رہے تھے۔ جلد ہی جوہان موسٹ داخل ہوا۔ اس کے متعلق میرا پہلا تاثر برگشتگی والا تھا۔ وہ درمیانی قامت کا تھا۔ ایک بڑا سا سر جس پر گھنے سرمئی بال تھے۔ لیکن اس کا چہرہ فطری حالت میں نہ تھا جس کی بہ ظاہر وجہ یہ تھی کہ اس کا بایاں جبڑا ٹیڑھا ہو گیا تھا۔ مگر آنکھیں تسکین بخش تھیں، وہ نیلی اور ہمدردی سے پر تھیں۔

اس کی تقریر امریکی حالات کی ایک سلگتی ہوئی فرد جرم تھی۔ جو امریکی بالادست طبقے کی پیدا کردہ ناانصافی اور خونخوار نظام پر بخیے ادھیڑنے والا ایک طنز تھی۔ ان لوگوں کے خلاف ایک پرجوش ملامتی تقریر جو حرف۔ مارکٹ سانحے اور نومبر ۱۸۸۷ء کو شکاگو کے چار انارکسٹوں کو پھانسی دلوانے کے ذمے دار تھے۔ اس کی تقریر میں فصاحت تھی جیسے تصویر کھنچ جائے۔ جیسے جادو کے اثر سے اس کے چہرے کا عیب غائب ہو گیا' اس کی جسمانی کجی کافور ہو گئی۔ ایسا لگا جیسے اس نے کوئی دیومالائی طاقت حاصل کر لی ہو جس سے نفرت اور محبت' طاقت اور ولولے کی شعاعیں نکل رہی ہوں۔ اس کی تقریر کی روانی کی لہریں مترنم آواز' چنگاری سا مزاح ان سب نے مل کر ایسا اثر پیدا کیا جو تقریباً سحر زدہ کرنے والا تھا گویا اس نے میری روح کی گہرائیوں میں سنسنی پیدا کر دی ہو۔

ہجوم کے ریلے نے مجھے اسٹیج پر پہنچا دیا۔ میں نے خود کو موسٹ کے سامنے پایا۔ برکمین میرے ساتھ تھا اور مجھے متعارف کرایا۔ مجھ میں جذبات کا تلاطم تھا جسے موسٹ کی تقریر نے پیدا کیا تھا۔

اس شب میں نہ سو سکی۔ میں گویا ۱۸۸۷ء کے واقعات کے سانحے میں سے گزر رہی تھی۔ سیاہ جمعہ ۱۱ نومبر کو گزرے ہوئے کوئی اکیس مہینے ہو چکے تھے جب مردان شکاگو نے جام شہادت پیا تھا۔ اس کے باوجود اس کی تمام تفصیلات پردہ ذہن پر اس طرح چلی آ رہی تھیں جیسے یہ کل کا واقعہ ہو۔ میری بہن ہیلینا کو اور مجھے ان کے مقدمات کی تفصیلات جاننے کی پہلے ہی بہت دلچسپی

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

تھی۔ روچسٹر کے اخبارات میں چھپنے والی رودادیں جھلا دینے والی ہوتیں جن میں ملزمان کو علانیہ سخت مجرم ٹھہرایا جاتا۔ تمام غیر ملکیوں کو موردِ الزام ٹھہرایا جاتا۔ اس لیے ہماری ہمدردیاں لامحالہ ح۔ مارکٹ کے مظلوموں کے ساتھ ہوگئیں۔

روچسٹر کے قیام کے دوران ہی میں ہمیں ایک جرمن سوشلسٹ گروپ کا علم ہو چکا تھا جو ہر اتوار کو جرمانیہ ہال میں جلسہ کرتا تھا۔ ہم نے ان جلسوں میں شرکت شروع کر دی۔ میری بڑی بہن ہیلینا چند مواقع پر لیکن میں بلاناغہ جاتی۔ اجتماع عموماً بے کیف ہوتے مگر ان سے روچسٹر میں قیام کے بجھے بجھے ماحول سے ایک عارضی فرار حاصل ہو جاتا۔ وہاں کم از کم آدمی کو روپے پیسے اور کاروبار سے ہٹ کر مختلف باتیں بھی سننے کو مل جاتیں اور ان لوگوں سے ملاقات ہو سکتی تھی جن میں خوشدلی اور خیالات ہوتے۔

اعلان ہوا کہ اس اتوار کو نیویارک کا ایک مشہور سوشلسٹ مقرر جس کا نام جوہانا گرّی شکاگو میں چلنے والے مقدمے پر خطاب کرے گا۔ اس روز ہال پہنچنے والوں میں سب سے پہلی میں تھی۔ وسیع جگہ نیچے سے اوپر تک پرجوش مرد و زن سے بھری ہوئی تھی۔ جبکہ دیوار سے لگے پولیس والے شانہ بشانہ کھڑے تھے۔ میں نے اتنے بڑے جلسے میں کبھی شرکت نہ کی تھی۔ میں نے سینٹ پیٹرسبرگ میں طلباء کے چھوٹے گروہوں کو (ژندارمے) پولیس کے مسلح دستوں کے ہاتھوں منتشر ہوتے دیکھا تھا۔ لیکن اس ملک میں جو آزادانہ اظہارِ خیال کی ضمانت دیتا ہے وہاں افسران لمبے ڈنڈوں سے ایک منظم مجمع پر دھاوا بول دیں اس بات نے مجھے سراسیمگی اور احتجاج میں مبتلا کر دیا۔

جلد ہی چیرمین نے مقرر کا اعلان کر دیا۔ وہ چونتیس پینتیس برس کی ایک خاتون تھی۔ زرد رو اور تارک الدنیا قسم کی۔ اس کی آنکھیں بڑی اور روشن تھیں۔ وہ بڑے جوش و خروش سے بولی۔ اس کی آواز گونج دار اور گہری تھی۔ اس کی حرکات و سکنات نے مجھ پر انہماک طاری کر دیا۔ میں پولیس کو بھول بیٹھی، اس کے علاوہ مجمع اور ماحول کو فراموش کر بیٹھی۔ میرے لیے وہاں صرف اس نازک اندام عورت کا وجود تھا جو سیاہ لباس میں تھی جو بہ آواز بلند پرجوش آواز میں ان طاقتوں کے خلاف فردِ جرم کا اعلان کر رہی تھی جو جلد ہی آٹھ انسانی جانوں کو تباہ و برباد کرنے جا رہے تھے۔

پوری تقریر شکاگو میں ہونے والے اضطرابی واقعات سے پُر تھی۔ اس نے مقدمے کا تاریخی پس منظر بیان کر کے ابتدا کی۔ اس نے ملک بھر میں مزدوروں کی ہڑتالوں کا ذکر کیا جو ۱۸۸۶ء سے پھوٹ پڑی تھیں۔ جن میں آٹھ گھنٹے یومیہ اوقات کار کا مطالبہ کیا جاتا تھا۔ اس تحریک کا مرکز شکاگو تھا۔ اور وہیں پر محنت کشوں اور ان کے آجروں کے درمیان کشمکش بڑھ کر سنگین ہوگئی۔ میکورمک ہارویسٹر کمپنی کے ملازمین کی ایک میٹنگ جو اس شہر میں ہوئی اس پر پولیس نے حملہ کر دیا۔ مرد اور عورتوں کو پیٹا گیا اور کئی کو مار ڈالا۔ اس کھلی ہوئی قتل و غارتگری کے خلاف احتجاج کرنے کے لیے ایک بڑا جلسہ ہے مئی کو ح۔ مارکٹ کے چوک پر بلایا گیا۔ اس سے البرٹ پارسن، آگسٹ سپائیز، اڈولف فشر اور دیگر نے خطاب کیا، یہاں نہ کوئی شور ہوا اور نہ ہی بدنظمی۔ اس کی تصدیق کارٹر ہیریسن میئر شکاگو نے بھی کی۔ اس نے جلسے میں شرکت کی تھی کہ وہاں کا حال اپنی نظروں سے خود دیکھے۔ میئر اس اطمینان کے ساتھ وہاں سے رخصت ہو گیا کہ وہاں سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہے۔ یہی بات اس نے شہر کوتوال کو جا کر بتلا دی۔ بادل چھانے لگے، ہلکی بارش شروع ہوگئی اور مجمع چھٹنے لگا۔ چند ہی لوگ وہاں بچے ہوں گے اور آخری مقرر سامعین سے خطاب کر رہا تھا۔ کیپٹن وارڈ پولیس کے طاقتور دستے کے ساتھ ناگاہ چوک میں نمودار ہوا اور حکم دیا کہ جلسہ فوراً روک دیا جائے اور لوگ چلے جائیں۔ چیرمین نے جواب دیا ''یہ ایک منظم اجتماع ہے'' جس پر پولیس لوگوں پر ٹوٹ پڑی اور بے رحمی سے ڈنڈے برسانے لگی۔ پھر ایسا ہوا کہ کوئی چیز فضا میں چمکی اور دھماکہ ہوا جس سے کئی پولیس والے مارے گئے اور کئی گھائل ہوگئے۔ اس بات کا کبھی تعین نہ ہو سکا کہ واردات میں کس کا ہاتھ تھا۔ اور صاحبانِ اختیار نے بظاہر چھان بین میں خانہ پری کی۔ بجائے اس کے، احکام یہ جاری کیے گئے کہ ح۔ مارکٹ کے جلسے کے تمام مقررین کے ساتھ تمام ممتاز انارکسٹوں کو گرفتار کر لیا جائے۔ شکاگو کے اخبارات اور بورژوا طبقے کے علاوہ پورا ملک گلا پھاڑ کے چلانے لگا۔ اور زیرِ حراست لوگوں کے خون کے پیاسے ہوگئے۔ پولیس نے صحیح معنوں میں دہشت انگیزی کی ایک مہم شروع کر دی۔ انہیں اخلاقی اور مالی حمایت سٹیزنز ایسوسی ایشن سے ایسی ملی تاکہ وہ اپنے

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

قاتلانہ منصوبے جاری رکھیں اور انارکسٹوں کو ٹھکانے لگادیں۔ ہڑتالی رہنماؤں کے خلاف ظلم کی جھوٹی کہانیاں، اخبارات نے اس طرح پھیلائی تھیں اور عوامی جذبات اتنے بھڑک چکے تھے کہ منصفانہ مقدمات کی کارروائی تقریباً ناممکن ہوچکی تھی۔ فی الواقع یہ مقدمہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی تاریخ میں بے گناہوں کو پھنسانے کا سب سے بڑا واقعہ ثابت ہوا۔ جیوری ماخوذ کرنے کے لیے چنی گئی۔ ضلعی اٹارنی نے کھلی عدالت میں اعلان کیا کہ یہ صرف زیرِحراست ملزمان ہی مجرم نہیں ہیں بلکہ ''انارکزم پر بھی مقدمہ چل رہا ہے'' کیونکہ اس کا قلع قمع ہونا چاہیے۔ جج کرسی عدالت سے بار بار ملزمان پر لعن طعن کرتا رہا۔ اور جیوری کو ان کے خلاف ورغلاتا رہا۔ گواہوں کو دہشت زدہ کیا گیا یا رشوت دی گئی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ آٹھ اشخاص جو معصوم تھے اور کسی طرح بھی جرم سے کوئی تعلق نہ رکھتے تھے مجرم ٹھہرا دیے گئے۔ عوامی مزاج کا مشتعل ذہن اور انارکسٹوں کے خلاف عمومی تعصب، جمع آٹھ گھنٹے یومیہ اوقات کار مہم کے خلاف آجروں کی سخت مخالفت نے ایسی فضا پیدا کر دی جو شکاگو کے انارکسٹوں کی عدالتی قتل میں معاون بن گئی۔ ان میں سے پانچ۔۔۔ البرٹ پارسنز' آگسٹ سپایز' لوئیس لنگ' اڈلف فشر اور جارج انجل۔۔۔ کو سولی کے ذریعے سزائے موت سنائی گئی۔ مائیکل شواب اور سیموئیل فیلڈن کے نصیب میں عمر قید۔ نیب کو پندرہ برس سزائے قید۔ ح۔ مارکٹ کے شہدا کا خون ناحق انتقام کے لیے صدا دے رہا تھا۔

گری کی تقریر کے خاتمے تک میں پوری بات کا اندازہ لگا چکی تھی۔ شکاگو کے لوگ معصوم تھے۔ انہیں ان کے آدرش کی وجہ سے پھانسی دی جانے والی تھی۔ مگر ان کے آدرش کیا تھے؟ جوہنا گری نے پارسنز' سپایز اور دیگر سوشلسٹوں کے متعلق بتایا کہ وہ سوشلسٹ ہیں مگر میں سوشلزم کے حقیقی معنوں سے نابلد تھی۔ مقامی لوگوں کی تقریر سے جو میں نے سنا تھا اس نے مجھ پر اثر ڈالا تھا مگر وہ سب مکینکی نظریہ حیات پر اعتقاد رکھنے والا جیسا اور مشینی لگا۔ جب کہ دوسری جانب اخبارات انہیں انارکسٹ اور بم بار کہتے تھے۔ انارکزم کیا چیز ہے؟ میرے لیے بڑی الجھن کی بات تھی۔ مگر میرے پاس مزید سوچ بچار کا وقت نہیں تھا۔ لوگ قطار کی شکل میں باہر نکل رہے تھے۔ میں روانگی کے لیے اٹھی۔ گری، چیرمین اور دوستوں کا ایک گروپ ابھی تک چبوترے پر موجود تھے۔ میں ان کی جانب چل پڑی۔ میں نے دیکھا کہ گری میری جانب اشارے کر رہی ہے۔ میں بھونچکی سی رہ گئی۔ میرا دل زور سے دھڑکنے لگا اور میرے قدم جیسے جم سے گئے ہوں۔ جب میں اس کے قریب پہنچی اس نے میرے ہاتھ کو پکڑ لیا اور بولی۔ ''میں نے آج تک کوئی ایسا چہرہ نہیں دیکھا جو جذبات سے اتنا تمتما رہا ہو جیسا کہ تمہارا ہے۔ تم یقیناً آنے والے سانحے کی شدت کو سمجھ رہی ہو۔ کیا تم ان لوگوں کو جانتی ہو؟'' میں نے کپکپاتی آواز میں جواب دیا۔ ''بدقسمتی سے نہیں لیکن میں اس معاملے کے ریشے ریشے کو محسوس کر رہی ہوں اور جب سے میں نے آپ کو سنا ہے مجھے یوں لگتا ہے جیسے میں ان سب سے واقف ہوں۔'' اس نے میرے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھا ''مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے کہ تم انہیں کہیں بہتر سمجھ لوگی اور ان کے آدرش کو سمجھ لوگی۔ اور تم ان کے مقاصد کو اپنا سمجھنے لگوگی''۔

میرا گھر تک سفر حالت خواب میں ختم ہوا۔ بہن ہیلینا پہلے ہی سو چکی تھی۔ مگر میں اسے اپنے تجربے میں شریک کرنا چاہتی تھی۔ میں نے اسے جگایا اور ساری کہانی فرفر سنا ڈالی اور قریب قریب تقریر کو الف سے یے تک سنا ڈالا' میرا بیان لازماً ڈرامائی ہوگا کیونکہ ہیلینا خوشی سے چلائی ''اپنی منی بہن کے متعلق اگلی خبر جو میں سنوں گی کہ وہ بھی ایک خطرناک انارکسٹ ہو چکی ہے۔''

چند ہفتوں کے بعد مجھے ایک جرمن کنبے سے جا کر ملنے کا موقع ملا جنہیں میں پہلے سے جانتی تھی۔ ان سے ملاقات ہیجانی رہی۔ کسی نے انہیں نیویارک سے ایک جرمن اخبار 'دی فرای ہایٹ' بھیجا تھا زیرادارت۔ جوہان موسٹ۔ یہ شکاگو کے واقعات کی خبروں سے بھرا تھا۔ زبان ایسی تھی کہ میں دم بخود ہو کر رہ گئی۔ اس کے مندرجات ان باتوں سے بالکل مختلف تھے جو میں سوشلسٹ جلسوں میں سنتی آرہی تھی یہاں تک کہ جوہنا گری کی گفتگو سے بھی جدا۔ ایسا لگا جیسے لاوے کے شعلے تمسخر' حقارت اور سرکشی کی باڑھ مار رہے ہیں۔ اس میں ان قوتوں کے خلاف لپٹیں نکلتی تھیں جو شکاگو جرائم کو جاری رکھے ہوئے تھے۔ میں نے دی فرائی ہایٹ باقاعدہ پڑھنا شروع کر دیا۔ میں نے وہ تمام لٹریچر منگوانا شروع کر دیا جس کے اس جریدے میں اشتہار ہوتے۔ انارکزم پر

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

ہر تحریر جو میرے ہتھے چڑھی میں نے اسے ہضم کرنا شروع کر دیا۔ ہر لفظ جو افراد کے لیے ان کی زندگیوں اور ان کے کارناموں کے لیے۔ میں نے ان کے مقدمے کے دوران میں ان کے سورمائی موقف اور شاندار وکیلانہ استدلال کو پڑھ ڈالا۔ میں نے ایک نئی دنیا کو پیدا ہوتے دیکھ لیا۔

وہ ہولناک شئے جس سے سب ہی خوفزدہ تھے مگر پھر بھی اس امید میں تھے کہ یہ کبھی نہ ہوگی' ہو کر رہی۔ روچسٹر اخبارات کے ضمیموں میں یہ خبریں چھپیں کہ شکاگو کے انارکسٹوں کو سولی پر چڑھا دیا گیا۔

ہم بچی ہو کر رہ گئے یعنی ہیلینا اور میں۔ صدمے سے میری بہن بدحواس ہوگئی۔ وہ ہاتھ ملے جاتی اور سسکے جاتی۔ میں بے حس ہو کر رہ گئی۔ مفلوجی کا احساس مجھ پر چھا گیا۔ ایسی ہیبت تھی جس سے آنسو تک خشک ہو گئے۔ شام کے وقت ہم لوگ والد کے گھر گئے۔ ہر ایک شکاگو کے واقعات کا ذکر کر رہا تھا۔ میری کیفیت کچھ ایسی تھی جیسے یہ میرا ذاتی نقصان ہو۔ تب مجھے ایک عورت کی بھرائی ہنسی سنائی دی۔ تیکھی آواز میں اس نے طنزیہ کہا۔ ''یہ کاہے کا ماتم ہے'' وہ لوگ قاتل تھے۔ اچھا ہوا کہ وہ پھانسی پر چڑھائے گئے۔ ایک جست میں میں نے اس عورت کی گردن دبوچ لی۔ ایسا لگا جیسے مجھے نوچ کر علیحدہ کیا گیا۔ کسی نے کہا ''بچی دیوانی ہوگئی ہے'' بڑے پیچ وتاب میں اٹھی میز پر سے پانی بھرا ہوا ایک برتن اٹھایا اور پوری قوت سے اس عورت کے منہ پر دے مارا۔ ''نکلو۔ نکلو'' میں چیخی ''نہیں تو میں تمہیں مار ڈالوں گی''۔ دہشت زدہ عورت دروازے کی طرف بھاگی اور میں فرش پر گر گئی جیسے چلانے کا دورہ پڑا ہو۔ مجھے بستر پر لٹایا گیا اور جلد ہی مجھے گہری نیند نے آن لیا۔ اگلی صبح میں جاگی تو لگا جیسے میں کسی طویل بیماری سے اٹھی ہوں۔ اور ہفتوں کی تکلیف دہ بے یقینی اضمحلال اور شل ہو جانے کی کیفیت سے نجات مل چکی ہو۔ مجھ میں ایک واضح احساس آ چکا تھا گویا کوئی نئی اور حیرت انگیز چیز میری روح میں جنم لے چکی ہے۔ ایک عظیم آدرش' ایک سلگتا نظریہ' ایک عزم کہ مجھے اپنے شہید کامریڈوں کی یاد میں خود کو وقف کر دینا چاہیے۔ ان کے مقاصد میرے ہو جائیں اور پوری دنیا کو ان کی خوبصورت زندگی اور سورماؤں سی موت کا پتہ چل جائے۔ جوہنا گرّی کا قول کہیں زیادہ پیمبرانہ ثابت ہوا جیسا کہ موقع پر کہا گیا تھا۔

میں یہ طے کر چکی تھی کہ میں نیویارک جاؤں گی اور جوہان موسٹ سے ملوں گی۔ وہ مجھے نئے کام کی تیاری میں مدد کرے گا۔ لیکن میرا شوہر' میرے والدین۔۔۔ وہ میرے فیصلے سے کیوں کر متفق ہوں گے۔

میری شادی ہوئے ابھی دس مہینے ہوئے تھے۔ ازدواجی تعلقات خوشگوار نہ تھے۔ روز اول سے مجھے اندازہ ہو چکا تھا کہ شوہر اور مجھ میں بعدالمشرقین تھا۔ اور کوئی چیز بھی میل نہ کھاتی تھی۔ نہ ہی جنسی تال میل۔ امریکہ آمد کے بعد دیگر ناکامیاں جن سے میرا پالا پڑا ان کے علاوہ شادی کا جو ابھی مایوس کن ثابت ہوا۔ واہ امریکہ ''آزادی کی سرزمین اور جری لوگوں کا گڑھ''۔۔۔ یہ سب کچھ مجھے محض ڈھونگ لگا! پھر بھی میں اپنے والد سے کس طرح لڑی تھی کہ وہ مجھے اور ہیلینا کو امریکہ جانے کی اجازت دیں۔ ہیلینا اور میں سینٹ پیٹرزبرگ سے ہمبرگ کے لیے روانہ ہوئے تھے' وہیں سے ہم دخانی جہاز ایلبے پر آرزوؤں کی دنیا کے لیے سوار ہوئے تھے۔

اس سے چند سال پہلے ایک بہن جا چکی تھی' وہیں شادی کر چکی تھی اور روچسٹر میں مقیم تھی۔ وہ ہیلینا کو متواتر لکھے جاتی کہ وہ بھی آ جائے تاکہ اس کی تنہائی ختم ہو۔ آخر کار ہیلینا نے جانے کا فیصلہ کر لیا۔ لیکن میرے لیے اس سے جدائی کا خیال ناقابل برداشت تھا جو میرے لیے ماں سے بھی بڑھ کر تھی۔ ہیلینا کے لیے مجھ سے جدائی ناگوار تھی۔ اسے میرے اور والد کے درمیان پائی جانے والی کھینچا تانی کا بھی علم تھا۔ اس نے میرے کرائے کی رقم مہیا کر دی مگر والد صاحب مجھے جانے کی اجازت دینے پر آمادہ نہیں تھے۔ میں نے دلائل دیے التجائیں کیں' روئی بالآخر میں نے دریائے نیوا میں کود کر جان دینے کی دھمکی دی جس سے وہ دب سے گئے۔ پچیس روبل سے مسلح ہو کر۔۔۔ کل یہی رقم تھی جو اس بوڑھے شخص نے مجھے دی۔۔۔ مجھے اپنی روانگی کے وقت کوئی افسوس نہ ہوا۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے، گھر ایسی جگہ تھی جہاں زبان پر تالا بندی رہتی اور میرے والد کی موجودگی دہشت ناک۔

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

میری ماں بچوں کے لیے کم سخت گیر تھیں مگر انہوں نے گہری ممتا کبھی نہ دکھائی۔ یہ ہیلینا تھی جس نے مجھ پر محبت نچھاور کی۔ میرے بچپن میں جو بھی تھوڑی بہت خوشی میسر آئی وہ اسی کی دین تھی۔

ہم جہاز کے اس حصے میں سفر کر رہے تھے جس کا کرایہ سب سے کم تھا۔ وہاں لوگ مویشیوں کی طرح بھرے تھے۔ سمندر سے میرا پہلا سابقہ دہشتناک مگر دل موہ لینے والا تھا۔ گھر سے گلوخلاصی' سمندر کی لامحدود وسعت کا حسن اور تعجب اور اس کا بدلتا مزاج۔ اس کے علاوہ متوقع حالات سے پیدا ہونے والا وفور کہ نئی دنیا کے پردہ غیب سے کیا نمودار ہوتا ہے' اس نے میرے دل و دماغ میں ہلچل پیدا کر رکھی تھی اور میرا خون جوش مار رہا تھا۔

آخری دن کا سفر میرے ذہن میں ایک تصویر کی طرح موجود ہے۔ سب عرشے پر جمع تھے۔ ہیلینا اور میں ایک دوسرے سے چمٹی کھڑی تھیں۔ بندرگاہ کے نظر آنے سے ہم دونوں پر وجد کا عالم تھا خصوصاً جب مجسمہ آزادی اچانک کہر میں سے برآمد ہوا۔ خوب وہ ہے امید' آزادی اور حیلے (opportunities) کی سرزمین۔ وہ اپنی مشعل اس لیے اوپر اٹھائے ہوئے تھی تاکہ آزاد ملک تک پہنچنے کے لیے روشنی موجود ہو۔ باقی دنیا کے کچلے لوگوں کے لیے پناہ گاہ۔ ہم بھی یعنی ہیلینا اور مجھے بھی امریکہ کے فیاض دل میں جگہ مل جائے گی۔ ہماری امیدیں بلند تھیں اور آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔

ہماری محویت اکھڑ آوازوں میں ڈوب گئی۔ ہم اشارے کنایوں میں باتیں کرنے والے لوگوں کے نرغے میں تھے۔۔۔ غصیلے مرد' بہ ظاہر بیمار یا میں مبتلا عورتیں اور روتے ہوئے بچے۔ پہریدار ہمیں ادھر سے ادھر دھکیلتے' تیار رہنے کے لیے چیخ کر حکم دیتے کہ تمہیں کیسل گارڈن منتقل کیا جائے گا جہاں نو آبادکاروں کے کاغذات کی جانچ پڑتال ہوتی ہے۔

کیسل گارڈن کے مناظر لرزا دینے والے تھے۔ فضا میں دشنی اور ترشی بسی ہوئی تھی۔ کسی بھی اہل کار کے چہرے پر ہمدردی نظر نہ آتی تھی نو واردان کے لیے کسی قسم کی سہولت نہ تھی جیسے حاملہ عورتیں اور بچے۔ امریکی سرزمین پر پہلا دن فسادی صدمہ ثابت ہوا۔ ہم پر صرف ایک دیوانگی سوار تھی کہ کسی طرح اس جان لیوا جگہ سے فرار حاصل ہو جائے۔ ہم نے سن رکھا تھا کہ روچسٹر نیویارک کا ایک ''گلدستہ شہر'' ہے۔ لیکن ہم وہاں جنوری کی ایک نیم تاریک اور سرد صبح میں پہنچے۔ میری بہن لینا اپنے پہلے بچے سے لدی پھندی اور خالہ راخیل سے ہماری ملاقات ہوئی۔ لینا کے گھر کے کمرے چھوٹے تھے لیکن وہ روشن اور صاف ستھرے تھے۔ ہیلینا اور میرے لیے جو کمرہ تیار کیا گیا تھا وہ پھولوں سے پٹا ہوا تھا۔ سارا دن لوگ آتے جاتے رہے۔ ایسے رشتے دار جن سے میں ناواقف تھی' میری بہن کے دوست اور اس کے شوہر کے دوست اور ہمسائے۔ سب ہی ہم سے ملنا چاہتے تھے اور سابق وطن کے متعلق جاننا چاہتے تھے۔ ان میں یہودی بھی تھے جنہوں نے روس میں بہت مصائب جھیلے تھے۔ ان میں سے کچھ ایسے بھی تھے جو منظم قتل عام کی مہموں سے بچ نکلے تھے۔ ان کے بقول نئے ملک میں زندگی دشوار ہے۔ لیکن دل میں اپنے سابق وطن کی یاد ستاتی ہے جبکہ اسے کیسے گھر کہا جا سکتا ہے۔

جو لوگ ملنے آ رہے تھے ان میں سے چند ایک پنپ چکے تھے۔ ایک صاحب نے فخر سے بتایا کہ اس کے چھ کے چھ بچے کماؤ پوت ہیں۔ اخبارات بیچتے ہیں یا بوٹ پالش کا کام کرتے ہیں۔ ہر ایک جاننا چاہتا تھا کہ ہمارا کیا کرنے کا ارادہ ہے۔ ایک شخص اپنی کجلائی نظر سے مجھے پر متوجہ تھا۔ اور ساری شام مجھ پر ٹکٹکی باندھے رہا۔ میرا نیچے سے اوپر تک جائزہ لیتا رہا۔ وہ میرے قریب آیا اور میرے بازوؤں کو چھونے کی کوشش کی۔ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میں بازار میں ننگی کھڑی ہوں۔ مجھے بہت شرم آ رہی تھی لیکن میں اپنی بہن کے دوست کی توہین نہیں کرنا چاہتی تھی۔ میں خود کو تنہا سمجھنے لگی اور کمرے سے چلی گئی۔ یادوں سے میں مغلوب ہو گئی کہ میں کیا چھوڑ کر یہاں آئی ہوں۔ سینٹ پیٹرزبرگ میرا چہیتا دریائے نیوا' میرے دوست، کتابیں اور موسیقی۔ ساتھ والے کمرے کی اونچی آوازیں میرے کان میں پڑنے لگیں۔ جس شخص نے مجھے برہم کیا تھا یہ کہہ رہا تھا ''میں اِسے گارسن اینڈ میرز میں کام دلا سکتا ہوں۔ اجرت معمولی ہو گی۔ مگر اسے جلد ہی ایسا مرد مل جائے گا جس سے اس کی شادی ہو جائے گی۔ ایسی گداز جسم لڑکی کو جس کے گال سرخ ہوں اور آنکھیں نیلی زیادہ عرصے تک کام نہ کرنا پڑے گا۔ کوئی مرد اسے اُڑا لے جائے گا اور

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

اسے ریشم اور جواہرات سے لاد دے گا۔'' میرے ذہن میں ابا آ گئے۔ انہوں نے پورا زور لگا لیا کہ میری شادی پندرہویں سال میں ہو جائے اور پاپ کٹے۔ میں نے احتجاج کیا تھا اور گڑگڑائی تھی کہ مجھے تعلیم جاری رکھنے کا موقع دیا جائے۔ انہوں نے نہایت غصے میں میری فرانسیسی زبان کی گرائمر کی کتاب آگ میں ڈال دی اور چلائے ''لڑکیوں کو زیادہ تعلیم نہیں حاصل کرنا چاہیے! ایک یہودی لڑکی کو بس یہ آنا چاہیے کہ فلے مچھلی کیسے پکائی جاتی ہے اور شوہر کو بہت سے بچے دے۔'' میں ان کی اسکیم سننے کی روادار نہ تھی۔ میں پڑھنا چاہتی تھی' زندگی کو سمجھنا چاہتی اور سفر کرنا چاہتی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ میں محبت کے علاوہ کسی اور شرط پر شادی کرنا نہ چاہتی تھی۔ یہ میں ٹھانے تھی۔ اپنے والد کے عزائم ہی سے تنگ آ کر میں نے امریکہ جانے پر اصرار کیا۔ اس نئی دنیا میں بھی مجھے شادی کے بندھن میں جکڑنے کے لیے داؤں پیچ ہونے لگے۔ مگر میں پرعزم تھی کہ کوئی میرا سودا نہیں کر سکتا۔ میں ملازمت کروں گی۔

بہن لینا اس وقت امریکہ گئی تھی جب میں شائید گیارہ سال کی تھی۔ میں اپنا زیادہ وقت کون وو میں دادی کے ساتھ گزارتی تھی۔ جبکہ باقی سب لوگ پوپلان میں رہتے تھے۔ یہ کرلینڈ خطے کے بالٹک صوبے کا ایک چھوٹا سا قصبہ تھا۔ لینا مجھ پر ہمیشہ دھونس جماتی رہتی اور اتفاقاً مجھے اس کی وجہ بھی پتہ چل گئی۔ اس وقت میں بہ مشکل چھ برس کی تھی جبکہ لینا مجھ سے دو برس بڑی تھی۔ ہم لوگ کنچے کھیل رہے تھے۔ نہ جانے لینا کو یہ خیال کیوں آیا کہ زیادہ تر میں جیت رہی ہوں۔ وہ آگ بگولہ ہو گئی اور مجھے ایک ٹھوکر لگا دی اور چلائی ''اپنے باپ پر پڑی ہے۔ وہ بھی ہم سے بے ایمانی کرتا ہے! وہ ہماری رقم ہڑپ کر گیا جو میرے باپ کا ترکہ تھا۔ میں تم سے نفرت کرتی ہوں! تم میری بہن نہیں ہو۔''

اس کے اس طرح پھٹ پڑنے سے میں ششدر رہ گئی۔ چند لمحوں کے لیے تو گویا میں زمین میں سما سی گئی اور لینا کو گم سم ہو کر دیکھتی رہ گئی۔ اس کے بعد تناؤ کی جگہ مجھ پر چلانے کا دورہ پڑ گیا۔ میں بہن ہیلینا کی طرف بھاگی جسے میں اپنے بچپن کے مسائل بتایا کرتی تھی۔ میں نے اس سے پوچھا کہ اس کے کیا معنی ہیں کہ میرے باپ نے اسے لوٹ لیا اور میں اس کی بہن کیوں نہیں ہوں۔

معمول کے مطابق ہیلینا نے مجھے بھینچ لیا اور تسلی دینے کی کوشش کرنے لگی اور لینا کے کلمات کا اثر گھٹانے میں لگ گئی۔ اب میں ماں کے پاس پہنچی تب جا کر معلوم ہوا کہ پہلے بھی ایک باپ رہ چکا ہے جو لینا اور ہیلینا کا تھا۔ وہ جوانی کے عالم میں وفات پا گیا اس لیے ماں کو میرے اور چھوٹے بھائی کے لیے میرے والد کا انتخاب کرنا پڑا۔ ماں نے یہ سمجھایا کہ میرے والد ہیلینا اور لینا کے بھی ابا ہیں اگرچہ دونوں ان کی سوتیلی بیٹیاں ہوئیں۔ ماں کی وضاحت کے مطابق یہ بھی سچ ہے تمہارے ابا نے ان لڑکیوں کو ترکے میں ملنے والی رقم خرچ کر ڈالی۔ اس نے یہ رقم کاروبار میں لگا دی جو ٹھپ ہو گیا۔ ان کی نیت میں ہم سب کی بھلائی تھی۔ ماں نے جو کچھ بتلایا اس سے میرا گھاؤ نہ بھرا۔ ''ابا کو اس رقم کو صرف کرنے کا کوئی حق نہ تھا!'' میں چیخی ''دونوں یتیم ہیں' یتیموں کی رقم لینا گناہ ہے۔ کاش میں بڑی ہوتی تو میں ان کی رقم لوٹا دیتی۔ ہاں رقم کی واپسی مجھ پر لازم ہے۔ مجھے باپ کے گناہوں کا کفارہ ادا کرنا چاہیے۔''

میری جرمن نرس نے مجھے یہ تعلیم دی تھی جو بھی یتیموں کو لوٹتا ہے وہ کبھی بھی جنت میں نہ داخل ہو سکے گا۔ میرے ذہن میں اس جگہ کے متعلق کوئی واضح بات نہ تھی۔ ہمارے لوگ جو یہودی رسوم پر کاربند تھے جب سنیچر اور تعطیل والے دنوں میں کنیسا (سینا گوگ) جاتے تو شاذ و نادر ہی ہم سے مذہب کے متعلق گفتگو کرتے۔ مجھے خدا اور شیطان' گناہ اور سزا' کے تمام خیالات اپنی نرس اور روسی دیہاتی نوکروں کے طفیل حاصل ہوئے تھے۔ یہ میرا ایمان تھا کہ میرے والد کو سزا ضرور ملے گی اگر انہوں نے قرض نہ چکایا۔

اس واقعے کو گیارہ سال ہو چکے ہیں۔ میں اس چوٹ کو بھی فراموش کر چکی ہوں۔ جس کا سبب لینا بنی۔ مگر اس کے لیے میرے دل میں اتنی محبت کبھی موجزن نہ ہوئی جتنی میری عزیز ہیلینا کے لیے ہے۔ امریکہ پہنچنے تک سارے راستے مجھے یہ خیال

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

دامن گیر رہا کہ نہ جانے لینا میرے متعلق کیا سوچتی ہوگی۔لیکن جب میری نظر اس پر پڑی' اپنے پہلونٹھی اولاد سے لدی پھندی تھی' اس کا پتلا سا چہرہ زرد اور سکڑا ہوا تھا' میں دل کھول کر اس سے ملی جیسے ہمارے درمیان میں کبھی بھی کوئی بے لطفی نہ ہوئی ہو۔

آنے کے اگلے دن ہم تینوں بہنیں یکجا رہیں اور کسی سے نہ ملیں۔لینا نے کہا کہ وہ کتنی تنہائی محسوس کرتی تھی اور ہم لوگوں کی یاد اسے کتنا ستاتی تھی اور دیگر لوگ کتنے یاد آتے تھے۔ہمیں پتہ چلا کہ اس کی زندگی کس قدر پر مشقت ہے۔ابتدا میں خالہ رخیل کے ہاں بطور گھریلو خادمہ کے،اس کے بعد ٹین کے کاج بنانے کے کارخانے میں۔وہ آج کتنی خوش ہے۔جب وہ اس گھر کی مالکہ ہے اور دوسرے بچے کی آمد آمد ہے!زندگی اب بھی دشوار ہے۔لینا نے کہا''میرا خاوند بطور ٹین کے کاریگر کے بارہ ڈالر ہفتہ کماتا ہے۔چلچلاتی دھوپ میں چھتوں پر کام کرتا ہے اور سرد ہواؤں میں کام کرنا پڑتا ہے،ہر وقت جان خطرے میں رہتی ہے۔ جب وہ آٹھ برس کا بچہ تھا تو اس نے بردی چیف روس میں کام کرنا شروع کر دیا تھا۔'' پھر بولی''اور جب سے وہ کام کر رہا ہے''۔

جب ہیلینا اور میں اپنے کمرے ہیں لیٹے تو دونوں نے بلا تاخیر فیصلہ کر لیا کہ ہمیں فوراً ملازمت تلاش کرنا ہوگی۔ہمیں بہنوئی پر مزید بوجھ نہ ڈالنا چاہیئے۔بارہ ڈالر ہفتہ اور بچے کی پیدائش سر پر! کچھ دنوں کے بعد ہیلینا کو نیگیٹو فلموں کی ری ٹچنگ کرنے کی نوکری مل گئی۔یہی کام وہ روس میں کرتی تھی۔مجھے گارسن اینڈ میرز میں ملازمت مل گئی۔اوقات کار ساڑھے دس گھنٹے یومیہ تھے۔مجھے کھردرے کپڑے کے ڈھیلے کوٹ سینے ہوتے تھے۔اجرت دو ڈالر پچاس سینٹ فی ہفتہ۔

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

باب ۲

میں سینٹ پیٹرز برگ میں فیکٹریوں میں کام کر چکی تھی۔ ۱۸۸۲ء کے موسم سرما میں۔ اس وقت کی بات ہے جب میری ماں نے میرے دو چھوٹے بھائیوں اور مجھ سمیت کو انیس برگ کو چھوڑا تا کہ روسی دارالحکومت میں والد کے ساتھ رہیں۔ جا کر پتا چلا کہ ان کی ملازمت جاتی رہی۔ وہ اپنے بھائی کے خشک اشیا کے گودام میں منیجر تھے۔ لیکن ہماری آمد سے ذرا ہی پہلے کاروبار بیٹھ گیا۔ ان کی ملازمت کا خاتمہ ان کے لیے ایک سانحہ تھا۔ کیونکہ ابا کچھ بھی پس انداز نہ کر پائے تھے۔ دال دلیہ ہیلینا کی کمائی پر تھا۔ اماں اپنے بھائیوں سے قرض لینے پر مجبور ہو گئیں۔ تین سو روبل ان سے لے کر ایک کریانے کی دکان میں لگائے تھے جس سے شروع میں بہت کم آمدنی ہوئی۔ اس لیے میرے لیے نوکری تلاش کرنا ضروری ہو گیا۔

بنی ہوئی شالیں اس زمانے میں بہت مقبول تھیں۔ ایک پڑوسن نے میری ماں کو بتایا کہ گھر لا کر کرنے کا کام مجھے کہاں مل سکتا ہے۔ کئی کئی گھنٹے کام میں جتے رہنے سے اور بسا اوقات راتوں میں کام کرنے کے بعد بہ مشکل بارہ روبل ہاتھ آتے تھے۔

میں اپنی بود و باش کے لیے جو شالیں بناتی تھی وہ کسی حالت میں کاری گری کی شاہکار نہ ہوتی تھیں مگر نہ جانے کیسے پاس کر دی جاتیں۔ مجھے اس کام سے نفرت تھی اور کام کے مسلسل دباؤ کی وجہ سے میری بینائی بھی کم ہونے لگی۔ میرے ابا کا کزن جو خشک اشیا کے کاروبار میں ناکام ہو گیا تھا آج کل دستانے بنانے کی فیکٹری کا مالک تھا۔ اس نے مجھے کام سکھانے کی پیشکش کی اور اس کے بعد کام بھی دینے کا وعدہ کیا۔

فیکٹری ہمارے گھر سے بہت دور تھی۔ سات بجے کام پر پہنچنے کے لیے مجھے علی الصبح پانچ بجے اٹھنا پڑتا۔ وہاں کے کمرے ہوادار نہ ہونے کے علاوہ گھٹن والے اور تاریک تھے۔ روشنی لیمپ کی ہوتی مگر سورج کی روشنی کا گزر کبھی نہ ہوتا۔

گارسن میں مجھ جیسی چھ سولڑکیاں تھیں جو دن رات معمولی اجرت پر قیمتی اور خوبصورت دستانے بناتی رہتیں۔ لیکن ہمیں دوپہر کے کھانے اور دو وقت کی چائے کے لیے کافی وقت دیا جاتا۔ ہم کام کرتے ہوئے باتیں کر سکتے تھے اور گا بھی سکتے تھے۔ نہ ہمیں کھدیڑا جاتا اور نہ ہی ہراساں کیا جاتا۔ سینٹ پیٹرز برگ میں ۱۸۸۲ء میں ایسا ماحول تھا۔

اب میں امریکہ میں گلدستہ جیسے شہر میں تھی جو نیویارک اسٹیٹ میں واقع تھا۔ جیسا کہ مجھے بتایا گیا یہ ایک ماڈل فیکٹری تھی۔ یقیناً گارسن پارچہ جات کی کمپنی وسی لوسکی اوسترف کی دستانہ ساز فیکٹری کے مقابلے میں کہیں بہتر تھی۔ کمرے کشادہ روشن اور ہوادار تھے۔ ہر ایک کے لیے ہلنے جلنے کی جگہ تھی۔ وہ بدبودار باس یہاں نہ تھی جو میرے عزیز کے کارخانے میں بسی رہتی جس سے میری طبیعت متلاتی رہتی۔ اس سب کے باوجود کام مقابلتاً سخت تھا اور دن آدھے گھنٹہ کھانے کے وقفے کے باوجود ختم ہوتا نہ لگتا۔ آہنی نظم وضبط کی وجہ سے جگہ چھوڑنے کی ممانعت تھی (کوئی بھی بلا اجازت بیت الخلاء بھی نہیں جا سکتا تھا)۔ فورمین کی مستقل چوکیداری میری چھاتی پر ایک سل تھی۔ دن کے ختم ہونے تک یوں لگتا جیسے مجھے نچوڑ لیا گیا ہے اور مجھ میں بس اتنی توانائی رہ گئی ہے کہ میں رگڑتی ہوئی بہن کے گھر پہنچ جاؤں اور بستر پر ڈھیر ہو جاؤں۔ اور اس جان لیوا یکسانیت سے ہفتے کے بعد ہفتہ گزرتا گیا۔

میرے لیے حیرانی کی بات یہ تھی کہ فیکٹری میں کوئی بھی ان حالات سے اتنا متاثر نہ لگتا جتنا میں تھی۔ میرے بغل میں کام کرنے والی پستہ قامت دھان پان والی تانیہ تھی۔ وہ نازک سی تھی اور جس کے چہرے پر زردی چھائی رہتی۔ سر درد کی شکایت اکثر کرتی اور اکثر اس وقت پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتی جب بھاری بھرکم کوٹوں کو دھرنا اٹھانا اس کے بس میں نہ رہتا۔ ایک صبح کو میں

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

نے کام سے نگاہ اٹھائی اور کیا دیکھتی ہوں کہ وہ کپڑوں کے ڈھیر میں دبی ہوئی ہے۔ وہ بے ہوش ہو کر گر گئی تھی۔ میں نے فورمین کو بلایا کہ اس کی مدد سے اسے کپڑے بدلنے کے کمرے تک پہنچایا جائے۔ لیکن مشینوں کی گڑاگڑاہٹ میں میری آواز دب گئی۔ قریب کی کئی لڑکیوں کے کان میں میری آواز پڑ گئی یوں انہوں نے بھی چلانا شروع کر دیا۔ اور کام روک کر تانیہ کی طرف دوڑیں۔ مشینوں کے یکا یک بند ہو جانے سے فورمین کی توجہ ہماری طرف ہوگئی۔ اس افراتفری کی وجہ پوچھے بغیر وہ چیخا ''مشینوں پر بیٹھو! اس وقت کام روکنے کا کیا مقصد ہے؟ کیا تم لوگ برطرفی چاہتی ہو؟ فوراً کام شروع کرو!'' جب اس کی نظر تانیہ کے سکڑے ہوئے جسم پر پڑی تو وہ چلایا ''خدا تمہیں غارت کرے اسے کیا ہوا ہے'' ''وہ بے ہوش ہوگئی ہے'' میں نے جواب دیا۔ میں نے اپنی آواز بمشکل دھیمی رکھی۔ ''بے ہوش ہے کچھ بھی نہیں'' وہ تضحیکی لہجے میں بولا ''وہ محض مکر کر رہی ہے''۔

''تم جھوٹے اور درندے ہو!'' میں چیخی میرے لیے اپنی برہمی چھپانا بس سے باہر تھی۔

میں تانیہ پر جھکی اس کی پیٹی ڈھیلی کی، سنگترے کا عرق اس کے نیم وا منہ میں ٹپکایا جو میں اپنے ناشتہ دان میں لائی تھی۔ اس کا چہرہ سفید ہو چکا تھا اور پیشانی پر ٹھنڈے پسینے کی بوندیں تھیں۔ وہ اتنی بیمار تھی کہ فورمین تک کو اندازہ ہو گیا کہ وہ مکر نہیں کر رہی۔ اس نے اسے باقی دن کی چھٹی دے دی۔ ''میں تانیہ کے ساتھ جاؤں گی'' میں بولی ''اس حرج کو میری تنخواہ میں سے کاٹ لینا'' اے جنگلی بلی تم میری طرف سے جہنم میں جاؤ۔'' اس کی آواز میرے پیچھے سے آئی۔

ہم لوگ ایک جگہ کافی پینے بیٹھ گئے۔ میری جیب خالی تھی اور نیم مردنی سی چھائی تھی۔ ہم دونوں کے پاس کل ملا کر پچھتر سینٹ نکلے۔ ہم نے چالیس کھانے پر خرچ کیے اور باقی رقم ٹرام کے کرائے پر صرف ہوئی یوں ہم پارک پہنچ گئے۔ وہاں کی تازہ ہوا، پھولوں اور درختوں کے بیچ میں اپنے کام کی صعوبتوں کو بھول گئے۔ یہ دن جو تکلیف میں شروع ہوا تھا چین اور راحت سے اختتام کو پہنچا۔

اگلی صبح جان لیوا ڈھرا پھر شروع ہو گیا۔ یہ معمول ہفتوں اور مہینوں اس وقت تک چلتا رہا جب ہمارے خاندان میں ایک بٹیا پیدا ہوئی۔ یہ بچی میرے بے کیف وجود میں واحد دلکشی تھی۔ جب کبھی گارسن فیکٹری کے ماحول سے ادھ موئی ہونے لگتی تو اس ننھے بچے کے گھر پر وجود کا تصور مجھ میں توانائی پیدا کر دیتا۔ شامیں اب اداس کرنے والی اور بے مقصد نہ رہیں۔ لیکن منی سی اسٹیلا اگرچہ ہمارے گھر میں مسرتیں تو لے آئی مگر میری بہن اور بہنوئی کی تنگدستی میں اضافہ ہو گیا۔

لینا نے کبھی بھی عمل یا قول سے مجھ پر یہ ظاہر نہ ہونے دیا کہ ڈیڑھ ڈالر ہفتہ جو میں اپنی خوراک اور رہائش کے لیے دیتی ہوں (ٹرام کے کرائے پر ساٹھ سینٹ خرچ ہوتا) وہ اخراجات سے کم تھے۔ لیکن گھریلو اخراجات بڑھنے کے سلسلے میں بہنوئی کی بڑبڑاہٹ کی آوازیں میرے کان میں پڑ چکی تھیں۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ صحیح کہتا تھا۔ مجھے یہ بھی اچھا نہ لگتا تھا کہ میری بہن پریشان ہو جبکہ اس پر شیر خوار کی دیکھ بھال کا بوجھ ہو۔ اس لیے میں نے تنخواہ بڑھانے کے لیے درخواست دینے کا فیصلہ کیا۔ فورمین سے اس موضوع پر گفتگو کرنا بے سود تھا۔ اس لیے مسٹر گارسن سے ملنے کی درخواست دے دی۔

مجھے ایک پرتعیش دفتر میں طلب کیا گیا۔ امریکہ میں ملنے والی اشیائے آرائش میز پر سجی تھیں۔ کبھی کبھار انہیں میں پھول کی دکانوں میں رکھی دیکھ کر للچاتی تھی۔ ایک مرتبہ خواہش کے ہاتھوں مجبور ہو کر قیمت پوچھنے کے لیے اندر چلی گئی۔ ان کی قیمت ڈیڑھ ڈالر فی عدد تھی۔۔۔ میری ہفتہ بھر کی کمائی کے نصف سے زیادہ۔ گارسن کے دفتر میں ایسے کئی خوشنما گلدان سجے ہوئے تھے۔

مجھ سے بیٹھنے کو نہ کہا گیا۔ فی الفور میں بھول گئی کہ میں یہاں کیوں آئی تھی۔ خوبصورت کمرہ گلاب کے پھول گارسن کے سگار کے پیدا کردہ نیلگوں دھویں نے مجھے بے خود سا کر دیا۔ آجر کے سوال پوچھنے پر میں چونک پڑی ''اچھا' بھئی میں آپ کے لیے کیا کر سکتا ہوں؟''

میں اپنی تنخواہ میں اضافہ چاہتی ہوں' میں نے اس سے کہا۔ ڈھائی ڈالر جو مجھے ملتے ہیں اس سے خوراک اور رہائش کے اخراجات پورے نہیں پڑتے چہ جائے کہ کبھی کوئی کتاب خریدی جائے یا پچیس سینٹ کا تھیٹر کا ٹکٹ خریدنے کو میں سوچوں۔

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

جناب گارسن نے جواباً کہا ''فیکٹری میں کام کرنے والی لڑکی میں شاہانہ مذاق تعجب کی بات ہے۔اس کے تمام دیگر کارکن کافی مطمئن ہیں ان سب کی مناسب گزر بسر ہو رہی ہے۔۔۔اور مجھے بھی تنگی ترشی میں بسر کرنا چاہیے یا کہیں اور کام تلاش کروں''۔ میں نے گارسن کی ملازمت ترک کر دینے کا فیصلہ کر لیا۔

چند دنوں کے اندر مجھے روبنسٹن کی فیکٹری میں چار ڈالر ہفتے کی ملازمت مل گئی۔یہ ایک چھوٹی دکان تھی اور میری رہائش سے دور بھی نہ تھی۔عمارت ایک باغ کے اندر تھی اور کوئی درجن بھر مرد وزن وہاں کام کرتے تھے۔گارسن والا نظم وضبط اور دھونس وہاں ناپید۔

میری مشین کے بازو میں ایک دلکش اور نوجوان شخص کام کرتا تھا جس کا نام جیکب کرشنر تھا۔وہ لینا کے گھر کے پاس ہی رہتا تھا۔ہم دونوں چھٹی کے بعد پیدل گھر آتے۔کچھ ہی دنوں بعد وہ صبح میں لوانے کے لیے آنے لگا۔ہم روسی زبان میں گفتگو کرتے۔میں اب بھی انگریزی اٹک کر بولتی تھی۔اس کی روسی مجھے موسیقی لگتی تھی۔ہیلینا کے گھر کے باہر وہ پہلا اصلی روسی تھا جس سے روچسٹر آنے کے بعد مجھے ملاقات کا موقع ملا تھا۔

کرشنر اودیسا سے ۱۸۸۱ء میں امریکہ آیا۔جہاں اس نے جمنازیم مکمل کیا تھا بلا کسی ہنر کے۔وہ سوتی چوغے بنانے کا کاریگر بن گیا۔جیسا کہ اس نے بتایا وہ اپنا فارغ وقت ناچنے میں یا مطالعے میں گزارتا۔اس کا کوئی دوست نہ تھا کیونکہ روچسٹر میں ہمکار لوگ محض روپیہ بنانے میں دلچسپی رکھتے تھے۔وہ اپنی دکان کھولنے کا خواب دیکھتے تھے۔اس نے ہماری آمد سن رکھی تھی یعنی ہیلینا اور میری۔۔۔اور اس نے کئی مرتبہ کوچے میں آتے جاتے دیکھا تھا۔۔۔مگر اسے یہ نہیں آتا تھا کہ واقفیت کیسے پیدا کی جائے۔اب وہ خود کو تنہا نہ محسوس کرے گا۔یہ کہتے ہوئے اس کے چہرے پر چمک آ گئی؛ ہم مختلف جگہوں کی سیر کر سکتے ہیں۔اس نے مجھے اپنی کتابیں پڑھنے کے لیے عاریتاً دینے کا وعدہ کیا۔جس سے میری تنہائی بھی اتنی دلفگار نہ رہی۔

میں نے اپنی بہنوں کو نئے ملاقاتی کے متعلق بتا دیا۔لینا نے اگلے اتوار کو اسے مدعو کرنے کو کہا۔جب کرشنر آیا تو وہ اس سے موافقانہ متاثر ہوئی۔مگر ہیلینا اسے دیکھتے ہی معاندانہ ناپسندیدگی کا شکار ہو گئی۔اس نے اس معاملے میں عرصے تک کچھ نہ کہا مگر مجھے اس کا احساس تھا۔

ایک دن کرشنر نے مجھے ناچ کے لیے مدعو کیا جو امریکہ آنے کے بعد میرے لیے پہلا موقع تھا۔اس کا خیال مجھ میں ہیجان پیدا کر رہا تھا۔سینٹ پیٹرزبرگ میں پہلے ناچ کی یادیں امڈی چلی آ رہی تھیں۔

اس وقت میں صرف پندرہ برس کی تھی۔ہیلینا کے آجر نے اسے فیشن والے جرمن کلب میں دعوت دی تھی۔اس نے اسے دو ٹکٹ دیئے تھے تاکہ وہ مجھے بھی بلا سکے۔اس بات کو تھوڑا عرصہ گزرا تھا جب میری بہن نے مجھے نیلے رنگ کا نفیس مخمل کا ایک ٹکڑا دیا تھا جسے میرے پہلے ٹخنے تک طویل ڈریس پر ٹانکا جانا تھا۔لیکن اس سے پہلے کہ وہ استعمال میں آتا ہمارا دہقانی ملازم اسے لے کر چمپت ہو گیا۔اس کی گمشدگی کے غم سے میں کئی دن تک نڈھال رہی۔اگر میرے پاس ایک ڈریس ہوتا تو میں سوچتی تھی، ممکن ہے والد صاحب مجھے بال میں شرکت کی اجازت دے دیتے۔''میں تمہارے ڈریس کے لیے بندوبست کر دوں گی''۔ہیلینا نے مجھے دلاسہ دیا ''لیکن مجھے خدشہ ہے ابا منع کر دیں گے'' ''تو پھر میں ان کی حکم عدولی کروں گی'' میں نے اعلان کر دیا۔

اس نے ایک اور نیلے رنگ کا کپڑا خرید لیا یہ میرے مخمل جتنا خوبصورت نہ تھا۔مگر مجھے اس کی فکر بھی نہ تھی۔پہلے بال میں شرکت کے خیال ہی سے میں مست تھی وہ نشہ جو لوگوں میں ناچنے میں چڑھتا ہے۔کسی طرح ہیلینا نے ابا سے اجازت بھی حاصل کر لی۔مگر عین موقع پر ان کی نیت بدل گئی۔دن میں کسی وقت میں کوئی نامناسب حرکت کر بیٹھی۔انہوں نے صاف صاف اعلان کر دیا کہ مجھے گھر پر رہنا ہوگا۔جس پر ہیلینا نے کہا کہ وہ بھی نہ جائے گی۔مگر میں نے ابا کی حکم عدولی کا عزم کر رکھا تھا نتائج، چاہے کچھ بھی ہوں۔

اکھڑی ہوئی سانس کے ساتھ میں اپنے والدین کے خوابگاہ میں جانے کا انتظار کرتی رہی۔تب میں نے کپڑے تبدیل کیے

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

اور ہیلینا کو جگایا۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ میرا ساتھ دے ورنہ میں گھر سے فرار ہو جاؤں گی۔ ''ہم لوگ ابا کے جاگنے سے پہلے ہی لوٹ آئیں گے۔'' میں گڑگڑائی۔ پیاری ہیلینا۔۔۔ جو ہمیشہ کی دبّو تھی! اس میں مصائب جھیلنے کی بے حد قوت برداشت تھی اتنا ہی سہہ بھی سکتی تھی لیکن وہ لڑنا نہیں جانتی تھی۔ اس موقع پر وہ میرے جان پر کھیل جانے والے فیصلے کے بھرے میں آ گئی۔ اس نے کپڑے بدلے اور ہم خاموشی سے گھر سے سٹک لیے۔

جرمن کلب میں ہر شے سے روشنی اور شادمانی ٹپک رہی تھی۔ ہم نے ہیلینا کے آجر کو تلاش کر لیا جس کا نام کاڈی سن تھا اس کے ساتھ چند نوجوان دوست بھی تھے۔ ناچ کے ہر دور میں مجھے دعوت دی گئی۔ میں ہیجانی انداز میں ناچی اور دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گئی۔ کافی رات گئے جب بہت سے لوگ روانہ ہو رہے تھے عین اس وقت کاڈی سن نے مجھے ایک مرتبہ اور ناچنے کے لیے مدعو کیا۔ ہیلینا کہتی رہ گئی کہ میں بے دم ہو چکی ہوں مگر میں نے اس کی ایک نہ سنی۔ ''میں ناچوں گی'' میں نے اعلان کر دیا'' ''میں مرنے تک ناچتی رہوں گی!'' میرا پنڈا گرم ہو چکا تھا' میرا دل بری طرح دھڑک رہا تھا اور میرا شہزادہ مجھے آغوش میں لیے پورے بال روم میں گھمائے پھر رہا تھا۔ اس کی گرفت سخت تھی۔ موت تک رقص۔۔۔ اس سے زیادہ پرشکوہ اختتام کیا ممکن ہے!

صبح میں پانچ بجے کا عمل تھا' جب ہم گھر پہنچے۔ سب لوگ سو رہے تھے۔ میں دیر میں سو کر اٹھی' بہانہ سر درد کا بنایا۔ دل ہی دل میں اپنی شاندار کامیابی پر مسرور تھی کہ میں نے بڈھے کو کس طرح الو بنایا۔

وہ تجربہ میرے ذہن میں اب بھی تصویر کی طرح موجود ہے۔ میں جیکب کرشنر کے ہمراہ پورے ولولے کے ساتھ پارٹی میں پہنچی۔ میری مایوسی میں تلخی بھی شامل ہو گئی جب میں نے بال روم دیکھا جو خوبصورت نہیں تھا' نہ حسین و جمیل عورتیں تھیں نہ چاق و چوبند مرد نہ ہی وہ چلت پھرت۔ ہلکی اور تیز موسیقی رقاص بے ڈھنگے جیکب کوئی خاص برا نہ ناچا۔ لیکن اس میں جذبے اور جوش آتش کی کمی تھی۔ ''مشینوں نے چار سال میں میری توانائی چوس لی ہے'' وہ بولا ''میں اتنی جلدی تھک گیا۔''

میری جیکب کرشنر سے ملاقات کو کوئی چار مہینے ہوئے تھے کہ اس نے مجھ سے شادی کی درخواست کی۔ میں تسلیم کرتی ہوں کہ میں اسے پسند کرتی تھی۔ لیکن اس کم عمری میں' شادی کرنا نہیں چاہتی تھی۔ ہم ایک دوسرے کو بہت کم سمجھ پائے ہیں۔ اس پر وہ بولا وہ اس وقت تک انتظار کرے گا جب تک میں چاہوں۔ ہمارے ساتھ ساتھ رہنے کی وجہ سے چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں۔ ''ہم کیوں نہ منگنی کر لیں''۔ اس نے التجا کی۔ بالآخر میں نے آمادگی ظاہر کر دی۔ جیکب سے ہیلینا کی نفرت تقریباً جنون کی حد تک چھو رہی تھی۔ وہ اس سے بری طرح متنفر تھی۔ لیکن میں کتنی تنہا تھی۔۔۔ مجھے رفاقت درکار تھی۔ آخر کار میری بہن مان گئی۔ اس کی گہری محبت کی وجہ سے وہ کسی چیز کے لیے بھی انکار نہیں کر سکتی تھی یا میری خواہشات کے آگے رکاوٹ بن سکتی تھی۔

۱۸۸۶ء کے خزاں کے آخر تک ہمارے خاندان کے باقی لوگ بھی روچسٹر آ گئے۔۔۔ ابا' اماں میرے دونوں بھائی ہرمین اور ای گور (YEGOR)۔ سینٹ پیٹرزبرگ کے حالات یہودیوں کے لیے ناقابل برداشت ہو چکے تھے۔ اشیائے خورد و نوش کی دکانداری میں ابا کو اتنی آمدنی نہیں ہو رہی تھی جس سے بڑھتی ہوئی رشوت ستانی کی فرمائشیں پوری کی جا سکتیں اور جسم و روح کا تعلق بھی قائم رکھا جا سکے۔ مسئلے کا آخری حل امریکہ تھا۔

ہیلینا سے مل کر میں نے والدین کے لیے ایک گھر تیار کیا۔ ان کی آمد کے بعد ہم ان کے ساتھ رہنے لگے۔ ہماری آمدنیاں بہت جلد گھریلو اخراجات کے لیے ناکافی ہونے لگیں۔ جیکب کرشنر نے ہمارے ساتھ رہنے کی پیشکش کی جس سے قدرے مدد مل سکتی تھی اور جلد ہی وہ ہمارے ہاں اٹھ آیا۔

گھر چھوٹا سا تھا جس کی مکانیت میں ایک کمرہ برائے نشست' ایک باورچی خانہ اور دو سونے کے لیے کمرے تھے۔ ان میں سے ایک کو میرے والدین استعمال کرتے تھے۔ دوسرے میں ہیلینا' میں اور ہمارا چھوٹا بھائی۔ کرشنر اور ہرمین گول کمرے میں سوتے تھے۔ جیکب کی قربت اور خلوت کی کمی سے مجھ پر چڑچڑاہٹ طاری رہتی۔ میری راتیں آنکھوں میں کٹتیں' جاگتے میں خواب دیکھتی اور کام کے وقت بہت تکان محسوس کرتی۔ زندگی ناقابل برداشت ہوتی جا رہی تھی۔ جیکب کا اصرار تھا کہ ہمیں اپنا گھر

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

لینا چاہیئے۔

ہماری قربت بڑھ جانے سے مجھے اچھی طرح اندازہ ہو گیا کہ ہم دونوں بالکل مختلف ہیں۔اس کی کتابوں میں دلچسپی جو ابتدا میں کشش کا سبب بنی تھی وہ کشش بہت کم رہ گئی تھی۔وہ اپنے کاریگر ساتھیوں کے اطوار اختیار کرتا جا رہا تھا۔تاش کھیلتا اور ان کے ساتھ بے کیف رقصوں میں حصہ لیتا رہتا۔اس کے برعکس میں جدوجہد اور تمناؤں کے اڑن کھٹولے پر سوار تھی۔فکری طور پر میں اب بھی اپنے محبوب سینٹ پیٹرزبرگ روس میں مقیم تھی۔ان کتابوں کی دنیا میں سانسیں لے رہی تھی جنہیں میں نے وہاں پڑھا تھا۔وہ اوپیرا اب بھی میرے اندر گونج رہے تھے جن کو میں نے وہاں سنا تھا۔طلباء کا وہ حلقہ جنہیں میں جانتی تھی۔ابتدائی زمانے کے مقابلے میں اب روچسٹر سے زیادہ متنفر ہو چکی تھی۔مگر کرشنؔ آدمیت والا واحد انسان تھا جس سے یہاں آنے پر ملاقات ہوئی۔ اس نے میری زندگی میں موجود ایک خلاء کو پر کیا اور میں نے اس کے لیے بہت کشش محسوس کی۔فروری ۱۸۸۷ء میں روچسٹر کے ربی نے ہمیں شادی کے بندھن میں باندھ دیا۔یہ سب کچھ یہودی قواعد کے مطابق ہوا۔ملکی قوانین کے مطابق بھی میں ان پر پوری اترتی تھی۔

اس دن مجھ پر ہیجان کا جو بخار چڑھا ہوا تھا۔مجھ میں جو اسرار اور متوقع سرشاری تھی رات میں جلد ہی جھاگ کی طرح بیٹھ گئی اس کے عوض انتہائی پریشان کن احساس نے جگہ لے لی۔جیکبؔ میرے پہلو میں لیٹا ہوا کانپ رہا تھا۔وہ نامرد نکلا۔

یادش بخیر مجھے پہلی شہوانی سنسنی اس وقت ہوئی تھی جب میں تقریباً چھ سال کی تھی۔ان دنوں میں میرے والدین پوپلان میں مقیم تھے۔ہمارا مکان کسی بھی تعریف سے گھر نہیں کہا جا سکتا تھا۔ابا ایک سرائے چلاتے تھے جو مستقلاً دیہاتیوں سے بھرا رہتا جو نشے میں چور رہتے اور لڑتے جھگڑتے رہتے۔اس لیے سرکاری اہل کار بھی جمع رہتے۔اماں جان ہمارے اس طویل وعریض پر آشوب گھر میں ملازمین کی نگرانی کرتیں۔میری بہن لیناؔ اور ہیلینا جو بالترتیب چودہ اور بارہ برس کی تھیں، کام کی وجہ سے انہیں سر کھجانے کی فرصت نہیں تھی۔میں سارا دن زیادہ تر اکیلی اور فارغ رہتی۔اصطبل میں ایک نوجوان دہقانی ملازم پیتروشکاؔ نام کا تھا جو چرواہے کا کام کرتا تھا اور ہماری بھیڑوں اور گایوں کی نگہداشت کرتا۔وہ مجھے اکثر چراگاہوں کی طرف لے جاتا۔اور میں اس کی بانسری کی میٹھی دھنیں سنتی رہتی۔شام میں وہ مجھے کندھے پر بٹھا کر گھر لاتا میری ٹانگیں آگے لٹکتی رہتیں۔وہ گھوڑا بن جاتا.....وہ اس وقت تک سرپٹ بھاگتا جب تک تھک نہ جاتا۔پھر اچانک وہ مجھے ہوا میں اچھال دیتا اور اپنے بازوؤں میں دبوچ لیتا اور اپنے گلے لگا لیتا۔اس رویے سے مجھے ایک مخصوص نوعیت کا سرور پیدا ہوتا میں جب شادمانی سے بھر جاتی تو اس سے راحت انگیز علیحدگی ہوتی۔

پیتروشکاؔ سے جدائی میرے لیے ناقابل برداشت ہو جاتی۔میں اس کی اتنی رسیا ہو چکی تھی کہ میں نے اماں کے نعمت خانے سے اس کے لیے کیک اور پھل چرانے شروع کر دیے۔تاکہ میں پیتروشکاؔ کے ساتھ چراگاہوں پر رہوں اس سے موسیقی سنوں اس کے شانوں پر گھڑ سواری کروں یہ خیال سوتے جاگتے ہر وقت مجھ پر مسلط رہنے لگا۔ایک دن والد صاحب کسی بات پر پیتروشکاؔ سے بگڑ گئے اور لڑکے کو رخصت کر دیا۔اس کا چلا جانا میرے بچپنے کے سانحات میں سب سے زیادہ کڑا تھا۔اس کے بعد ہفتوں میں پیتروشکاؔ کے ہی خواب دیکھتی رہی؛ جس میں سبزہ زار، موسیقی اس کھیل میں آنے والے سرور اور سرمستی شامل تھیں۔ایک صبح ایسا لگا جیسے کسی نے مجھے نوچ کے جگا دیا۔اماں مجھ پر جھکی ہوئی تھیں میرے داہنے ہاتھ کو کس کے پکڑے ہوئے تھیں۔انہوں نے برہم آواز میں کہا ''اگر پھر کبھی میں نے تمہارے ہاتھ کو اس حال میں دیکھا تو میں تمہیں کوڑے ماروں گی؛ بدتمیز لڑکی''۔

بلوغت کی آہٹ نے مجھ پر مردوں کے اثر کا احساس پیدا کیا۔اس وقت میں محض گیارہ برس کی تھی۔موسم گرما کی ایک سہ پہر کے وقت ایک گہری اذیت میں میری آنکھ کھلی۔میرا سر، ریڑھ کی ہڈی اور ٹانگوں میں شدید درد ہو رہا تھا ایسا لگتا تھا جیسے انہیں کھینچ کر چیرا جا رہا ہے۔میں نے اماں کو بلایا۔انہوں نے بستر کی چادریں الٹ دیں اچانک مجھے یوں لگا جیسے ڈنک لگنے سے درد ہو رہا ہو۔انہوں نے تھپڑ جڑ دیا تھا۔میں نے چیخ ماری اور ماں کے دہشت زدہ چہرے پر نظریں گاڑ دیں'' یہ ہر لڑکی کے لیے

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

ضروری ہے'' وہ بولیں ''جب وہ عورت بنتی ہے تو ذلت سے بچانے کے لیے یہ سب بطور ڈھال کے ہے'' پھر اس نے مجھے اپنی بانہوں میں لینے کی کوشش کی لیکن میں نے اسے پیچھے دھکیل دیا۔ میں درد کے مارے اینٹھ رہی تھی اور مجھے اتنی شرم آ رہی تھی کہ اس کا چھونا مجھے اچھا نہ لگا۔ ''میں مرنے والی ہوں'' میں بلبلائی ''میرے لیے فیلچشر (نائب ڈاکٹر) بلاؤ۔ فیلچشر کو بلایا گیا۔ وہ نوجوان آدمی تھا۔ ہمارے گاؤں میں نو وارد تھا۔ اس نے میرا معائینہ کیا اور ایسی دوا دی جس سے مجھے نیند آ گئی۔ اس کے بعد میرے خوابوں میں فیلچشر آنے لگا۔

جب میں پندرہ سال کی ہوئی۔ ایسی فیکٹری میں ملازم ہوگئی جہاں خواتین کے زیر جامے بنائے جاتے تھے یہ جگہ ہر میچ آرکیڈ کہلاتی تھی اور سینٹ پیترز برگ میں تھی۔ اوقات کار ختم ہونے کے بعد میں دیگر لڑکیوں کے ساتھ فیکٹری سے روانہ ہوتی۔ راستے میں روسی فوج کے افسران اور شہری جوان فرش راہ ہوتے۔ زیادہ تر لڑکیوں کا من موہن ضرور تھا۔ صرف ایک یہودی لڑکی جو مجھ سے بہت مانوس تھی وہ اور میں مٹھائی کی دکان یا پارک میں جانے سے انکار کر دیتے۔

راستے میں خانقاہ کے بعد ہوٹل پڑتا تھا جس کے سامنے سے ہمیں گزرنا پڑتا تھا۔ اس کے کئی کلرکوں میں سے ایک نے جو بیس سال کا نوجوان تھا اپنی نگاہوں کا مرکز بنانے کے لیے مجھے منتخب کر لیا۔ شروع میں میں نے بے اعتنائی کی لیکن بتدریج اس پر میرا دل پسیجنے لگا۔ اس کے استقلال نے رفتہ رفتہ میرے پندار کو کھوکھلا کر دیا اور میں نے اس کی رفاقت قبول کر لی۔ ہم کسی پرسکون جگہ پر ملتے یا عقبی کوچوں میں مٹھائی کی دکانوں میں ملتے۔ ابا کو اطمینان دلانے کے لیے مجھے ہمہ اقسام کے قصے گھڑنے پڑتے کہ میں کام پر سے کیوں دیر سے لوٹی ہوں یا رات کے نو بجے کے بعد تک کیوں باہر رہی۔ ایک دن انہوں نے سمر گارڈن میں جاسوسی کی اور دیگر لڑکیوں کے علاوہ مجھے چند طالبعلم لڑکوں کے ساتھ دیکھ لیا۔ جب میں گھر پہنچی تو انہوں نے دکان کے ایک شیلف پر مجھے دے مارا۔ جس سے اماں کے خوشنما وریئے (گھریلو مربہ) کے مرتبان فرش پر آ گرے۔ انہوں نے مجھ پر مکے بازی بھی کی۔ چیختے جاتے کہ میں ایک بدچلن بیٹی کو برداشت نہیں کر سکتا۔ اس تجربے کے بعد مجھے گھر کاٹنے کو دوڑنے لگا۔ فرار کی مجبوری بڑھ گئی۔

کئی ماہ تک میں اور میرا چاہنے والا چوری چوری ملنے لگے۔ ایک دن وہ کہنے لگا تمہارا کیا خیال ہے کہ ہم لوگ ہوٹل کی طرف سے ہو لیں اور اس کے پرتعیش کمرے دیکھ لیں۔ اس سے پہلے میں کبھی بھی ہوٹل نہ گئی تھی..... ان کی شاندار کھڑکیوں کے پیچھے پائی جانے والی خوشیاں اور رنگ رلیوں کے تصور نے میرا دل موہ لیا یوں میں نے کام پر سے واپسی کے وقت اس عمارت میں سے ہو کر گزرنے کا فیصلہ کر لیا۔

میرا دوست مجھے ایک بغلی دروازے میں سے لے کر داخل ہوا۔ راہداری پر دبیز قالین بچھا ہوا تھا جو ایک کمرے پر ختم ہوتی تھی۔ کمرہ آب تاب والا اور آرائش خوبصورت تھی۔ صوفے کے قریب ایک میز تھی جس پر چائے کی کشتی دھری تھی۔ ہم بیٹھ گئے۔ نوجوان نے طلائی رنگ کا مشروب انڈیلا اور مجھ سے کہا کہ ہمیں گلاسوں کو ٹکرا کر اپنی دوستی کو یادگار بنانا چاہیے۔ میں نے شراب کو ہونٹوں سے لگایا ہی تھا کہ میں نے خود کو اس کے بازوؤں میں پایا جب کہ دھڑکا لباس کھل کر گر چکا تھا۔ اس کے وارفتہ بوسے میرے چہرے گردن اور پستانوں پر پیوست ہو رہے تھے۔ یہ اس وقت تک ہوا جب تک ہمارے جسموں کا بے قرار اتصال نہ ہوا اور جس سے مجھے ناقابل برداشت درد نہ ہونے لگا جس سے میں اچانک ہوش میں آ گئی۔ میں چلانے لگی اور وحشیوں کی طرح مرد کی چھاتی پر مٹھیوں کی بارش کر دی۔ ناگاہ میں نے ہال سے ہیلینا کی آواز سنی۔ ''وہ یہیں ہوگی۔ وہ یہاں ضرور ہوگی!'' میری گھگھی بندھ گئی۔ وہ بھی دہشت زدہ ہو گیا۔ اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ ہم نے سانس روک کر آواز پر کان لگا دیئے۔ درمیانی لمحات گھنٹوں کی طرح بھاری لگے۔ ہیلینا کی آواز دور ہوتی گئی۔ مرد کھڑا ہو گیا۔ میرا اٹھنا بالکل مشینی انداز میں تھا۔ میں نے اپنے شلوکے کے بٹن بہ عجلت لگائے اور بالوں کو سمیٹ کر پیچھے باندھا۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ میں شرمندہ نہ تھی۔ ہاں یہ دریافت ہونے پر ایک شدید جھٹکا لگا کہ ایک مرد اور عورت کا اتصال اس قدر وحشیانہ اور پر درد ہو سکتا ہے۔ میں وہاں سے سراسیمگی میں نکلی پور پور چھلی ہوئی۔

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

جب گھر پہنچی تو میں ہیلینا کو دیکھ کر ڈر گئی وہ خام لوہے کی طرح پاش پاش نظر آ رہی تھی۔ وہ مجھ سے ناراض تھی۔ لڑکے سے میری ملاقات سے وہ آگاہ تھی۔ اس نے یہ ٹھان لیا تھا کہ تحقیق کرے گی کہ وہ کہاں ملازمت کرتا ہے اور جب میں وقت پر گھر نہ آئی تو وہ میری تلاش میں ہوٹل جا پہنچی۔ اس شخص کے بازوؤں میں رہنے سے مجھے شرم نہ آئی تھی مگر اب مارے شرم کے گڑی جا رہی تھی۔ مجھ میں اتنی ہمت نہ تھی کہ میں ہیلینا کو اپنی بپتا سنا سکتی۔

اس واقعے کے بعد میں مردوں کی موجودگی میں خود کو ہمیشہ دو طرفہ آگ کے درمیان پاتی۔ ان میں بے پناہ کشش ہوتی جس میں ہمیشہ جان لیوا کراہت بھی شامل رہتی۔ اب یہ میرے بس کے باہر تھا کہ میں انہیں اپنے جسم کو چھونے دیتی۔

یہ تصویریں میرے ذہن میں فلم کی طرح چل رہی تھیں جب شب عروسی میں میں اپنے شوہر کے بغل میں لیٹی ہوئی تھی۔ وہ گہری نیند سو چکا تھا۔

ہفتوں پر ہفتے گزرتے رہے۔ کوئی تبدیلی نہ آئی۔ میں نے جیکب سے کہا کہ وہ ڈاکٹر سے مشورہ کرلے۔ پہلے تو اس نے انکار کر دیا اور ہمت کی کمی بتائی۔ لیکن بالآخر وہ گیا۔ اسے بتایا گیا کہ اس کی ''مردانہ قوت کی تعمیر'' میں کافی وقت لگے گا۔ اس عرصے میں میرے اپنے جذبات سرد پڑ گئے۔ دال دلیا چلانے کے تفکرات میں ان کی گنجائش نہ رہی۔ میں ملازمت کو خیرباد کر چکی تھی۔ یہ بات کسی شادی شدہ عورت کی شان کے منافی سمجھی جاتی تھی کہ وہ نوکری کرے۔ جیکب پندرہ ڈالر ہفتہ کما رہا تھا۔ اسے تاش کھیلنے کا چسکا پڑ گیا جس میں ہماری آمدنی کا ایک معقول حصہ نذر ہونے لگا۔ اس میں حسد کا مادہ پیدا ہو گیا وہ ہر ایک پر شک کرنے لگا۔ زندگی کا گزارنا دوبھر ہو گیا۔ اس انتہائی مایوسی سے نجات کا راستہ میں نے ح۔ مارکٹ کے معاملات میں دلچسپی لے کر نکالا۔

شکاگو کے انارکسٹوں کی موت کے بعد میں کرشنر سے علیحدگی کا تقاضہ کرنے لگی۔ وہ کافی عرصے تک مزاحمت کرتا رہا لیکن بالآخر طلاق دینے کی حامی بھر لی۔ طلاق کی کارروائی اسی ربی کے ہاتھوں انجام پائی جس کے ہاتھوں ہماری شادی کی تقریب مکمل ہوئی تھی۔ وہاں سے تب میں نیو ہیون، کنکٹی کٹ کے لیے روانہ ہوئی جہاں مجھے خواتین کے زیر جامے بنانے والی فیکٹری میں کام کرنا تھا۔

جب میں خود کو کرشنر سے آزاد کرنے کے لیے کوشاں تھی میری بہن ہیلینا کی ذات تھی جس نے میرا ہمیشہ ساتھ دیا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ابتدا میں اس نے اس شادی کی مخالفت کی تھی۔ لیکن اب اس نے میری ایک مرتبہ بھی سرزنش نہ کی۔ اس کے برعکس اس نے میری مدد کی اور تسلی دی۔ اس نے والدین کے سامنے میری وکالت کی اور میرے طلاق لینے کے فیصلے کے متعلق لینا کو بھی قائل کیا۔ ہمیشہ کی طرح اس کی جاں نثاری بے حد و حساب تھی۔

نیو ہیون میں میری ملاقات روسی نوجوانوں کے ایک گروپ سے ہوئی اکثریت طالب علموں کی تھی جو چھوٹے موٹے کاموں میں لگے ہوئے تھے، ان میں سے زیادہ تر سوشلسٹ اور انارکسٹ تھے۔ وہ اکثر جلسے منعقد کرتے جہاں بولنے کے لیے لوگ نیویارک سے بلائے جاتے۔ جن میں سے ایک صاحب اے۔ سولوٹاروف تھے۔ زندگی دلچسپ اور رنگین تھی۔ مگر آہستہ آہستہ کام کا دباؤ میری گھٹتی ہوئی توانائی سے زیادہ ہونے لگا۔ آخر کار مجھے روچسٹر لوٹنا پڑا۔

میں ہیلینا کے پاس پہنچی۔ وہ اپنے خاوند اور بچے کے ساتھ چھوٹے سے چھاپے خانے میں رہتی تھی۔ اسی میں ان کی دخانی جہازوں کی ایجنسی کا دفتر بھی چل رہا تھا۔ مگر دونوں کاروبار سے انہیں اتنی آمدنی نہ ہوتی جس سے ان کا افلاس دور ہو سکتا۔ ہیلینا نے جیکب ہوکسٹین سے شادی کی تھی جو اس سے عمر میں دس سال بڑا تھا۔ وہ عبرانی زبان کا عالم تھا۔ انگریزی اور روسی زبانوں کے کلاسیکی ادب پر سند کا درجہ رکھتا تھا۔ ایک نادر شخصیت کا مالک تھا۔ اس کی دیانت اور فعل مختار کردار اس مکروہ کاروباری مسابقت کے لیے نامناسب تھا۔ جب کوئی شخص اس کے پاس دو ڈالر کی چھپائی کا کام لاتا تو جیکب ہوکسٹین اس پر اتنی محنت اور وقت صرف کرتا جیسے اسے اس کام کے پچاس ڈالر ملنے ہوں۔ کوئی گاہک اگر اس سے مول تول کرنے کی کوشش کرتا تو وہ اسے فوراً رخصت کر دیتا۔ زیادہ شرح منافع کے جنجال میں نہ پڑتا۔ اس کی آمدنی اس کے کنبے کی کفالت کے لیے ناکافی ہوتی۔ جس سے متاثر ہونے والی ذات غریب ہیلینا ہوتی جو ہمیشہ پریشان اور چڑچڑی رہتی۔ وہ دوسرے بچے کے لیے امید سے تھی پھر بھی صبح

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

سے لے کر رات گئے تک کولھو کے بیل کی طرح جتی رہتی تا کہ اخراجات پورے پڑ جائیں۔اس کی زبان پر کبھی شکایت کا لفظ نہ آیا۔لیکن پوری زندگی اس کا یہی شعار رہا خاموشی سے دکھ جھیلے جاتی اور بے فکر۔

ہیلینا کی شادی کسی جذباتی عشق کی پیداوار نہ تھی۔ یہ دو پختہ سن لوگوں کا بندھن تھا جو ایک پرسکون زندگی کے لیے متحد ہونا چاہتے تھے۔میری بہن کے دیے میں اگر ولولے کا کچھ تیل بھی تھا تو وہ چوبیس برس کی عمر تک پہنچتے پہنچتے ختم ہو چکا تھا۔سولہ سال کی عمر میں جب ہم پولان میں رہتے تھے تو وہ ایک لیتھونیا کے نوجوان کے عشق میں گرفتار ہوگئی تھی جو سیرت میں بھی حسین تھا۔ لیکن وہ ایک غیر ذات (Gentile) کا آدمی تھا اور ہیلینا کو بھی معلوم تھا کہ اس سے شادی ہونا غیر ممکن ہے۔ بڑی جدوجہد اور بڑی رلائی دھلائی کے بعد ہیلینا نے نوجوان ساشا سے اپنے معاشقے کو ختم کر دیا۔کئی سال کے بعد جب ہم امریکہ روانگی کے لیے چلے تو راستے میں کون وو میں ٹھہرے جو ہمارا قدیمی قصبہ تھا۔ہیلینا نے کسی طرح ساشا سے ملاقات کا انتظام کر لیا۔ یہ ہیلینا کے بس کے باہر تھا کہ اسے الوداع کہے بغیر اتنی دور چلی جائے۔وہ ملے اور اچھے دوستوں کی طرح جدا ہو گئے۔۔۔دونوں کی جوانی کی آگ بجھ کر کجلا چکی تھی۔

میری نیو ہیون سے واپسی پر ہمیشہ کی طرح شفقت اور ایسی اپنایت سے استقبال کیا جیسے اس کا گھر میرا بھی ہے۔اپنی عزیز بہن کی یکجائی بہت بھلی لگ رہی تھی۔ننھی سٹیلا اور چھوٹا بھائی ایگور بھی تھے۔ہیلینا کے گھر میں پائی جانے والی تنگی ترشی مجھ سے دیر تک نہ چھپی رہ سکی۔میں نے دکان پر ملازمت کر لی۔

یہودی بستی میں رہ کر یہ ناممکن تھا کہ ان لوگوں کو نظر انداز کیا جا سکے جن سے ملنے کا جی نہ چاہتا ہو۔آمد کے فوراً ہی بعد میرا کرشنر سے آمنا سامنا ہو گیا۔دن بہ دن وہ مجھ سے ملاقات کی بے تابی ظاہر کرتا۔وہ مجھ سے التجائیں کرنے لگا کہ میں اس کے پاس چلی آؤں.....سب کچھ بدل چکا ہے۔ایک دن اس نے خودکشی کی دھمکی دی.....اس نے فی الواقع زہر کی بوتل نکالی۔مجھ پر فوری جواب کے لیے دباؤ ڈالا۔

میں اتنی بھولی نہ تھی کہ غور کرنے پر پتہ چلتا کہ کرشنر سے نکاحی بندھن کی تجدید پہلے والے سے زیادہ تسکین بخش اور دیرپا ثابت ہوگی۔اس کے علاوہ میں نے ٹھان لیا تھا کہ مجھے نیویارک جانا ہے۔تا کہ اس کام کے لیے اپنے اندر صلاحیتیں پیدا کروں جس کے لیے شکاگو کے کامریڈوں کی موت کے بعد میں نے عہد کیا تھا۔لیکن کرشنر کی دھمکی سے میں خوف زدہ ہوگئی۔میں اس کی موت کی ذمہ داری لینے کو تیار نہ تھی۔میں نے اس سے دوبارہ بیاہ کر لیا۔میرے والدین رخصتی میں پھولے نہ سماتے تھے اور یہی لینا اور اس کے شوہر کا حال تھا لیکن ہیلینا غم سے نڈھال تھی۔

کرشنر سے بالا بالا میں نے لباس سازی کے کورس میں داخلہ لے لیا۔یوں میرے ہاتھ ایک ہنر آجائے گا اور فیکٹری کے عذاب سے نجات مل جائے گی۔آئندہ تین ماہ تک میں اپنے شوہر سے الجھتی رہی کہ مجھے میرے راستے پر چلنے دے۔میں نے مقدور بھر اسے سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ اس گھٹیا زندگی بسر کرنے کی خواری کو سمجھ لے۔مگر وہ اڑا رہا۔ایک مرتبہ رات گئے تلخ الزام تراشیوں کے تبادلے کے بعد میں نے جیکب کرشنر اور گھر کو چھوڑ دیا۔اس مرتبہ حتمی طور پر۔

روچسٹر کی پوری یہودی آبادی نے مجھے فوراً برادری بدر کر دیا۔میں گلی کوچوں میں سے نہ گزر سکتی لوگ روک کر لعنت ملامت کرتے۔میرے والدین نے گھر میں آنے کی ممانعت کر دی۔اس مرتبہ پھر یہ ہیلینا تھی جس نے پوری طرح ساتھ دیا۔اپنی محدود آمدنی میں سے اس نے نیویارک کے سفر کا کرایہ بھی دیا۔

یوں میں نے روچسٹر چھوڑ دیا جہاں میں نے کتنی تکالیف اٹھائیں، جان توڑ محنت کی اور تنہائی کا شکار ہوئی مگر رخصت ہوتے وقت گلوخلاصی کی خوشی ہیلینا، اسٹیلا اور چھوٹا بھائی جنہیں میں بہت چاہتی تھی سے جدائی کے غم میں نڈھال ہوگئی۔

منکن فلیٹ میں سورج کی پہلی کرن نے مجھے جاگتے ہوئے پایا۔زمانہ ماضی کی طرف کھلنے والا دروازہ اب ہمیشہ کے لیے بند ہو چکا تھا۔نیا عہد بلا رہا تھا اور میں نے اپنے بازو اس کی جانب بے تابی سے پھیلا دیے۔میں ایک پرسکون اور گہری نیند میں ڈوب گئی۔

میری آنکھ اتا منکن کی آواز سے کھلی جو الیگزینڈر برکمین کے پہنچنے کا اعلان کر رہی تھی۔اس وقت سہ پہر ختم ہو رہی تھی۔

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

باب ۳

ہیلن منکن اس وقت کام پر گئی ہوئی تھی۔ اینا چند دنوں سے بے روزگار تھی۔ اس نے چائے بنائی اور ہم لوگ باتیں کرنے کے لیے بیٹھ گئے۔ برکمین نے میرے کام سے متعلق منصوبوں کو پوچھا اور تحریک کی سرگرمیوں کے متعلق۔ کیا تم ''فرای ہایٹ'' کے دفتر جانا چاہتی ہو؟ کیا میں کسی طرح تمہارے کام آسکتا ہوں؟ مجھے اِدھر اُدھر لے جانے کے لیے فرصت ہے۔ وہ بولا۔ وہ فورمین سے جھگڑنے کے بعد ملازمت کو خیرباد کہہ چکا تھا۔ ''غلاموں کو ہانکنے والا'' اس نے تبصرہ کیا۔ ''اس میں مجھے ہانکنے کی جرات نہیں تھی بلکہ یہ میری ذمے داری ہو چکی تھی کہ میں کارگاہ میں دوسروں کے لیے سینہ سپر ہو جاؤں'' سگار بنانے والے کاروبار میں ان دنوں قدرے مندی چل رہی تھی۔ اس نے ہمیں بتایا۔ لیکن بطور انارکسٹ اسے اپنی ملازمت کی فکر نہ تھی۔ ذاتی مفاد کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ صرف مقصد کی اہمیت ہوتی ہے۔ ناانصافی اور استحصال کے خلاف لڑنا اہم ہے۔

وہ کتنا طاقتور ہے۔ میں نے دل میں سوچا۔ اس کے انقلابی جذبے میں کیا شان ہے! ہمارے شکاگو کے شہید کامریڈوں کی طرح۔

مجھے اپنی سلائی مشین چھڑانے کے لیے بیالیسویں اسٹریٹ کے مغربی جانب سامان کے گودام جانا تھا، برکمین نے میرے ساتھ چلنے کو کہا۔ اسے یہ سوجھی کہ واپسی میں ہم بروکلین پل کی طرف جاسکتے ہیں جو چڑھائی پر ہے پھر اس کے بعد اترائی میں ولیم اسٹریٹ ہے جہاں پر فرای ہایٹ کا دفتر واقع ہے۔

میں نے اس سے پوچھا کہ کیا یہ ممکن ہے کہ بطور لباس ساز میں نیویارک میں قدم جمالوں۔ میری ساری کوشش یہ ہوگی کہ میں کارخانے کی غلامی اور جاں لیوا چکی کے پاٹوں سے آزاد رہوں۔ میں مطالعہ کرنے کے لیے وقت نکالنا چاہتی تھی اور اس کے بعد مجھے یہ امید بھی تھی کہ میرے اس خواب کی تعبیر بھی نکل آئے گی جب میں امداد باہمی کا ایک کارخانہ قائم کروں گی۔ کچھ ویرا کے کاروبار سے ملتا ہوا جیسا کہ کتاب ''کیا کرنا چاہئے'' میں لکھا ہے۔ میں نے وضاحت کی۔ ''تم نے چرنی شیفسکی کی تحریریں پڑھیں ہیں'' برکمین نے استفسار کیا جس میں تعجب بھی تھا۔ ''بالکل درست مگر روچسٹر میں نہیں؟'' یقیناً نہیں میں نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔ ''میری بہن ہیلینا کو چھوڑ کر دنیا میں اور کون ہوسکتا ہے جو ایسی کتابیں پڑھے۔ نا، اس مردنی والے قصبے میں نہیں بلکہ سینٹ پیٹرزبرگ میں'' اس نے مجھے مشکوک نظروں سے دیکھا۔ چرنی شیفسکی لاوجودیت (NIHILIST) (موجود نظاموں کا مخالف) کا مبلغ تھا'' اس نے سرسری لہجے میں کہا۔ روس میں اس کی تصانیف پر پابندی ہے۔ کیا تم لاوجودیوں سے رابطے میں تھیں؟ صرف وہی لوگ ہیں جو یہ کتابیں دے سکتے ہیں۔ میں غصے میں لال ہوگئی۔ اسے میرے بیان پر شک کرنے کی جرات کیسے ہوئی! میں نے برہمی سے کہا کہ میں نے ممنوع کتاب اور دوسری بھی ایسی تحریریں پڑھی ہیں۔ جیسے ترگینیف کی 'فادر اینڈ سنز' اور اوبریف (The Precipice) جو گنچاروف کی تحریر ہے۔ میری بہن نے یہ کتابیں مختلف طلباء سے لی تھیں اور مجھے پڑھنے کو دیں۔ ''مجھے افسوس ہے اگر میں نے تمہاری دل آزاری کی'' برکمین نرم لہجے میں بولا۔ ''حقیقت میں مجھے تمہارے بیان پر شک نہیں ہوا بلکہ میں اس پر متعجب تھا کہ اتنی کم عمر لڑکی یہ کتابیں پڑھ چکی ہے''۔

ابتدائی نوجوانی کے ایام میں کن طلسماتی علاقوں میں بھٹکتی رہی، میں سوچنے لگی۔ مجھے کوانیس برگ کی وہ صبح یاد ہے جب میری نظر ایک دیوار گیر اشتہار پر پڑی جس میں زار کی موت کا اعلان کیا گیا تھا۔ ''سیاسی قتل لاوجودیت کے داعی قاتل کے

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

ہاتھوں'' اس اشتہار کے ذہن میں آنے سے بچپن میں میرے گھر میں ہونے والے ایک چھوٹے سے واقعے کی یاد تازہ کر دی جس نے میرے گھر کو کچھ دیر کے لیے ماتم کدے میں بدل دیا تھا۔ اماں کو اپنے بھائی مارٹن کا ایک خط ملا جس سے یہ جان لیوا خبر ملی کہ بھیا ایگور گرفتار کر لیے گئے ہیں۔ کسی غلط فہمی میں انہیں لاوجودیت کے حامیوں میں شمار کر لیا گیا۔ خط میں یہ بھی لکھا تھا کہ انہیں پیتراپاولوسکی گڑھی میں رکھا گیا ہے جہاں سے جلد ہی انہیں سائبیریا منتقل کر دیا جائے گا۔ خبر سے ہم لوگ دہل گئے۔ اماں نے سینٹ پیترزبرگ جانے کا فیصلہ کیا۔ ہفتوں ہم لوگ پرتشویش غیر یقینی حالت میں رہے۔ آخر کار وہ لوٹیں۔ ان کا چہرہ خوشی سے تمتما رہا تھا۔ انہیں وہاں پتہ چلا کہ ایگور کو پہلے ہی سائبیریا روانہ کیا جا رہا ہے۔ بڑی جدوجہد اور کثیر رقم کی مدد سے سینٹ پیترزبرگ کے گورنر جنرل تری پیف سے شرف ملاقات حاصل ہوا۔ انہیں کہیں سے پتہ چل چکا تھا کہ اس کے بیٹے کا کالج کے زمانے میں ایگور دوست رہ چکا تھا۔ اس حقیقت کو انہوں نے بطور ثبوت پیش کیا کہ ان کا بھائی کس طرح دہشت گرد لاوجودیوں میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ ایسا شخص جو گورنر کے بیٹے سے اتنا قریبت ہو اس کا روس کے دشمنوں سے کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔ انہوں نے ایگور کی کڑیل جوانی کا واسطہ دیا' اپنے گھٹنوں پر جھک گئیں بھیک مانگی اور رونے لگیں۔ آخر میں تری پیف نے وعدہ کیا کہ وہ لڑکے کو ایپیپ (موت کی گھاٹی) سے بلوا لے گا مگر وہ کڑی نگہداشت میں رہے گا۔ ایگور کو باضابطہ وعدہ کرنا ہوگا کہ وہ کبھی بھی اس قاتل گروہ کے پاس نہ پھٹکے گا۔

ہماری اماں کتابوں میں پڑھی ہوئی کہانیاں جب سناتیں تو ان میں باتصویر تفصیلات ہوتیں۔ یوں لگتا ہم بچے ان کے ہونٹوں سے جڑے ہوئے ہوں۔ اس مرتبہ بھی ان کی کہانی منہمک کرنے والی تھی۔ مجھے یوں لگا جیسے اماں اکڑی ہوئی گردن والے گورنر جنرل کے سامنے موجود ہیں۔ گھنے بالوں میں سے جھانکتا ان کا حسین چہرہ آنسوؤں سے تربتر ہے۔ لاوجودیت کے حامی کو بھی..... میں نے تاریک گناہ گار مخلوق پایا جنہوں نے میرے ماموں کو زار کے قتل کرنے کی سازش میں پھانس لیا۔ اتنا اچھا رحیم و کریم زار..... ماں کے بقول پہلا بادشاہ جس نے یہودیوں کو بڑھ کر آزادی دی تھی۔ اس نے منظم قتل عام کی ممانعت کر دی تھی اور غلام کسانوں کو آزاد کرنے پر غور کر رہا تھا۔ اس بیچارے کو لاوجودیت کے حامی قتل کرنا چاہتے تھے۔ ''سازشی قاتل'' ماں چلائیں ''ان کا تو قلع قمع کیا جانا چاہیے۔ ایک ایک کا!''

اماں کے لہجے کی سفاکی نے مجھے دہشت زدہ کر دیا۔ ان کی قلع قمع کرنے کی تجویز نے میرے اندر خون کو منجمد کر دیا۔ میں نے محسوس کیا کہ لاوجودیت کے حامی درندے تھے۔ مگر اپنی ماں میں ایسی سفاکی کی جھلک مجھے اچھی نہ لگی۔ اس دن کے بعد کبھی کبھی اہل لاوجودیت کا خیال میرے ذہن میں کلبلاتا۔ اور حیران ہوتی رہتی کہ یہ کون لوگ ہیں اور کس شئے نے انہیں اتنا خونخوار بنایا ہے۔ کوانیس برگ میں جب لاوجودیت کے لوگوں کو زار کے قتل کرنے کے جرم پر پھانسی دی گئی۔ میرے دل میں ان کے خلاف کوئی تلخی نہ آئی۔ کسی انجانے جذبے نے مجھ میں ان کے لیے ہمدردی پیدا کر دی۔ میں ان کے انجام پر روتی رہی۔

کئی سال کے بعد ''لاوجودیت'' کی اصطلاح میری سمجھ میں آئی جب میں نے ''فادرز اینڈ سنز'' کا مطالعہ کیا۔ اور میں نے جب (WHAT'S TO BE DONE?) پڑھا تب مجھے مصلوبین سے اپنی جبلّی ہمدردی کا سبب معلوم ہوا۔ مجھے لگا جیسے ان سے لوگوں کے مصائب بغیر کسی احتجاج کے نہ دیکھے گئے یوں انہوں نے دوسروں پر اپنی زندگیاں نچھاور کر دیں۔ میں اس نظریے کی مزید قائل اس وقت ہوئی جب مجھے ویرا زاسولچ کے متعلق اور معلوم ہوا جس نے تری پیف کو ۱۸۸۹ء میں قتل کیا تھا۔ یہ معلومات میرے روسی زبان کے نوجوان استاد نے مجھے بتائیں۔ ماں نے بتایا تھا کہ تری پیف رحم دل اور انسانیت نواز آدمی تھا۔ لیکن میرے استاد نے بتایا کہ وہ کس قدر استبدادی مزاج کا تھا۔ وہ ایک عفریت کی مانند تھا جو اپنے قزاق دستوں کو کس طرح طلباء پر چڑھ دوڑنے کو حکم دیتا' ان پر کوڑے برسانے کو کہتا۔ ان کے اجتماعات کو منتشر کرا دیتا اور قیدیوں کو سائبیریا روانہ کرا دیتا۔ تری پیف جیسے اہل کار جنگلی جانوروں کی طرح ہیں۔ میرا استاد جوش و خروش سے بتاتا۔ ''کسانوں کو لوٹو پھر ان پر کوڑے برساؤ۔ وہ نظریاتی لوگوں کو قید خانوں میں اذیت دیتے ہیں۔''

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

مجھے معلوم تھا کہ میرا استاد سچ بولتا ہے۔ پولپلان میں ہر ایک یہی باتیں کرتا تھا کہ کسانوں کو کوڑے مارے جاتے ہیں۔ اتفاق سے ایک روز میرا ایک نیم برہنہ جان سے آمنا سامنا ہو گیا جس پر خونی کوڑے پڑ رہے تھے۔ مجھ پر گویا دیوانگی کا دورہ پڑ گیا اور کئی دن تک وہ ڈراؤنا منظر مجھ پر آسیب کی طرح چھایا رہا۔ استاد کی باتیں سن کر وہی دہشت زدہ کرنے والا منظر نگاہوں کے آگے پھر گیا۔ خون رستا دھڑ، فلک شگاف چیخیں، فوجی پولیس کے جلادی چہرے، خونی کوڑے ہوا میں شائیں شائیں کر رہے تھے اور نیم برہنہ مرد پر سڑاسڑ برس رہے تھے۔ بچپن سے لاوجودیت کے خلاف جو تھوڑے بہت شکوک میرے دل میں تھے وہ اب بھاپ بن گئے۔ وہ میرے لیے ہیرو اور شہید بن چکے تھے، اب وہ میرے لیے رہنما ستارے بن چکے تھے۔

میں اپنی محویت سے اس وقت چونکی جب برکمین نے پوچھا کہ میں چپ کیوں ہو گئی ہوں۔ میں نے اسے ماضی کی یادوں کے متعلق بتایا۔ تب اس نے اپنے ابتدائی تصورات کے متعلق بتایا خصوصاً لاوجودیت کے حامی اپنے عزیز چچا میکسم کے متعلق بتایا اور اپنے اوپر پڑنے والے پہاڑ جیسے صدمے کے متعلق بتایا جب اسے معلوم ہوا تھا کہ انہیں پھانسی کی سزا ہوئی ہے۔ ''ہم میں بہت کچھ مشترک ہے، کیا ایسا نہیں ہے؟'' اس نے کہا ''ہم دونوں ایک ہی شہر کے رہنے والے ہیں۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ کوں وو نے انقلابی تحریک کو بہت سے فرزند دیے ہیں؟ اور اب شائید ایک بہادر بیٹی'' اور یہ اضافہ کیا، یوں لگا جیسے میں لال ہو گئی ہوں، میری روح فخر سے بھر گئی۔ ''مجھے امید ہے کہ وقت پڑنے پر میں پیچھے نہ ہٹوں گی'' میں نے جواب دیا۔

ٹرام تنگ کوچوں سے گزر رہی تھی۔ مردنی چھائے ہوئے فلیٹ اتنے نزدیک تھے کہ میں ان کے کمروں میں دیکھ سکتی تھی۔ آگ سے بچنے کے لیے ہنگامی زینوں پر میلے تکیے اور کمبل لٹک رہے تھے اور دھلنے والے کپڑوں پر میل کی دھاریاں دکھائی دے رہی تھیں۔ برکمین نے میرے بازو کو چھوا اور اعلان کیا کہ اگلا اسٹیشن بروکلین برج کا ہے۔ ہم اتر پڑے اور ولیم اسٹریٹ کی طرف چل دیے۔

ایک پرانی عمارت کی تاریک اور چرچراتی سیڑھیاں چڑھ کر دوسری منزل پر فرای ہایٹ کا دفتر واقع تھا۔ پہلے کمرے میں بہت سے مرد بیٹھے ہوئے ٹائپ جما رہے تھے۔ اس کے بعد والے کمرے میں ہمیں جو ہان موسٹ ملا جو ایک اونچی سی ڈیسک پر کھڑا لکھ رہا تھا۔ اس نے ہلکے سے مڑ کر ہمیں بیٹھنے کی دعوت دی ''یہ بدبخت اذیت رساں میرا خون نچوڑنے پر تلے ہیں''۔ اس نے چڑچڑے پن سے کہا ''کاپی، کاپی، کاپی! انہیں بس یہی آتا ہے! ان سے کہو کہ ایک سطر لکھ کر دکھائیں..... ان کے بس کا نہیں ہے۔ وہ نہایت احمق اور سست الوجود ہیں''۔ کمپوزنگ کے کمرے میں سے خوشگوار قہقہوں کا ریلا آیا جو موسٹ کے واویلے کا جواب تھا۔ اس کی ترش آواز، ٹیڑھا جبڑا، اس سے پہلی ملاقات میں مجھے بہت گھن آئی تھی۔ میرے ذہن میں اس کی وہ مضحکہ اڑانے والی تصاویر آ گئیں جو میں روچسٹر کے اخبارات میں دیکھ چکی تھی۔ میں اپنے سامنے کھڑے ہوئے ناخوش شخص اور اس ولولہ خیز خطیب میں کوئی مماثلت نہ تلاش کر سکی جس کی مقرری نے گزشتہ شام مجھ پر سحر کر دیا تھا۔

برکمین میری اندرونی خوفزدگی اور الجھن کو بھانپ گیا۔ اس نے روسی میں سرگوشی کی کہ میں موسٹ کا خیال نہ کروں۔ کیونکہ کام کے وقت ہمیشہ اس کا رویہ یوں ہی ہوتا ہے۔ میں کھڑی ہو کر کتابوں کا جائزہ لینے لگی جو خانوں میں فرش سے چھت تک چنی لگی ہوئی تھیں قطار اندر قطار۔ ان میں سے بہ مشکل چند ہی میری پڑھی ہوئی تھیں۔ میں سوچ میں پڑ گئی۔ اسکول میں گزارے ہوئے برسوں میں مجھے بہت کم حاصل ہوا۔ کیا میں اس کی کبھی تلافی کر سکوں گی۔ پڑھنے کے لیے میں کہاں سے وقت نکالوں اور کتابیں خریدنے کے لیے رقم۔ میں سوچ رہی تھی کیا موسٹ اپنی کتابیں مجھے مستعار دے گا۔ کیا مجھ میں اس سے یہ کہنے کی ہمت ہے کہ وہ میرے پڑھنے اور مطالعے کے لیے ایک نصاب طے کر دے۔ یکا یک ایک اور ناگوار شور میرے کانوں میں داخل ہوا۔ ''میرے جسم میں سے ایک پونڈ گوشت حاضر ہے۔ شائے لاکو''! موسٹ گرجا۔ ''اخبار کا پیٹ بھرنے سے بھی زیادہ، برکمین سنو یہ ان جہنمی شیطانوں کو دے آؤ''!

موسٹ میرے پاس آ گیا۔ اپنی گہری نیلی آنکھوں سے مجھ پر پرتجسس نظریں ڈالیں۔ ''خوب، نوجوان خاتون'' وہ بولا۔ ''تمہیں کوئی چیز ملی جسے تم پڑھنا چاہتی ہو؟ کیا تم جرمن اور انگریزی میں نہیں پڑھتیں؟'' اس کے لہجے کی ترشی بدل کر گرم جوشی

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

آ گئی اور ہمدردی بھی۔ ''انگریزی نہیں'' میں نے کہا۔ اس کے لہجے نے جہاں اطمینان بڑھایا وہیں ہمت بھی دی ''جرمن''۔ اس نے جواب دیا میں جو کتاب بھی چاہوں لے سکتی ہوں۔ پھر اس نے سوالات کی بوچھاڑ کر دی..... میں کہاں کی رہنے والی ہوں اور میرا کیا کرنے کا ارادہ ہے۔ میں نے جواب دیا میں روچسٹر سے آئی ہوں ''ہاں'' میں اس شہر کو جانتا ہوں۔ وہاں کی بیر اچھی ہوتی ہے۔ لیکن وہاں جو جرمن رہتے ہیں وہ کیفرن Kaffern کا گروہ ہے۔ تم نیویارک ہی کیوں آئیں؟ اس نے استفسار کیا'' یہ ایک کٹھن شہر ہے۔ کام کا معاوضہ قلیل اور ملنا بھی آسان نہیں۔ تمہارے پاس گزارے کے لیے معقول رقم ہے؟'' اس شخص کے میرے معاملے میں دلچسپی لینے سے میں بہت متاثر ہوئی جبکہ وہ بالکل اجنبی ہے۔ میں نے وضاحت کی کہ نیویارک کی واحد کشش یہ ہے کہ یہ انارکسٹ تحریک کا مرکز ہے اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ میں اس کی روح پرور تحریریں پڑھ چکی ہوں۔ اس کے پاس میں اس لیے آئی ہوں کہ وہ مشورے دے اور مدد کرے۔ میرے پاس اس سے گفتگو کے لیے بہت کچھ ہے۔ ''مگر ابھی نہیں' کسی اور وقت'' میں بولی'' کہیں اور جہاں تمہارے یہ جہنمی شیاطین نہ ہوں''

تم میں حس مزاح ہے'' .....اس کا چہرا دمکنے لگا..... تمہیں اس کی ضرورت پڑے گی اگر تم ہماری تحریک میں داخل ہو گی۔'' اس کے خیال میں مجھے اگلے بدھ کو آنا چاہیئے تا کہ فرای ہایٹ کی تقسیم میں روانی آ جائے۔ پتے لکھنے ہوں گے اور کاغذات کی تہیں بنانی ہوں گی۔۔۔ ''اس کے بعد ہمیں شائید بات چیت کے لیے موقع مل جائے۔'' بغل میں کئی کتابوں اور ایک گرم جوش مصافحے کے بعد موسٹ نے مجھے رخصت کیا۔ برکمین میرے ہمراہ تھا۔

ہم ساشنز چلے گئے۔ صبح میں اینا کی دی ہوئی چائے کے سوا میرے منہ میں کھیل کا دانہ بھی اڑ کر نہ گیا تھا۔ مجھے راستہ دکھانے والا بھی بھوکا تھا مگر اتنا نہیں جتنا گزشتہ شب اس پر بیتی تھی۔ نہ ہی اس نے اضافی پارچے منگائے نہ ہی کافی کے مزید پیالے طلب کیئے۔ یا اب وہ کنگال ہو چکا تھا۔ میں نے کہا میرے پاس کافی پیسے ہیں اور اس سے درخواست کی وہ اور منگا لے۔ اس نے سختی سے انکار کر دیا اور یہ کہا کہ میں کسی ایسے فرد سے کچھ بھی نہیں قبول کر سکتا جو اس نئے شہر میں نو وارد ہو۔ مجھے غصے کے ساتھ ہنسی بھی آئی۔ میں نے وضاحت کی میں اس کی دل آزاری نہیں کرنا چاہتی۔ میرا عقیدہ ہے کہ آپ کو ہمیشہ کامریڈ سے بانٹ لینا چاہیئے۔ اسے اپنے بیڈ ھنگے پن پر تاسف ہوا لیکن اس نے مجھے اطمینان دلایا کہ وہ بھوکا نہیں ہے۔ ہم ریسٹوراں سے روانہ ہو گئے۔

ماہ اگست کی گرمی سے سانس رکنے لگتی۔ برکمین نے سمجھایا کہ ہمیں بیٹری (Battery) چلنا چاہیے تا کہ گرمی دور ہو۔ میں نے امریکہ آنے کے بعد سے آج تک بندرگاہ نہیں دیکھی تھی اس کی خوبصورتی نے مجھے اپنے سحر میں جکڑ لیا بالکل اسی یادگار دن کی طرح جب میں آئی تھی۔ تاہم مجسمہ آزادی اب مونث علامت نہ رہا تھا۔ مجھ میں بچوں جیسی ناسمجھی کتنی تھی۔ میں اس عرصے میں کتنی فہمیدہ ہو چکی تھی!

سہ پہر میں جہاں پر گفتگو ختم ہوئی تھی وہیں سے ہم نے سلسلہ جوڑا۔ میرے رفیق کو اس بات میں شک تھا کہ مجھے لباس سازی کے شعبے میں کام مل سکے گا کیونکہ میری شہر میں متعلقہ حلقے سے شناسائی نہ تھی۔ میں نے جواب دیا میں ایک فیکٹری میں مقدر آزماؤں گی۔ جہاں بھاری بھرکم سوتی کوٹ سیے جاتے ہیں' دستانے بنائے جاتے اور مردوں کے لیے سوٹ تیار کیئے جاتے ہیں۔ اس نے وعدہ کیا کہ وہ اپنے یہودی کامریڈوں سے پوچھے گا جو لوگ سوئی سے روزی کماتے ہیں۔ وہ لوگ یقیناً میرے لیے ملازمت تلاش کر لیں گے۔

شام ڈھلے ہم لوگ جدا ہوئے۔ برکمین نے اپنے متعلق تھوڑا سا ہی بتایا ماسوا اس کے کہ اسے ''جمنازیم'' میگزین سے اس لیے برطرف کر دیا گیا کیونکہ اس نے ایک مذہب مخالف مضمون لکھا تھا اور اس نے ہمیشہ کے لیے وطن بھی چھوڑ دیا تھا۔ وہ ریاست ہائے متحدہ محض اس خیال سے آ گیا تھا کہ یہ آزاد مملکت ہے اور یہاں ہر ایک کو زندگی گزارنے کے یکساں مواقع ہیں۔ مجھے اب معلوم ہوا۔ استحصال بدترین صورت میں تھا۔ اور شکاگو میں انارکسٹوں کی پھانسی کے بعد وہ اس بات کا قائل ہو چکا ہے کہ امریکہ میں اتنا ہی جابرانہ نظام ہے جتنا کہ روس میں۔

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

لنگ کس قدر درست تھا جب اس نے کہا ''اگر تم ہم پر گولے سے حملہ کرو گے تو میں ڈائنامائٹ سے جواب دوں گا۔ اپنے مقتولوں کا ایک دن میں انتقام لوں گا'' اس نے بڑے جوش و خروش سے یہ اضافہ کیا۔ میں بھی! میں نے بھی ہانک لگائی ''ان کی موت نے مجھے حیات بخشی ہے۔ اب یہ ان کی یادوں کے لیے مخصوص ہو چکی ہے..... ان کے مقاصد کے لیے۔ اس نے اتنے زور سے میرا بازو پکڑا کہ وہ دکھنے لگا۔ ''ہم آپس میں کامریڈ ہیں ہمیں دوست بھی بن جانا چاہیے۔۔۔ ہمیں مل جل کر کام کرنا ہے۔ اس کے جوش نے میرے تن بدن میں جھن جھنی دوڑا دی جس وقت میں منکن فلیٹ پہنچنے کے لیے سیڑھیاں چڑھ رہی تھی۔

اگلے جمعہ کو برکمین نے مجھے 54 ویں سڑک پر سولوٹاروف کے ایک یہودی لیکچر میں شرکت کی دعوت دی یہ جگہ آرچرڈ اسٹریٹ کے مشرقی جانب تھی۔ نیو ہیون میں سولوٹاروف نے مجھے بہت متاثر کیا تھا اس جیسے بولنے والے خال خال ہوتے ہیں۔ لیکن اب موسٹ کو سننے کے بعد اس کی تقریر مجھے سپاٹ لگی۔ اس کی آواز کا نامناسب زیر و بم کا مجھ پر ناگوار اثر ہوا۔ اس کے جذبے نے تاہم اس کمی کو بہت کم کر دیا۔ اس نے میرا جس گرم جوشی سے استقبال کیا تھا اس کے لیے میں از حد ممنون تھی جبکہ میں شہر میں پہلی مرتبہ آئی تھی اس کے ساتھ ساتھ اس نے اپنے خطاب پر تنقید کرنے کا بھی موقع دیا۔ اس کے علاوہ سب ہی جوہان موسٹ کی طرح کے مقرر نہیں بن سکتے' میں سوچنے لگی۔ میرے لیے وہ ایک جدا شخصیت تھی۔ پوری دنیا میں سب سے الگ۔

جلسے کے اختتام پر برکمین نے مجھے کئی لوگوں سے ملوایا۔ ''سب اچھے کامریڈوں سے'' اس کے بیان کے مطابق اور یہ ہے میرا یار فیدیا یہ کہہ کر اس نے اپنے بغل میں کھڑے ہوئے شخص کی طرف اشارہ کیا ''یہ بھی ایک انارکسٹ ہے اس میں شک نہیں لیکن اتنا اچھا نہیں جتنا اسے ہونا چاہیے۔''

موصوف غالباً اسی عمر کے تھے جتنی برکمین کی تھی مگر ڈیل ڈول میں کم۔ نہ ہی ان کے اطوار میں جارحیت تھی۔ چہرے مہرے سے قدرے نازک' دہانہ حساس آنکھیں خوابیدہ سی مگر قدرے نکلی ہوئیں۔ یہ نہیں لگتا تھا کہ اسے اپنے دوست کی چھیڑ چھاڑ بری لگ رہی ہے۔ وہ پر لطف انداز میں مسکرایا اور کہنے لگا ہمیں ساشز چلنا چاہیے۔ ''یوں ساشا کو موقع مل جائے کہ وہ مجھے بتائے کہ صحیح انارکسٹ کیسا ہوتا ہے۔''

برکمین نے کیفے تک پہنچنے کا تکلف نہ کیا ''ایک اچھا انارکسٹ'' اس نے بڑے اعتماد سے بیان کرنا شروع کیا ''وہ ہوتا ہے جو اپنے آدرش کے لیے جیتا ہے اور اپنا سب کچھ اس پر نچھاور کر دیتا ہے۔ میرا دوست یہاں پر..... اس نے فیدیا کی جانب اشارہ کیا''..... ''اب بھی اس قدر بوغ ژوا ہے کہ اسے اندازہ نہیں۔ وہ میمنکن سن (ماں کا بگڑا ہوا لاڈلا) جواب بھی ماں باپ سے رقم قبول کرتا ہے۔'' اس نے اپنی وضاحت جاری رکھی۔ یہ ایک انقلابی کے لیے کیوں بے میل ہے کہ وہ اپنے والدین اور رشتہ داروں سے میل جول رکھے۔ اپنے دوست فیدیا کے بے میل شعار کو وہ اس لیے برداشت کر رہا ہے کیونکہ بقول اس کے، اسے جو کچھ گھر سے وصول ہوتا ہے اس کا زیادہ حصہ وہ تحریک کے حوالے کر دیتا ہے۔ میں اگر ہاتھ نہ روکوں تو وہ پوری رقم فضول اشیاء پر خرچ کر ڈالے' بہت خوب' وہ کہے گا۔ کیا ایسا نہیں ہے فیدیا؟ وہ اپنے دوست کی طرف مڑا اور بڑے پیار سے اس کی پیٹھ تھپتھپانے لگا۔

کیفے میں مجمع تھا اور معمول کے مطابق بات چیت اور دھویں سے بھرا ہوا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں میرے دونوں ہمراہیوں کی طلب بڑھ گئی۔ میرا بھی کئی افراد نے خیر مقدم کیا جن سے میں گزشتہ ہفتے ملی تھی۔ آخر کار ہم ایک میز پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ ہم نے کافی اور کیک لانے کو کہا۔ میں نے اندازہ لگا لیا کہ فیدیا مجھ پر ٹکٹکی باندھے ہوئے ہے اور میرے چہرے کا جائزہ لے رہا ہے۔ اپنی بے چینی چھپانے کے لیے میں برکمین کی طرف دیکھنے لگی۔ ''کوئی حسن کو کیوں نہ پسند کرے'' میں نے پوچھا ''مثلاً پھول' موسیقی' تھیٹر۔ دیگر خوبصورت اشیاء۔''

''میں نے کب کہا کہ کوئی یہ نہ کرے'' برکمین نے جواب دیا۔ تب میں بولی کہ یہ غلط ہوگا کہ رقم کو ایسی اشیاء پر ضائع کیا جائے جب تحریک کو اس کی اشد ضرورت ہے۔ یہ بات ایک انارکسٹ کو زیب نہیں دیتی کہ وہ تعیشات میں پڑ جائے جب لوگ افلاس زدہ ہوں۔''

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

''لیکن حسین اشیا کو تعیشات میں شمار نہیں کیا جاسکتا'' میرا اصرار تھا۔''وہ ضرورتیں ہیں۔ان کے بغیر زندگی نا قابل برداشت ہوجائیگی۔'' سچ بات یہ ہے کہ دل ہی دل میں میں محسوس کررہی تھی کہ برکمین صحیح تھا۔انقلابیوں نے اپنی جان تک دے دی۔حسن سے بھی پرہیز کیا جانا چاہیئے۔پھر بھی نوجوان فنکار مجھ سے ایک نادیدہ بندھن قائم کرچکا تھا۔میں بھی حسن پر مرتی ہوں۔کوانیس برگ میں ہماری افلاس کی ماری زندگی اس طرح قابل قبول بنتی تھی جب ہم اپنے استاد کے ہمراہ مرغزاروں میں چلے جاتے۔جنگل' چاندکھیتوں پر دودھیا نقری روشنی پھیلاتا سبز پھول مکٹ ہمارے بالوں میں اور ہم گرے ہوئے پھول چنتے.....ان فضاؤں میں میں اپنے گھر کے ماحول کوفراموش کربیٹھتی۔جب ماں ڈانٹ ڈپٹ کرتیں یامیں اسکول میں کسی دشواری میں پڑجاتی تو بنفشی لیلاک پھولوں کا ایک خوشہ پڑوس کے باغیچے سے لے کر یادکانوں میں لہراتے ریشم ومخمل کے پارچہ جات میرے غم واندوہ کو بھلانے کا باعث بنتے۔یوں دنیا خوبصورت اور روشن لگنے لگتی۔یا موسیقی جو کبھی کبھار کوانیس برگ میں سن پاتی یا بعد میں سینٹ پیترزبرگ میں۔کیا میں ایک اچھی انقلابی بننے کی راہ ترک کردوں میں سوچنے لگی۔کیا یہ میرے بس میں ہے؟

اس شام اپنی اپنی راہ لینے سے پہلے فیدیا نے سرسری انداز سے کہا کہ اس کے دوست نے ذکر کیا تھا کہ میں شہر کے چند مقامات دیکھنا چاہتی ہوں۔اگلے روز وہ فارغ ہےاوروہ بخوشی چند قابل دید مقامات دکھاسکتا ہے۔''کیا تم بھی بے روزگار ہو کہ اتنا وقت نکال لو؟'' میں نے پوچھا''جیسا کہ میرے دوست نے بتایا ہوگا'میں ایک فنکار ہوں'اس نے ہنستے ہوئے جواب دیا''کبھی تم نے فنکاروں کوملازمت کرتے سنا ہے؟ میرے چہرے پرشرم کے مارے سرخی دوڑگئی جب میں نے اعتراف کیا کہ میں کبھی بھی کسی فنکار سے نہیں ملی۔''فنکار پرتخیل لوگ ہوتے ہیں'' میں بولی'' آتے ہیں غیب سے یہ مضامین خیال میں''''بے شک'' برکمین نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔''کیونکہ باقی لوگ ان کا کام کرتے ہیں'اس کے لہجے کی کھچاوٹ مجھے گراں معلوم ہوئی اور میری ہمدردی فنکارلڑکے کے پلڑے میں پڑگئی۔میں نے اس کی طرف دیکھ کر اگلے دن آنے کو کہا۔لیکن کمرے میں جب میں تنہا ہوئی تو اس ''بددماغ نوجوان کا'' غیر مصالحانہ جذبہ تھا جسے میں برکمین کہتی ہوں اور جس کے لیے میرا دل داد وتحسین سے معمور ہوگیا۔

اگلے دن فیدیا مجھے سینٹرل پارک لے گیا۔پانچویں ایونیو سے گزرتے ہوئے کئی حویلیوں کی طرف اشارہ کرتا رہا اور ان کے مالکان کے نام بتاتا چلا گیا۔میں ان دولتمند لوگوں کے متعلق پڑھ چکی تھی ان کی امارت اور شاہ خرچیاں جب کہ عوام الناس مفلسی میں بسر کررہے تھے۔میں نے اس تضاد پر سخت برہمی ظاہر کی کہ کچھ لوگ ان پرشکوہ ایوانوں میں رہتے ہیں اور اکثریت مشرقی جانب کی گھٹیا کھولیوں میں پڑی ہے۔ہاں یہ ایک جرم ہے کہ چند ایک کے پاس سب کچھ ہے اور لاتعداد خالی ہاتھ' فنکار نے کہا''میرے بڑے اعتراضات یہ ہیں'' بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا''کہ یہ لوگ کتنے بدمذاق ہیں..... یہ عمارتیں کتنی بدنما ہیں جن کے متعلق برکمین کے خیالات میرے ذہن میں آگئے۔تم حسن کی ضرورت اور اہمیت پر اپنے یار کے خیالات سے متفق نہیں ہو،ایسا نہیں ہے؟ میں نے پوچھا''بلاشبہ میں نہیں ہوں۔لیکن پھر میرا دوست ایک انقلابی ہے۔اس کے لیے باقی سب کچھ ثانوی حیثیت رکھتا ہے۔کاش میں بھی اس جیسا ہوسکتا،لیکن میں نہیں ہوں'' مجھے اس کی صاف گوئی اور سادگی بھا گئی۔اس نے مجھ میں وہ کیفیت تو نہ پیدا کی جو برکمین کے انقلابی اور اخلاقی ضابطوں کے ذکر میں تھی۔تاہم فیدیا نے مجھ میں ایک نامعلوم سی جوت جگادی جو بچپن میں' میں اس وقت محسوس کرتی تھی جب غروب آفتاب کے وقت پوپلان کے سبزہ زار نا پید ہوتے الاؤ سے سنہری ہونے لگتے۔یہی کیفیت پیتر وشکا کی بانسری سے نکلتی شیریں موسیقی سے پیدا ہوتی۔

اگلے ہفتے میں فرای ہایٹ کے دفتر گئی۔وہاں پہلے ہی سے کئی لوگ موجود تھے۔جو لفافوں پر پتہ لکھنے اور کاغذات کو تہہ کرنے میں مشغول تھے۔سب ہی بول رہے تھے۔جوہان موسٹ اپنی میز پر بیٹھا تھا۔مجھے جگہ دکھا کر کام دے دیا گیا۔میں موسٹ کی اس صلاحیت پر عش عش کرتی رہی کہ وہ اس شوروغوغا میں بھی لکھے جارہا تھا۔میرے دل میں کئی مرتبہ خیال آیا کہ لوگوں سے کہوں کہ اس کے کام میں خلل پڑرہا ہے۔لیکن میں نے ضبط سے کام لیا۔کچھ بھی ہو'انہیں خود بھی احساس ہونا چاہیے کہ ان کی بک بک اس پر گراں گزررہی ہے۔

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

شام کے وقت موسٹ نے لکھنا بند کر دیا اور باتونیوں سے ترش انداز میں کہنے لگا "بوڑھی پوپلی عورتو" "قیں قاں کرتی بطخو" اور جرمن زبان میں ایسے دیگر القابوں سے نوازا جو پہلے میں نے شائید ہی سنے ہوں۔ اس نے اپنا بڑا سا فیلٹ ہیٹ خانے میں سے کھینچ کر نکالا' مجھ سے ساتھ آنے کو کہا اور نکلا چلا گیا۔ میں اس کے پیچھے تھی یوں زینے (ایلی ویٹڈ) تک جا پہنچے "میں تمہیں ٹیرس گارڈن لے چلوں گا" اس نے کہا "اس کے بعد تم چاہو تو تھیٹر چلیں" وہ امشب' دیر سیگو نر بیرن، دکھا رہے ہیں۔ یا پھر ہم کسی کنارے بیٹھ جائیں گے کھائیں گے پیئں گے اور باتیں کریں گے۔ میں نے جواب دیا مجھے عامیانہ اوپیرا سے کوئی خاص دلچسپی نہیں ہے۔ میری نیت تو اس سے بات چیت کرنے کی تھی۔ یا پھر وہ مجھ سے باتیں کرے۔ لیکن اس فسادی لہجے میں نہیں جس میں وہ آفس میں بولتا ہے' میں نے اضافہ کیا۔

خوراک اور شراب کا انتخاب اسی نے کیا۔ ان کے نام میرے لیے اجنبی تھے۔ شراب کی بوتل پر چسپاں کاغذ پر تحریر تھی "لیبفر انلاولے فراومن ملیچ" "عورت کے پستان کا دودھ۔ کیا خوبصورت نام تھا!" میں نے جملہ کسا۔ "شراب کے لیے، جی، اس نے ترکی بہ ترکی جواب دیا" مگر یہ عورت کی محبت کے لیے بنتی ہے۔ ہر چیز شاعرانہ ہونا چاہیئے ورنہ ہر چیز ادنی نثر بن جائے گی۔ جس سے طبیعت بدمزہ ہو جاتی ہے۔"

مجھ میں احساس جرم پیدا ہو گیا۔ جیسے میں نے غلط آغاز کر دیا ہو یا دکھتی رگ کو چھو لیا ہو۔ میں نے اسے صاف صاف بتا دیا کہ میں نے کبھی کوئی شراب نہیں چکھی سوائے اس کے جو میری اماں ہر ایسٹر پر بناتی تھیں۔ موسٹ ہنسی کے مارے بے حال ہو گیا اور میرے آنسو ٹپکنے والے تھے' اس نے میری گھبراہٹ تاڑ لی اور اچانک سنجیدہ بن گیا۔ اس نے دو گلاس بھرے، کہنے لگا "پروزٹ، پیو میری عزیز نوجوان سادہ لوح خاتون" اور اپنا گلاس ایک گھونٹ میں نیچے اتار گیا۔ اس سے پہلے کہ میرا آدھا گلاس ختم ہوتا وہ بوتل ختم کر کے دوسری کے لیے آرڈر دے رہا تھا۔

اس میں تو گویا جان پڑ گئی، بزلہ سنجی کے ساتھ شوخی آ گئی۔ اس میں اس تلخی کا شائبہ بھی نہ رہا جس نفرت اور مزاحمت کے شعلے خطابت کے چبوترے پر اس میں نظر آئے تھے۔ بجائے اس کے میرے سامنے ایک بدلا ہوا انسان بیٹھا تھا جواب روچسٹر کے اخبارات کا بیزار لولو نہ رہا تھا یا اپنے دفتر کا ترش گفتار اہل کار۔ وہ ایک باوقار میزبان بن چکا تھا۔ متوجہ اور ہمدرد دوست۔ اس نے مجھے اپنے متعلق بتانے پر اکسایا اور جب اسے ان عوامل کے متعلق معلوم ہوا جن کی وجہ سے مجھے اپنے ماضی کی زندگی سے ناطہ توڑنے کا فیصلہ کرنا پڑا۔ تو وہ سوچ میں پڑ گیا۔ اس نے مجھے متنبہ کیا کہ اس آگ میں کودنے سے پہلے مجھے اچھی طرح غور و خوض کرنا چاہیے۔ "انارکزم کا راستہ عمودی اور اندوہناک ہے" اس نے کہا "بہت سے لوگ اسے سر کرنے کی کوشش کر چکے ہیں اور پھسل کر نیچے آ گئے۔ قیمت جان لیوا ہے۔ کم ہی لوگ ایسے ہیں جو اسے چکا سکیں۔ خصوصاً عورتوں کے بس کی بات نہیں ہے۔ لویز مائیکل، صوفیا پیروف فسکیا۔ وہ عظیم مثشنیات ہیں۔ کیا میں نے پیرس کمیون اور اس حیرت انگیز انقلابی خاتون کے متعلق کچھ پڑھا ہے؟ مجھے اپنی کم علمی کا اعتراف کرنا پڑا۔ میں نے اس سے پہلے لویز مائیکل کا نام نہیں سنا تھا۔ لیکن مجھے اس عظیم روسی کے متعلق ضرور معلوم تھا۔ "اگر تم ان کی سوانح پڑھو گی...... وہ تمہیں متاثر کریں گے۔" موسٹ نے بتایا۔

میں نے پوچھا کہ امریکہ میں انارکسٹ تحریک میں کوئی غیر معمولی عورت نہیں گزری۔ "بالکل نہیں۔ سوائے چند گھامڑوں کے۔" اس نے جواب دیا۔ "جلسوں میں لڑکیاں اس لیے آتی ہیں کہ کوئی مرد پھانس لیں پھر دونوں اڑن چھو ہو جاتے ہیں۔ ایک سڑی مچھیرے کی طرح جو (لوالی) کے پھسلانے میں آ جاتا ہے۔" اس کی آنکھوں میں پر شوخ چمک تھی اس کے دل میں خواتین کے انقلابی جذبے کے لیے کوئی جگہ نہ تھی۔ لیکن میں جو روس سے آ رہی ہوں شائید مختلف نکلوں وہ اس لیے مدد کرے گا۔ اگر میں واقعی متمنی ہوں تو بہت سا کام کرنے کو مل جائے گا۔ "ہماری صفوں میں بہت سے لوگوں کی ضرورت ہے جو جوان اور آمادہ کار ہوں...... سرگرم لوگ جیسی کہ تم لگتی ہو...... اور مجھے گرم جوش دوستی کی بھی ضرورت ہے۔ یہ اضافہ کرتے ہوئے بہت مخلص لگا۔

"آپ؟" میں نے پوچھا "نیویارک میں تمہارے ہزاروں مداح ہیں۔۔۔ دنیا بھر میں ہیں۔ لوگ تمہیں چاہتے ہیں، تم تو

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

پچتے ہو''ہاں ننھی لڑکی پرستار بہتیرے ہیں لیکن چاہنے والا کوئی نہیں۔آپ ہزاروں کے مجمعے میں بھی نہایت تنہا ہو سکتے ہیں...... کیا تمہیں اس کی خبر ہے؟ جیسے کسی چیز نے میرے کلیجے کو دبوچ لیا۔ میں اس کا ہاتھ تھام کر کہنا چاہتی تھی کہ میں تمہاری دوست بنوں گی۔لیکن یہ کہنے کی جرات مجھ میں نہ ہوئی۔ میں اس شخص کو کیا دے سکتی ہوں...... جو ایک فیکٹری کی کارکن لڑکی ہے، غیر تعلیم یافتہ اور وہ نامور جو ہاں موسٹ ہجوموں کا رہنما، مردجادو زبان اور طاقتور قلم۔

اس نے وعدہ کیا کہ وہ پڑھنے کے قابل کتابوں کی ایک فہرست مجھے دے گا۔ انقلابی شاعروں فری لیگر یتھ، ہروتیج، شلر، ہیں اور بورنے اور یقیناً اپنا لٹریچر بھی۔ پوچھنے کو تھی جب ہم ٹیرس گارڈن سے رخصت ہوئے۔ موسٹ نے ایک سواری بلائی اور ہم لوگ منکن فلیٹ کے لیے روانہ ہوئے۔ دروازے پر اس نے میرے ہاتھ کو آہستگی سے چھوا۔''تمہیں یہ سنہرے ریشمی رومال کہاں سے ملے ہیں؟''اس نے تبصرہ کیا''اور تمہاری نیلی آنکھیں؟''''تم نے بتایا تھا کہ تم یہودی نژاد ہو''خنزیر کی منڈی سے''میں نے جواب دیا۔ اباجی نے مجھے یہی سمجھایا تھا۔ تم حاضر جواب بھی ہو، ماینے کا بنڈ، میری جان۔ اس نے مجھے دروازہ کھولنے کی مہلت دی میرا ہاتھ تھاما، میری آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں اور کہنے لگا''عرصہ دراز کے بعد یہ میری پرمسرت رات تھی۔ اس کے لفظوں نے مجھے فرطِ مسرت سے معمور کر دیا۔ یہ آہستگی میں سیڑھیاں چڑھنے لگی اور گاڑی بھی دور ہوتی جا رہی تھی۔

اگلے روز جب برکمین آیا تو میں نے موسٹ کے ساتھ گزرنے والی پرلطف شام کا ماجرا بیان کیا۔ اس کا چہرہ تاریک ہو گیا۔ ''موسٹ اس بات کا مجاز نہیں ہے کہ وہ رقم اس طرح کے مہنگے ریسٹورانوں میں جا کر اڑائے، مہنگی شرابیں پیئے''وہ بڑی گمبھیر آواز میں کہنے لگا''وہ اس رقم کو خرچ کر رہا ہے جو تحریک کے لیے جمع ہوئی ہے۔ اس کا حساب کتاب ہونا چاہیے میں خود اس سے کہوں گا۔

نہیں نہیں، میں چلائی، یہ بات میرے برداشت سے باہر تھی کہ موسٹ کے لیے میں کسی اہانت کا سبب بنوں۔

برکمین اڑا رہا کہ میں تحریک میں ناتجربہ کار ہوں، یہ بھی کہ مجھے انقلابی ضابطوں کے بارے میں کچھ نہیں معلوم نہ ہی انقلابی صحیح اور غلط کا۔ میں نے اپنی لاعلمی تسلیم کر لی۔ اسے اطمینان دلایا کہ میں سیکھنے کے لیے آمادہ ہوں، سب کچھ کرنے کو تیار ہوں محض اس لیے کہ موسٹ کو پشیمانی نہ ہو۔ وہ مجھے الوداع کہے بغیر رخصت ہو گیا۔

میں بہت پریشان ہوئی۔ موسٹ کا سحر مجھ پر طاری تھا۔ اس کے امتیازی اوصاف اس کی زندگی کے لیے تڑپ اور دوستی کی خواہش نے مجھ پر بہت اثر ڈالا تھا۔ اس کے علاوہ برکمین کی کشش بھی گہری تھی۔ اس کا سرگرم ہونا، ذات کا اعتماد، کڑیل جوانی...... اس کی ہر خوبی نے مجھے ناقابلِ مزاحمت قوت سے کھینچا۔ مگر مجھے یہ بھی احساس تھا کہ ان دونوں میں سے موسٹ زیادہ دنیادار ہے۔

جب فیدیا مجھ سے ملنے آیا تو کہنے لگا کہ میں برکمین سے تمہاری سرگزشت پہلے ہی سن چکا ہوں۔ اس کے بقول اسے کوئی حیرانی نہیں ہوئی کیونکہ اسے معلوم ہے کہ اس کا دوست کس قدر غیر مصالحانہ مزاج کا آدمی ہے اور کس انتہا تک وہ جا سکتا ہے لیکن اپنی ذات کے لیے تو وہ سنگدلی پر اتر سکتا ہے۔''اس سب کا سرچشمہ لوگوں کے لیے اس کی فنافی لاانسان محبت ہے''فیدیا نے بات بڑھاتے ہوئے کہا''ایسی محبت جو اسے کارناموں کی رفعت دلائے گی۔''

پورے ہفتے برکمین نہ ملنے آیا۔ جب وہ نمودار ہوا تو اس لیے کہ وہ مجھے پروسپیکٹ پارک کی سیر کرانے کی دعوت دینا چاہتا تھا۔ وہ اسے سنٹرل پارک کے مقابلے میں زیادہ پسند کرتا تھا۔ اس کے بقول اس کی محدود چمن آرائی کی گئی تھی اور زیادہ فطری تھا۔ وہ خوب پیدل چلا۔ بے سنوارے حسن کی تعریف کئے جاتا۔ اور آخر میں ایک خوبصورت جگہ منتخب کی جہاں ہم نے بیٹھ کر کھانا کھایا جو میں گھر سے ساتھ لائی تھی۔

میں نے روچسٹر اور سینت پیترزبرگ میں گزری زندگی کے متعلق بتایا۔ میں نے اسے جیکب کرشنر سے ہونے والی اپنی شادی کے متعلق بتایا جو ناکام ہو گئی۔ وہ یہ جاننا چاہتا تھا کہ میں نے شادی کے متعلق کون سی کتابیں پڑھی تھیں کیا ان کا ہی اثر تھا جس نے مجھے شوہر سے جدائی کا فیصلہ کرنے میں مدد دی۔ ایسی کتب میری نظر سے کبھی نہ گزری تھیں لیکن اپنے ہی گھر کے اندر میں شادی کے بندھن کے ہولناک تماشے دیکھ چکی تھی، والد کا ماں سے برا برتاؤ، ہر وقت کی تو تو میں میں اور برے مناظر جن کا انجام

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

میری ماں کی غشی کے دورے ہوتے۔اپنے چچا اور چچیوں کی شادی شدہ زندگی بھی میں دیکھ چکی تھی جن میں توہین آمیز گھٹیا پن ہوتا۔اس کے علاوہ روچسٹر میں ہمارے واقف کاروں میں جو ہوتا تھا۔میری ذاتی عائلی زندگی نے بھی مجھے اس بات پر قائل کر دیا تھا کہ لوگوں کو پوری زندگی کے لیے باندھ دینا غلط ہے۔ایک ہی گھر میں مستقبل قربت، ایک ہی کمرے اور ایک ہی بستر پر استراحت نے مجھے باغی بنا دیا۔آئندہ اگر کسی مرد سے محبت کروں گی تو میں خود کو رہی اور قانون کی بندش کے بغیر اسے سپرد کروں گی۔''میں نے یہ اعلان بھی کر دیا ہے''جوں ہی وہ محبت ختم ہو جائے گی، میں بلا اجازت چھوڑ کر چلی جاؤں گی۔''

میرے رفیق نے کہا مجھے خوشی ہو رہی ہے کہ تم ان خطوط پر سوچتی ہو۔تمام سچے انقلابی شادی کو مسترد کر کے آزادانہ جی رہے ہیں۔اسی نے محبت کو مستحکم کیا ہے اور باہمی مقاصد کی تکمیل میں مدد کی ہے، اس نے مجھے صوفیا پیروفسکیا اور زہیلیا بوف کا واقعہ سنایا۔وہ ایک دوسرے کو چاہنے والے تھے، ایک ہی گروپ میں کام کرتے تھے، الیگزینڈر دوم کے قتل کرنے کے منصوبے کی تفصیلات انہوں نے مل کر طے کیں۔بم پھٹتے ہی پیروفسکیا کا فور ہو گئی۔وہ ان دنوں روپوش تھی۔اس کے لیے فرار ہونا آسان تھا۔یہاں تک کے اس کے کامریڈوں نے اس کیلیے منتیں کیں۔لیکن اس نے انکار کر دیا۔اس کا اصرار تھا کہ عواقب میں اس کا حصہ بھی ہونا چاہیے۔یوں خمیازہ بھگتنے کے لیے کامریڈوں کے ساتھ اس کا بھی حصہ ہونا چاہیے اور زہیلیا بوف کے ساتھ ہی مرے گی۔بے شک یہاں پر وہ اس لیے غلط تھی کیونکہ وہ ذاتی جذبات کا شکار ہو گئی۔برکمین نے یہ تبصرہ کیا۔''آدرش کی لگن کو اس سے کہنا چاہیئے تھا کہ وہ دیگر سرگرمیوں میں حصہ لینے کے لیے جیئے۔''میں دوبارہ اس سے اختلاف کر رہی تھی۔میرے نزدیک یہ کوئی غلط بات نہ تھی کہ کسی کارروائی میں کوئی اپنے محبوب کے ساتھ ہی نہ جان دے..... یہ بہت خوبصورت بات تھی، یہ خیال ہی پر جلال ہے۔وہ تڑ سے بولا کہ تم ایک انقلابی ہوتے ہوئے ایک جذباتی اور تخیلی شخصیت ہو۔ہمارے سامنے ایک کٹھن کام ہے اس لیے ہمیں بھی آہن صفت بننا پڑے گا۔

میں سوچ میں پڑ گئی کہ یہ لڑکا کیا اتنا ہی سخت دل ہے یا محض اپنے ملائم جذبات کی پردہ پوشی کر رہا ہے جن کو میں اپنی چھٹی حس کے ذریعے بھانپ چکی تھی، میرا اس پر دل آ گیا اور جی چاہا کہ اس کے گرد اپنے بازو حمائل کر دوں مگر میں بہت شرمیلی تھی۔

دن کا خاتمہ دہکتے ہوئے سورج سے ہوا۔میرا دل خوشی سے معمور تھا۔گھر والا راستہ میں نے جرمن اور روسی گانے گاتے طے کیا۔(وی یوت، وتری، وی یوت بوی نی) ہوا چل رہی ہے اور تیز چل رہی ہے۔یہ میرا محبوب گانا ہے ایما (دوا گایا) ڈیر، وہ کہنے لگا''کیا میں تمہیں اس طرح مخاطب کروں، کیوں نہیں؟ اور کیا تم مجھے شاسانہ کہو گی؟ ہم وارفتگی میں بغل گیر ہوئے اور ہمارے ہونٹ بھی پیوست ہو گئے۔

میں نے اسی زنانے زیر جامے بنانے والی فیکٹری میں ملازمت شروع کر دی جہاں ہیلین منکن بھی ملازم تھی۔لیکن چند ہی ہفتوں کے اندر کشیدگی ناقابل برداشت ہو گئی۔میرے لیے دن گزارنا دوبھر ہو جاتا۔اکثر میرا سر درد سے پھٹنے لگتا۔ایک روز شام کے وقت میری ایک لڑکی سے ملاقات ہوئی جس نے ذکر کیا کہ ایک ریشمی شلو کے بنانے کی فیکٹری ہے وہ کام ایسا دیتی ہے جسے آپ گھر پر کر سکتی ہیں۔وہ میرے لیے کوئی سبیل نکالے گی، اس نے وعدہ بھی کیا۔مجھے اندازہ تھا کہ منکن فلیٹ میں مشین سے سلائی ناممکن تھی، اس کے شور سے سب ہی بے چین ہونگے۔اس کے علاوہ لڑکیوں کے ابا میرے اعصاب پر سوار رہیں گے۔وہ ایک ناگوار شخصیت ہیں۔جو کام نہیں کرتے اور بیٹیوں کی کمائی پر گزارہ کرتے ہیں۔ان کی ہوس ناک نظروں سے لگتا تھا جیسے انا انہیں بہت مرغوب ہے۔آنکھوں سے وہ اسے نگلے جاتے۔اس سے زیادہ حیران کن بات ہیلین کی ذات سے ان کی سخت ناپسندیدگی تھی۔جس کا شاخسانہ ہر وقت کی جھک جھک تھی، آخر کار میں نے جگہ چھوڑ دی۔

سفوّلک اسٹریٹ پر ایک کمرہ مل گیا۔جو ساشز کیفے سے دور نہیں تھا، یہ چھوٹا سا اور نیم تاریک تھا مگر کرایہ صرف تین ڈالر ماہانہ تھا۔میں نے لے لیا۔یہیں پر میں نے ریشمی واسکٹ بنانے کا کام شروع کر دیا۔کبھی کبھی میں شناسا لڑکیوں کے لیے ڈریس بناتی اور ان کے دوستوں کے لیے بھی۔کام الست کرنے والا تھا لیکن اس نے مجھے فیکٹری اور اس کے سخت تکلیف دہ نظم وضبط سے

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

نجات دلا دی۔ گھر پر سینے پرونے سے جو میری آمدنی ہوتی وہ ہاتھ میں روانی کے آتے ہی فیکٹری سے کسی حالت میں کم نہ تھی۔

موسٹ لیکچر والے دورے پر جا چکا تھا۔ کبھی کبھی وہ مجھے چند سطروں کا خط لکھتا جو مزاحیہ ہوتے اور جن لوگوں سے اس کی ملاقات ہوتی ان پر طنزیہ تبصرے۔ ان اخباری نمایندوں کا ذکر ہوتا جو مٹانے کی غرض سے اسے علانیہ مجرم ٹھہراتے اس کا انٹرویو لے کر اس کے خلاف رسوا کرنے والے مضامین چھاپتے۔ کبھی کبھار خط کے ساتھ وہ لولو تصاویر بھی بھیجتا جن کے حاشیوں پر اس کے مختصر تبصرے ہوتے۔ ''بیوی کے قاتل کو غور سے دیکھو'' یا ''یہی شخص ہے جو چھوٹے بچوں کو کھا جاتا ہے''۔

یہ لولو تصاویر میری دیکھی ہوئی تصاویر کے مقابلے میں کہیں زیادہ ظالم اور سنگدلی سے بھری ہوئی تھیں۔ شکاگو کے واقعات کے زمانے میں روچسٹر کے اخبارات کے خلاف میرے دل میں جو بیزاری پیدا ہو گئی تھی وہ اب امریکہ کی پوری صحافت کے خلاف نفرت میں ڈھل چکی تھی۔ ایک شیطانی خیال میرے ذہن میں آیا جسے میں نے ساشا کے کان میں ڈال دیا۔ تمہارا کیا خیال ہے ان سڑے ہوئے اخبارات کے کسی دفتر کو بم سے نہ اڑا دیا جائے۔ مدیران، رپورٹرز اور سب۔ یہ صحافت کے لیے ایک سبق ہو گا۔

ساشا نے نفی میں سر ہلایا اور کہا کہ یہ بے سود ہو گا۔ صحافت تو سرمایہ داری کے بھاڑے کا ٹٹو ہے ہمیں تو جڑ پر وار کرنا چاہیئے۔

جب موسٹ اپنے دورے پر سے لوٹا تو ہم سب روداد سننے کے لیے گئے۔ موضوع پر اس کی گرفت کہیں زیادہ تھی، ظرافت بڑھی ہوئی تھی اور گزشتہ دوروں کے مقابلے میں رائج نظام کے خلاف نافرمانی میں اضافہ ہو چکا تھا۔ اس نے جیسے مجھ پر عمل تنویم کر دیا۔ اس کے لیکچر کے خاتمے پر مجھ سے نہ رہا گیا اور یہ کہنے کے لیے اوپر چڑھ گئی کہ اس کا بیان کس قدر شاندار تھا۔ ''کیا تم میرے ساتھ دوشنبے کے دن میٹروپولیٹن اوپیرا ہاوس میں کارمن (اوپیرا) کو سننے کے لیے چلوگی؟'' اس نے سرگوشی کی۔ پھر کہا کہ دوشنبہ میرے لیے نہایت مصروف دن ہوتا ہے کیونکہ اپنے شیطانوں کو مسودہ دینا پڑتا ہے۔ مگر یہ کام وہ اتوار ہی کو نمٹانے کو تیار ہے اگر میں آنے کا وعدہ کروں۔ ''دنیا کے آخری سرے تک'' میں نے اضطراری انداز میں کہا۔

ہمیں معلوم ہوا کہ تمام نشستیں فروخت کی جا چکی ہیں۔ کوئی بھی نشست کسی بھی قیمت پر نہیں مل سکتی۔ ہمیں کھڑے ہونے کی جگہ ملی۔ مجھے معلوم تھا کہ تکلیف اٹھانا میرے نصیب میں لکھا ہے۔ بچپن ہی سے میرے بائیں پاؤں کی چھنگلیا میں کوئی خرابی تھی۔ نیا جوتا مجھے ہفتوں ستاتا۔ اور آج میں نئے جوتے پہنے ہوئے تھی۔ مگر میں مارے شرم کے یہ بات موسٹ کو نہیں بتا سکتی تھی۔ اس خدشے سے کہ کہیں وہ مجھے واہیات نہ سمجھ بیٹھے۔ میں اس سے لگ کر کھڑی ہو گئی۔ ہجوم میں پھنسی ہوئی۔ میرا پنجہ اس طرح سے جل رہا تھا جیسے آگ پر رکھا ہو۔ مگر موسیقی کی پہلی تان اور پرشکوہ ترنم میں تکلیف کا احساس جاتا رہا۔ پہلے ایکٹ کے بعد روشنی جلائی گئی میں نے اپنی پیاری جان کو بچانے کے لیے خود کو موسٹ سے لپٹا ہوا پایا۔ چہرہ درد سے مسخ ہو چکا تھا، ''معاملہ کیا ہے؟'' ''مجھے اپنا جوتا اتار دینا چاہیئے'' میں ہانپ رہی تھی۔ ''نہیں تو میں چلانے لگوں گی۔'' اس کا سہارا لے کر میں جھکی اور بٹن کھولنے لگی۔ اوپیرا کا باقی حصہ میں نے موسٹ کا بازو پکڑ کر سنا دوسرے ہاتھ میں جوتے تھے۔ میں نہیں کہہ سکتی کہ میرے وجد میں آنے کا سبب کارمن کی موسیقی تھی یا جوتوں سے نجات۔

ہم اوپیرا ہاوس سے بانہوں میں بانہیں ڈال کر چلے، میں لنگڑا رہی تھی۔ ہم ایک کیفے میں گئے۔ وہ اس پر بلکہ خوش تھا اور موسٹ میری نسوانی تمکنت کا مذاق اڑانے لگا۔ کہنے لگا تمہیں اپنی نسوانیت پر اتنا ناز ہے اگرچہ یہ حماقت ہے لیکن پھر بھی تم تنگ جوتے پہنے رہیں۔ وہ بے حد مسرور تھا۔ وہ جاننا چاہتا تھا کہ میں نے کبھی اوپیرا سنا ہے اور اس کے متعلق پوچھے جاتا۔

دس برس کی عمر تک مجھے کوئی موسیقی سننے کا موقع نہیں ملا۔ سوا پیتروشکا کی پرسوز بانسری کے جو ابّا کے اصطبل کا چھوکرا تھا، یہودیوں کی شادی کی تقریبات میں وایلن کی ریں ریں اور سبق کے دوران میں پیانو کی آوازوں سے مجھے ہمیشہ نفرت رہی۔ جب میں نے کوانیس برگ میں تراوتورا وپیرا سنا تب پہلی مرتبہ مجھے احساس ہوا کہ موسیقی مجھ میں کتنی بے خودی پیدا کر سکتی ہے۔ ہو سکتا ہے اس کی بڑی وجہ میری استاد ہو جس نے مجھے اس کوندنے والے تجربے سے روشناس کرایا۔ جس نے میرے رگ وپے میں اپنے پسندیدہ مصنفین کے رومانس کو بھر دیا اور تروبدور اور لیانور کے غمگین الم کے لیے میرے تخیل کو مہمیز دی ہو۔ اماں سے

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

استانی کے ساتھ تمثیل میں شرکت کی اجازت ملنے سے پہلے جو چند روز گومگو میں گزرے وہ کسی آزار سے کم نہ تھے جنھوں نے میری بیتاب آرزو کے تناؤ کو مزید بدتر بنادیا۔ ہم اوپیرا کے شروع ہونے سے ٹھیک ایک گھنٹہ پہلے پہنچ گئے۔ اس اندیشے سے کہ کہیں دیر نہ ہوجائے مجھے ٹھنڈا پسینہ آرہا تھا۔ استانی جن کی صحت کبھی اچھی نہ رہی میری مضبوط ٹانگوں اور مقررہ جگہ پہنچنے کی میری دیوانگی کو چھوتی خواہش کی عجلت کی گرد کو نہ پاسکیں۔ میں سب سے اوپر والی گیلری کی طرف اڑتی ہوئی گئی۔ ایک جست میں تین سیڑھیاں پھلانگتی۔ ہال ابھی خالی تھا اور آدھی روشنیاں جل رہی تھیں۔ اس آغاز سے مجھے کچھ مایوسی ہوئی۔ یوں لگا جیسے جادو کے زور سے ہر چیز عجلت سے بدلنے لگی۔ جگہ بہت جلد لاتعداد تماشایوں سے بھر گئی۔ عورتیں ریشم اور مخمل کے زرق برق لباسوں میں ٹوٹی پڑ رہی تھیں۔ ان کی کھلی گردنوں اور بازووں پر زیورات جھلملا رہے تھے۔ شفاف فانوسوں کی چکا چوند کرنے والی روشنی تمام رنگوں کو نمایاں کررہی تھی جن میں سبز، زرد اور نیلم رنگ شامل تھے۔ یہ پریوں کا ایسا شاندار دیس تھا جس کی ان کتابوں میں جو میں نے پڑھی تھیں ایسی تصویر کشی نہ کی گئی تھی۔ میں استانی کی موجودگی کو فراموش کر بیٹھی، اپنے ادنیٰ گھر کے اطراف کے برے ماحول کو جس کا آدھا حصہ ریل کی پٹری پر ٹکا تھا اسے بھی بھول گئی۔ میں نیچے کی طرف نظر آنے والی جادو کی دنیا میں محو ہوچکی تھی۔ آرکسٹرا نے مدہوش کرنے والی دھن چھیڑی جو تاریک حصے سے پراسرار انداز سے اٹھ رہی تھی۔ اس نے میری پشت میں سنسنی دوڑا دی اور اس کی ابلتی ہوئی آوازوں نے دم بخود کردیا۔ لیونورا اور تروبادور نے میرے محبت سے متعلق تخیل کو حقیقت میں بدل ڈالا۔ میرے شب و روز یوں گزرنے لگے کہ جس میں ان کے جذبہ شوق کا ہیجان اور سرور بھی شامل ہوگیا۔ ان کا المیہ میرا بھی تھا۔ ان کی خوشی اور درد کو میں اپنا محسوس کرنے لگی۔ تروبدور اور اس کی ماں والے منظر میں جب وہ دردناک گیت چھیڑتی ہے ''آ اش فر گیپے اُن شراپیے ہیر'' (آہ ہم آکر تعلیم حاصل کرتے ہیں) تروبدور کہتی ہے اس کے جواب میں ''اوتورے متّی'' نے مجھے گہرے غم سے لبریز کردیا اور ان ترستی سسکیوں سے میرے دل مین اختلاج ہونے لگا۔ یہ سحر لوگوں کی زوردار تالیوں اور روشنیوں کے دوبارہ جلنے سے ٹوٹا۔ میں بھی جوش و خروش سے تالیاں پیٹ رہی تھی۔ اپنی کرسی پر کھڑی جنون کے عالم میں لیانورا اور تروبدور کو گلا پھاڑ کر پکار رہی تھی جو میرے پرستان کے ہیرو اور ہیروین تھے۔ ''واپس چلو، واپس چلو'' مجھے استانی کی آواز آتی سنائی دی وہ میرے اسکرٹ کو پکڑ کر کھینچ رہی تھیں۔ میں ان کے پیچھے حالت خواب میں چل رہی تھی۔ میرے جسم کے اندر ہیجانی سسکیوں سے تہلکہ برپا تھا، موسیقی میرے کانوں میں بج رہی تھی۔ میں نے کوانیس برگ میں اور اوپیرا بھی سنے اور بعد میں سینٹ پیٹرز برگ میں بھی۔ مگر تروبدور کا اثر بہت دنوں رہا یہ میری نوجوانی میں موسیقی کا سب سے شاندار تجربہ تھا۔

میں جب یہ قصہ موسٹ کو سنا چکی تو میں کیا دیکھتی ہوں کہ اس کی نظریں کہیں دور خلا میں گھور رہی ہیں۔ یوں لگا جیسے وہ کوئی خواب دیکھ کر اٹھا ہو۔ اس نے ایسا کبھی نہ سنا تھا، وہ آہستہ سے بولا جس میں ایک بچے کی کہانی اتنے ناٹکی انداز میں بیان کی گئی ہو۔ اس نے کہا تم میں بہت صلاحیتیں ہیں اور مجھے جلد ہی لوگوں کے اجتماع میں نغمہ سرائی اور تقریریں شروع کردینا چاہیے۔ وہ مجھے ایک نام ور مقرر بنادے گا...... ''جو میری جگہ لے گی جب میں دنیا سے رخصت ہوچکا ہوں گا۔''

میں سمجھی وہ مجھ سے مذاق کررہا ہے یا چاپلوسی کررہا ہے۔ یہ اس کے خواب و خیال میں بھی نہیں آسکتا تھا کہ میں کبھی اس کی جگہ لے سکوں گی یا اس کی طرح آتش فشانی کرسکوں گی۔ یا اس کی سحر انگیز قوت مجھ میں پیدا ہوجائے گی۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ اس طرح وہ مجھے بانس پر چڑھائے...... میں چاہتی تھی کہ وہ ایک مخلص کامریڈ کی طرح پیش آئے، صاف گو اور دیانت دار، اہل جرمن کے فضول اوصاف و ستائش کے بغیر۔ موسٹ نے دانت نکال دیے اور یہ کہ کر اپنا گلاس خالی کردیا ''تمہاری پہلی عوامی تقریر کے لیے''۔

اس کے بعد ہم لوگ اکثر گھومنے جاتے۔ اس نے میرے سامنے ایک نئی دنیا رکھ دی، موسیقی، کتابوں اور تھیٹر سے متعارف کرایا۔ لیکن اس کی اپنی ہمہ جہت شخصیت میرے لیے کہیں زیادہ اہم تھی۔ اس کی بیکراں روح میں ہونے والا مدوجزر اس کی سرمایہ داری سے نفرت، نئے سماج کا اس کا خواب جس میں سب کے لیے حسن اور مسرت ہو۔ ''موسٹ آج سے میرا داس بن گیا اور میں اس کی داسی۔''

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

باب ۴

نومبر کی گیارہویں تاریخ نزدیک تھی جو شکاگو کے شہیدوں کی برسی کا دن تھا۔ ساشا اور میں اس مخصوص واقعہ کے لیے جو ہمارے لیے اتنا اہم تھا اس کے لیے تیاریوں میں مصروف تھے۔ کوپر یونین ہال اس تقریب کے لیے کرایہ پر حاصل کیا جا چکا تھا۔ یہ جلسہ انارکسٹوں اور سوشلسٹ دونوں مل کر کر رہے تھے انہیں ایڈاونسڈ لیبر تنظیم کا تعاون بھی حاصل تھا۔

کئی ہفتوں تک ہم شام کے اوقات میں ٹریڈ یونین کے دفاتر میں جا کر ان کی انجمنوں کو شرکت کی دعوت دیتے رہے۔ ان مواقع پر حاضرین کی جانب سے مختصر گفتگو شامل ہوتی۔ جو میں کرتی، میں ہمیشہ لرزاں و ترساں جاتی۔ گزشتہ مرتبہ یہودی اور جرمن لیکچرز کے دوران میں سوال پوچھنے کی ہمت کی مگر ہر مرتبہ یہی تجربہ ہوا جیسے ڈوبتے وقت ہوتا ہے۔ جب میں مقررین کو سن رہی ہوتی سوالات بہ آسانی ذہن میں تشکیل پانے لگتے لیکن جوں ہی میں پیروں پر کھڑی ہوتی، دل دھڑ دھڑ کرنے لگتا اور گھٹنے جواب دینے لگتے..... ہال کی ہر شے دھندلانے لگتی۔ تب مجھے اپنی آواز کہیں دور بہت دور سے آتی ہوئی سنائی دیتی اور آخر کار میں اپنی نشست میں دھنس جاتی اور ٹھنڈے پسینے چھوٹنے لگتے۔

مجھ سے پہلی مرتبہ جب مختصر تقریر کرنے کو پوچھا گیا تو میں نے انکار کر دیا۔ مجھے یقین تھا کہ یہ میرے بس سے باہر ہے۔ مگر موسٹ میرے انکار کو قبول نہ کرتا۔ اور دیگر کامریڈ اس کی ہاں میں ہاں ملاتے۔ آدرش کے لیے، مجھ سے اصرار کیا گیا، ہر ایک کو ہر فن مولا ہونا چاہیے۔ اور میں نصب العین کی خدمت کرنے کے لیے نہایت بے تاب تھی۔

اپنی تقاریر مجھے بے ربط لگتی تھیں، تکرار سے لبریز، یقین سے عاری اور ڈوبتی آواز کا تاریک احساس مجھ پر طاری رہتا۔ میں چاہتی تھی میرے تمام واقف میری اندرونی ہلچل کو جان جائیں۔ لیکن بظاہر کوئی نہ سمجھ پایا۔ میرے سکوت اور ضبط نفس کا اندازہ ساشا تک نہ لگا سکا جو اس کے تبصرے سے لگتا تھا۔ میرے سمجھ میں یہ نہ آتا کہ یہ میری نوشقی کی وجہ سے ہے، میری نوجوانی کے طفیل یا شہدا کے لیے میرے شدید جذبات کا نتیجہ ہے۔ لیکن میں ایک مرتبہ بھی ان کارکنوں کو متاثر کرنے میں ناکام نہ رہی جنہیں مدعو کرنے کے واسطے مجھے بھیجا جاتا تھا۔

ہمارا اپنا چھوٹا سا طائفہ جوانا، ہیلینا، فیدیا، ساشا اور مجھ پر مشتمل تھا۔ سب نے مل کر چندہ کیا۔ ایک بڑا سا سدا بہار کا مکٹ خریدا جس میں سرخ و سیاہ ساٹن کی چوڑی ربن بندھی ہوئی تھی۔ ہماری نیت تو آٹھ مکٹ خریدنے کی تھی لیکن ہم بہت غریب نکلے۔ وجہ یہ تھی کہ صرف میں اور ساشا برسر روزگار تھے۔ آخر میں ہم نے لنگ (Lingg) کے حق میں فیصلہ کیا۔ ہماری نظروں میں ہم آٹھوں میں وہ سب سے زیادہ پرشکوہ سورما تھا۔ اس کی نہ دبنے کی صفت۔ اس کا موردان الزام اور منصفین کو انتہائی حقارت سے دیکھنا، اس کا عزم جس کی وجہ سے اس کے دشمنوں کے ہاتھ سے شکار کا نکل کر اس کے ہاتھوں ہلاکت..... اس بائیس سالہ لڑکے کی ہر بات تخیل انگیز تھی اور ذاتی وجاہت بھی وہ ہمارے لیے مشعل راہ بن گیا۔

بالآخر طویل انتظار کے بعد وہ شام آ گئی..... جو شہدا کی یاد میں میرا پہلا عوامی جلسہ تھا۔ چونکہ میں روچسٹر کے اخبارات میں والڈہیم کی جانب اثر انگیز جنازے کے جلوس کا حال پڑھ چکی تھی..... جس میں کارکنوں کی پانچ میل طویل صفیں تھیں جو اپنے عظیم متوفین کے پیچھے پیچھے ان کی آخری آرام گاہوں تک گئے۔ اور وہ بڑے بڑے جلسے جو ساری دنیا میں ہوئے۔ میں اس موقع پر موجود رہنے کے لیے منتظر تھی۔ اب وہ گھڑی آخر کار آن پہنچی۔ میں ساشا کے ہمراہ کوپر یونین کے لیے روانہ ہو گئی۔

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

ہمیں وہ تاریخی ہال کھچا کھچ بھرا ہوا ملا اور ہم اپنے ٹکٹ سر سے اوپر اٹھائے کسی نہ کسی طرح مجمع میں سے نکل گئے۔ چبوترہ بھی پر ہجوم تھا۔ میں اس وقت تک پریشان رہی جب تک میں نے موسٹ کو ایک مرد اور ایک عورت کے ساتھ کھڑے نہ دیکھ لیا۔ اسے دیکھ کر میری جان میں جان آئی۔ اس کے دونوں رفیق چہرے مہرے سے ممتاز لوگ لگتے تھے۔ مرد کے چہرے سے دوستی کی شعائیں نکلتی لگتی تھیں مگر عورت جو چست سیاہ مخملی دبالہ لباس میں ملبوس تھی۔ اس کا پیلا چہرہ تانبے کے رنگ کے بالوں میں سجا ہوا تھا، لاتعلق اور سرد مزاج لگتی تھی۔ بہ ظاہر لگتا تھا کہ وہ کسی اور دنیا کی مخلوق ہے۔

ساشا نے جلدی سے کہا ''موسٹ کے قریب سرجی شیوٹس ہے جو مشہور روسی انقلابی ہے ان دنوں سوشلسٹ روزنامہ ''دی فاکس زائے تنگ'' کا مدیر اعلیٰ ہے۔ عورت اس کی بیوی ہے، سابقہ ہیلین وون ڈونجر'' ''وہ والی نہیں جسے فرڈی ننڈ لاسال چاہتا تھا..... یہ وہ ہے جس کے لیے اس نے اپنی زندگی گنوادی؟'' میں نے پوچھا ''ہاں، وہی۔ اس کے اطوار اب بھی طبقہ اشرافیہ والے ہیں۔ وہ ہمارے طبقے کی نہیں ہے۔ مگر شیوٹس شاندار ہے''۔

موسٹ نے مجھے کولا سال کی تحریریں پڑھنے کو دی تھیں۔ انہوں نے اپنے گہرے جذبات کی وجہ سے مجھے متاثر کیا تھا۔ میں اس کی ہمہ جہت سرگرمیوں کے متعلق بھی پڑھ چکی تھی جو اس نے جرمنی میں انیسویں صدی کے وسط میں مزدوروں کی ابھرتی تحریک کے لیے کیا تھا۔ اس کی رومان پسند زندگی اور ناوقت موت جو ایک افسر کے ہاتھوں ہیلین وان ڈونجر کے حصول کے لیے ایک مبارزت میں ہوئی۔ اس نے میرے دل پر بہت اثر کیا تھا۔

اس عورت کی درشتی اور نخوت کو دیکھ کر میری طبیعت مالش کرنے لگی۔ اس کا فرشی لباس اور کمانی دار عینک جس سے وہ ایک ایک کو آنکتی تھی اور میں غصے سے بھر گئی۔ میں شیوٹس کی طرف مڑی۔ مجھے اس کا تکلف سے عاری چہرہ اور اطوار کی سادگی بھا گئی۔ میں نے اسے بتایا کہ میں ایک ٹکٹ کو لنگز کی تصویر پر ٹانگنا چاہتی ہوں مگر یہ اتنی اونچائی پر ٹنگی ہے کہ مجھے اس تک پہنچنے کے لیے ایک سیڑھی لانا پڑے گی۔ ''میں تمہیں اوپر اٹھادوں گا میری پیاری سی کامریڈ اور اس وقت تک اٹھائے رکھوں گا جب تک تم ہار نہ ڈال لوگی۔'' یہ اس نے نہایت بے تکلفی سے کہا۔ اس نے مجھے اس طرح گود میں اٹھایا جیسے میں کوئی بچی تھی۔

میں بڑی پشیمان ہوئی لیکن ٹکٹ ٹانگ کر چھوڑا۔ شیوٹس نے مجھے فرش پر اتار کر پوچھا کہ باقی شہدا کو چھوڑ کر میں نے لنگ ہی کا انتخاب کیوں کیا۔ میں نے جواب دیا اس نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا۔ اس نے اپنے مضبوط ہاتھ سے میری ٹھوڑی نرمی سے اٹھائی۔ شیوٹس نے کہا ''ہاں وہ ہمارے روسی سورماؤں جیسا تھا۔'' یہ بات اس نے گمبھیر آواز میں کہی۔

جلد ہی جلسہ شروع ہو گیا۔ شیوٹس اور الکزینڈر جوناز جو اس کا فاکس زائے تنگ میں معاون مدیر تھا اور کئی دیگر مقررین نے کئی زبانوں میں وہی کہانی دہرائی جو میں جوہانہ گری سے سن چکی تھی۔ چونکہ میں نے اسے کئی مرتبہ پڑھا تھا اس لیے اس کی تمام تفصیلات حفظ ہو چکی تھیں۔

شیوٹس اور جوناز اثر آفرین مقرر تھے۔ باقی نے مجھے مایوس کیا۔ پھر موسٹ چبوترے پر آیا۔ اس کے بعد ہر شئے ہیچ لگنے لگی۔ میں اس کی فصاحت کے سیلاب میں غوطے کھانے لگی، ہچکولے لیتی، میری روح اس کی آواز کے زیر و بم میں کبھی سکڑتی اور کبھی پھیلتی۔ یہ اب تقریر نہ تھی بلکہ طوفان باد و باراں تھا جس کے بیچ بیچ میں بجلی چمکنے لگتی۔ شکاگو میں ہونے والے اندوہناک واقعے کے خلاف یہ ریاست عاری پر جوش احتجاج تھا۔ دشمن سے لڑنے کے لیے ایک دلخراش بلاوا۔ ہر شخص کو عمل پر اکسانے کی ندا۔ انتقام کی صدا۔

جلسہ ختم ہونے والا تھا۔ میں اور ساشا باہر جانے والوں کی قطار میں کھڑے تھے۔ میں بولنے سے قاصر تھی۔ ہم خاموشی سے چلتے رہے۔ ہم جب اس مقام پر پہنچے جہاں ہمارا گھر تھا۔ میرے پورے جسم میں کپکپی طاری ہو گئی جیسا عموماً بخار میں ہوتا ہے۔ ایک نہایت پرآشوب تمنا نے مجھ پر غلبہ پالیا۔ ایک ناقابل بیان آرزو کہ خود کو ساشا کی آغوش میں چھپالوں اور اس کی بانہوں میں شام کو ہونے والے خوفناک تناؤ کی تکلیف سے افاقہ ہو جائے۔

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

میرے تنگ بستر میں دو انسانی جسم سمائے ہوئے تھے اور ایک دوسرے میں پیوست تھے۔ میرا کمرہ اب بالکل تاریک نہ تھا لگتا ایک ملائم اور تسکین بخش روشنی کہیں سے چلی آ رہی ہے۔ جیسے حالت خواب میں شیریں دلاسا دینے والے الفاظ میرے کان میں گھلے جا رہے ہوں میرے بچپن کی بالکل نرم اور خوبصورت روسی لوریوں جیسے۔ میں اونگھنے لگی میرے خیالات پراگندہ تھے۔

جلسہ چل رہا ہے...... شیوتس مجھے اٹھائے ہے...... ہیلن وان ڈونجز کا سرد مہر چہرہ...... جوہان موسٹ......اس کی زوردار تقریر اور حیرانی......قلع قمع کر دینے کا اس کا پیغام۔ میں نے یہ لفظ پہلے کب سنا تھا۔ آہ، ہاں ماں سے۔ لاوجودیت کے پیرو! اس کی ستمگری سے جو آسیب مجھ پر طاری ہوا تھا آج دوبارہ مجھے مغلوب کر رہا ہے۔ لیکن دیکھئے وہ آدرش پسند نہ تھی! جبکہ موسٹ آدرش والا ہے پھر بھی وہ قلع قمع کرنے پر اکسا رہا ہے۔ کیا صاحب آدرش ستمگر ہو سکتا ہے۔ زندگی، مسرت اور حسن کے دشمن ستمگر ہوتے ہیں۔ وہ بے درد ہوتے ہیں، انہوں نے ہمارے عظیم کا مریڈوں کو قتل کر ڈالا۔ مگر کیا ہم پر بھی لازم ہے کہ قلع قمع کرنا شروع کر دیں؟

اونگھتی حالت سے میں اس طرح اٹھی جیسے بجلی کا کرنٹ لگا ہو۔ میں نے ایک کانپتے اور بانکلف ہاتھ کو نرمی سے اپنے اوپر سرسراتے محسوس کیا۔ میں نے بے تابی سے اسے تھام لیا یہ میرے محبوب کا ہاتھ ہے۔ ہم ایک بے سدھ کر دینے والی بغل گیری میں ڈوبے ہوئے تھے، میں نے پھر اذیت ناک درد محسوس کیا جسے کوئی چاقو سے شگاف ڈال رہا ہو۔ لیکن یہ میرے جذبہ شوق کے نیچے دب کر سن ہو گیا۔ وہ لاوا پھٹ پڑا جو عرصہ دراز سے پک رہا تھا لاشعور میں اور خوابیدہ۔

صبح کے وقت بھی میں ٹٹول رہی تھی اور آلنگی سی تھی۔ میرا محبوب میری بغل میں لیٹا ہوا راحت انگیز نیند میں بے سدھ تھا۔ میں اٹھ بیٹھی میرا سر میرے بازو پر رکھا تھا۔ دیر تک میں اس لڑکے کے چہرے کو دیکھتی رہی جو میرے لیے بیک وقت دلربائی کے ساتھ قابل نفرین بھی ہے۔ کون، اس قدر ٹھوس ہوتے ہوئے چھونے میں شبنم کی طرح نرم ہو سکتا ہے۔ میرے دل میں اس کی گہری محبت کا چشمہ ابلنے لگا۔ یوں لگا جیسے ہماری زندگیاں ہمیشہ کے لیے ایک جان دو قالب ہو چکی ہیں۔ میں نے اس کے گھنے بالوں کو بوسہ دیا اور پھر میں بھی نیند میں ڈوب گئی۔

وہ لوگ جن سے میں نے کرائے پر کمرہ لیا تھا وہ دیوار کے اس طرف سو رہے تھے۔ یہ قربت مجھے ہمیشہ گراں گزرتی اور اب ساشا کی موجودگی میں تو احساس پیدا ہو گیا جیسے کوئی مجھے دیکھ رہا ہو۔ وہ جہاں رہتا تھا اسے بھی وہاں بے خلل تنہائی میسر نہ تھی۔ میں نے تجویز دی کہ ہمیں ایک چھوٹا سا اپارٹمنٹ تلاش کرنا چاہیے۔ وہ بخوشی رضامند ہو گیا۔ جب ہم نے فیدیا کو اپنا منصوبہ بتایا تو وہ کہنے لگا مجھے بھی اُٹھ آنے دو۔ ہماری چھوٹی سی پنچایت کی چوتھی رکن ہیلن منکن بن گئی۔ جب سے میں نے اس گھر کو چھوڑا تھا باپ بیٹی میں دانتا کلکل بڑھ گئی تھی۔ یہ سب اس کی برداشت سے باہر تھا۔ اس نے التجا کی کہ اسے بھی رہنے دیا جائے۔ ہم نے بیالیسویں سٹریٹ پر واقع ایک چار کمروں کا فلیٹ کرائے پر لیا۔ اپنی جگہ ملنے سے ہم سب کو یہ لگا جیسے ہم عیاشی کر رہے ہوں۔

ہم نے آغاز ہی میں طے کر لیا تھا کہ ہم مل بانٹ کر رہیں گے۔ جیسے حقیقی کامریڈوں کو رہنا چاہیے۔ ہیلن نے زنانہ زیر جامے بنانے کی فیکٹری میں ملازمت جاری رکھی۔ میں نے اپنا وقت دو حصوں میں تقسیم کر لیا ریشمی شلوکے سینے اور خانہ داری کرتی۔ فیدیا مصوری میں مگن ہو گیا۔ اس کے لیے تیل، کرمچ اور برش خریدنے میں ہمارا اتنا صرف ہو جاتا جو ہمارے وسائل سے زیادہ تھا۔ لیکن ہم میں سے کسی کے ذہن میں شکایت کا خیال نہ آیا۔ وقتاً فوقتاً وہ اپنی کوئی تصویر کسی تاجر کو بیس یا پچیس ڈالر میں فروخت کر لیتا اور پھر اس کے بعد وہ جھوا بھر پھول لاتا اور میرے لیے کوئی تحفہ۔ اس پر ساشا اس کی جھاڑ جھپٹ کرتا۔ جب تحریک کو پیسے کی اتنی سخت ضرورت ہے ان اشیا پر رقم خرچ کرنا اس کے لیے ناقابل برداشت ہے۔ فیدیا پر اس کی برہمی کا کوئی اثر نہ ہوتا۔ وہ اسے ہنس کر ٹال دیتا۔ اسے جنونی کہتا اور یہ کہتا کہ وہ احساس جمال سے خالی ہے۔

ایک دن فیدیا صاحب ایک دھاری دار خوبصورت ریشمی جرسی زیب تن کیے داخل ہوئے، ان دنوں وہ بہت مقبول تھی جب ساشا گھر پہنچا تو جرسی دیکھتے ہی اس کے تن بدن میں آگ سی لگ گئی۔ اس نے فیدیا کو فضول خرچ اور ناقابل علاج بورژوا کہا۔

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

دونوں ہاتھاپائی پر اترنے والے ہی تھے کہ اچانک دونوں فلیٹ چھوڑ کر چلے گئے۔ ساشا کے سخت گیر نظریات کی وجہ سے میں بہت رنجیدہ ہوئی۔ مجھے اس کی محبت پر شک ہونے لگا۔ یا تو اس کا پیار سطحی تھا دوسری صورت میں اسے میری زندگی میں آنے والی چھوٹی سی خوشی کو ناس نہ کرنا چاہیے تھا۔ یہ بھی درست ہے کہ بیش قیمت جرسی دوڈالر پچاس سینٹ کی تھی۔ مگر وہ خوبصورت اشیاء کو پسند کیے بغیر کیسے رہ سکتا ہے۔ یہ اس کی روح کے لیے غذا ہے۔ میرے مزاج میں اتنی تلخی پیدا ہوگئی اور اس بات سے بہت خوش ہوئی جب اس رات ساشا نہ لوٹا۔

وہ کئی دن تک نہ آیا۔ ان ایام میں میری فیدیا سے گاڑھی چھنی۔ اس میں وہ سب کچھ تھا جن کے لیے میں ترس رہی تھی۔ اس کا مزاج کے ہر رنگ کو محسوس کر لینا، اس کی زندگی اور رنگوں سے محبت نے اسے کہیں زیادہ انسان بنا دیا تھا۔ مجھ سے میل کھانے والا۔ اس نے مجھ سے کبھی توقع نہ کی کہ میں آدرش پر پوری اتروں۔ میں اس کی صحبت میں خود کو آب بے کنار پاتی۔

ایک صبح فیدیا نے مجھ سے تصویر کشی کے لیے برہنہ ہونے کو کہا۔ مجھے اس کے سامنے ننگی ہو کر کھڑے ہونے میں کوئی شرم نہ آئی وہ دیر تک کام میں جتا رہا اور ہم میں سے کسی نے بھی بات چیت نہ کی۔ پھر اسے چلبلاہٹ ہونے لگی اور آخر میں کہنے لگا کہ میں کام روک رہا ہوں۔ وہ ارتکاز نہ کر پا رہا تھا۔ جی اچٹ چکا تھا۔ پردے کے پیچھے میں کپڑے پہننے کے لیے چلی گئی۔ ابھی میں کپڑے پہن ہی رہی تھی کہ میں نے بلند آواز میں آہ وزاری سنی۔ میں دوڑی دوڑی آئی اور کیا دیکھا کہ فیدیا صوفے پر لیٹا ہے، منہ تکیے میں چھپائے سسکیاں لے رہا ہے..... جیسے ہی میں اس پر جھکی وہ اٹھ بیٹھا اور تند و تیز لہجے میں بولنے لگا۔ اور کہا کہ وہ مجھ سے محبت کرتا ہے۔ اس کا یہ حال ابتدا ہی سے ہے حالانکہ ساشا کی وجہ سے اس نے چھپائے رکھا۔ وہ میرے لیے پوشیدہ جذبات سے بری طرح جوجھتا رہا۔ مگر اسے اب اندازہ ہو چکا ہے کہ یہ سب بے سود ہے اسے اپنی رہائش بدلنا پڑے گی۔

میں اس سے لگ کر بیٹھ گئی۔ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اس کے لہراتے بالوں کو تھپتھپانے لگی۔ فیدیا میرا ہمیشہ خیال رکھتا اس کا رویہ گہرے احساس والا ہوتا اور اس کا جمالیات سے لگاؤ۔ اس کے یہی اطوار میرے لیے باعث کشش تھے۔ میں اب یہ محسوس کر رہی تھی جیسے کوئی چیز میرے اندر تلاطم برپا کر رہی ہو۔ کیا یہ فیدیا کے لیے جذبہ محبت ہے، میں سوچنے لگی۔ کیا کوئی فرد دو افراد کی محبت میں بہ یک وقت گرفتار ہو سکتا ہے؟ میں تو ساشا کو چاہتی ہوں۔ اسی لمحے اس کے تلخ رویے کے خلاف میری برہمی کافور ہوگئی اور اس کی جگہ طاقتور اور جفاکش چاہنے والے کی آرزو نے لے لی۔ اس کے باوجود میں یہ سمجھتی ہوں کہ ساشا میرے چند لطیف احساسات کے تار نہیں چھیڑ پایا۔ جن میں شائید فیدیا جوت جگا سکتا ہے۔ ہاں، یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی ایک سے زیادہ فرد سے عشق کرنے لگے! میں نے آج تک جو اس مصور لڑکے کے متعلق محسوس کیا ممکن ہے وہ محبت ہی ہو جس سے میں آگاہ نہ تھی۔ میں نے یہ نتیجہ نکالا۔

میں نے فیدیا سے پوچھا کہ اس کا اس معاملے میں کیا خیال ہے کہ کوئی بیک وقت دو یا دو سے زیادہ افراد سے عشق کرنے لگے۔ اس نے حیرانی سے نگاہ اٹھائی اور کہا، مجھے نہیں معلوم اس سے پہلے اس نے کسی سے محبت نہیں کی۔ میری محبت میں وہ اتنا ڈوبا ہوا تھا کہ کسی اور کے لیے اس کے دل میں کوئی گنجائش نہ تھی۔ اسے معلوم تھا کہ جب تک وہ میرے عشق میں گرفتار ہے کسی اور عورت کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتا۔ اسے یہ بھی یقین تھا کہ ساشا کبھی بھی اس کی شرکت نہ برداشت کرے گا۔ اس میں احساس ملکیت کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔

شرکت کی تجویز سے مجھے چڑ تھی۔ میں اس پر مصر تھی کہ آپ اسی وقت جواب دیں گے جب کوئی للکارتا ہے۔ میں یہ ماننے کو تیار نہ تھی کہ ساشا مالکانہ طبیعت کا ہے۔ ایسا شخص جو اس جوش و خروش سے آزادی کا پرچارک ہو اور اس کی دل کی گہرایوں سے تبلیغ کرتا ہو اس بات پر کیسے معترض ہو سکتا ہے اگر میں خود کو کسی اور کے سپرد کر دوں۔ ہم اس پر متفق ہو گئے کہ جو بھی ہو چکا ہے اس میں کوئی اشکال موجود ہے۔ ہمیں ساشا سے ملنا چاہیے اور جو کچھ ہم سمجھتے ہیں اسے بلا تکلف بتا دینا چاہیے۔ وہ فہمیدہ ہے۔

اس شام ساشا کام پر سے سیدھا چلا آیا۔ ہم چاروں معمول کے مطابق عشائیے پر بیٹھ گئے۔ ہم لوگوں نے مختلف

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

موضوعات پر بات چیت کی۔ تاہم ساشا کی طویل غیر حاضری کا کنایتاً بھی ذکر نہ کیا گیا۔ اس لیے اس کا موقع بھی نہ ملا کہ میں اس سے تنہائی میں اپنے نروان کے متعلق گفتگو کرتی۔ ہم سب آرچرڈ سٹریٹ پر لیکچر سننے چلے گئے۔

لیکچر ختم ہونے کے بعد ساشا میرے ہمراہ گھر لوٹا۔ فیدیا اور ہیلن کہیں اور چلے گئے فلیٹ پہنچنے کے بعد اس نے میرے کمرے میں آنے کی اجازت مانگی۔ پھر وہ پھٹ پڑا اور دل کھول کے رکھ دیا۔ کہنے لگا میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں اور یہ بھی چاہتا ہوں کہ تمہیں خوبصورت چیزیں ملیں اور وہ خود بھی جمال پرست ہے۔ مگر اس دنیا میں اسے سب سے بڑھ کر اپنے آدرش سے عشق ہے۔ اس کے لیے وہ ہماری محبت بھی قربان کر سکتا ہے۔ ہاں اور اپنی زندگی بھی۔

اس نے مجھے مقبول انقلابی سوال نامے کے متعلق بتایا جو مخلص انقلابیوں سے کن باتوں کا تقاضہ کرتا ہے انہیں گھر، والدین، جان آرزو، بچوں اور ہر عزیز چیز سے منہ موڑنا پڑتا ہے۔ وہ اس کے مندرجات سے صدفی صد متفق تھا اور اس کے لیے پرعزم بھی تھا کہ وہ کسی بھی رکاوٹ کو برداشت نہ کرے گا۔ مگر ''مجھے تم سے محبت ضرور ہے'' اس نے دہرایا اس کے جذبات کی شدت، اس کا غیر مصالحانہ ولولہ بیزار کن ہونے کے باوجود مجھے ایک مقناطیس کی طرح کھینچ رہا تھا۔ فیدیا کی قربت میں جو پیار میں نے پایا تھا اس کا اثر زائل ہو چکا تھا۔ ساشا میرا اپنا شاندار، جاں نثار میری محبت میں مدہوش مجھے پکار رہا تھا۔ میں پوری اس کی تھی۔

بعد میں دن کے وقت مجھے موسٹ سے ملنا تھا۔ اس نے مجھ سے ایک مختصر لیکچر دورے کا ذکر کیا تھا جس کی وہ منصوبہ بندی کر رہا تھا۔ حالانکہ میں نے اس کی بات کسی سنجیدگی سے نہ سنی تھی۔ لیکن اس کی خواہش تھی کہ میں اس سلسلے میں اس سے ملوں۔

فرای ہایٹ کے دفتر میں بھیڑ تھی۔ موسٹ نے مجھے قریبی شراب خانے میں چلنے کی تجویز دی جہاں دوپہر کے بعد عموماً خاموشی رہتی۔ ہم وہاں گئے۔ اس نے میرے دورے کے منصوبے کی تفصیل بتانا شروع کر دیں۔ مجھے روچسٹر، بفلو اور کلیولینڈ کا دورہ کرنا تھا۔ اس بات نے میرے ہوش اڑا دیے ''یہ سب ناممکن ہے'' میں نے احتجاج کیا۔ میں خطابت کی الف بے سے واقف نہیں ہوں۔ اس نے میری بات سنی ان سنی کر دی اور یہ اعلان کر دیا کہ شروع میں سب یہی کہتے ہیں۔

اس نے عہد کر لیا تھا کہ وہ مجھے ایک عوامی مقرر بنا کر رہے گا۔ میرا کام سادہ سا ہے کہ بس ایک مرتبہ شروع کر دوں۔ اس نے پہلے ہی میرے لیے موضوع کا انتخاب کر لیا تھا اور اس کو تیار کرنے میں مدد دینے کو بھی کہا۔ مجھے آٹھ گھنٹے یومیہ کے اوقات کار کی مہم کے خلاف بولنا تھا اور کہنا تھا کہ یہ ایک بے وقت کی راگنی ہے۔ جو آج کل پھر سے کارکن طبقے میں زور شور سے موضوع بحث تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ یہ آٹھ گھنٹے والی ۱۸۸۴ء، ۸۵ اور سن ۸۶ء کی مہمیں ہم سے پہلے ہی اتنی قربانی لے چکی ہیں جس کے موازنے میں یہ ''شیطانی چیز'' بالکل ہیچ ہے۔ ہمارے شکاگو کے کامریڈوں نے اس کے لیے جان گنوا دی مگر مزدور اب بھی طویل اوقات کار پر مجبور ہیں۔ لیکن پھر بھی اگر زیادہ سے زیادہ آٹھ گھنٹے یومیہ کے اوقات کار کے اصول کو تسلیم کر لیا جائے تو بھی حقیقی فائدہ کچھ بھی نہ ہوگا۔ وہ اس پر مصر تھا۔ اس کے برعکس نتیجہ یہ ہوگا کہ عوام الناس کی توجہ اصل مسئلے سے ہٹ جائے گی۔ جو ہے سرمایہ داری اور اجرت کے نظام کے خلاف جدوجہد اور نئے سماج کا قیام۔ بہرحال مجھے صرف یہ کرنا ہوگا کہ اس کے تیار کیے ہوئے مسودے کو حفظ کر لوں۔ اسے اطمینان تھا کہ میرے نانکی احساسات اور جوش و خروش سے نیا پارلگ جائے گی۔ حسب دستور اس نے اپنی فصاحت سے مجھے خاموش کر دیا۔ مجھ میں مزاحمت کی قوت نہ تھی۔

جب میں گھر پہنچی اور موسٹ کی عدم جوجودگی میں وہی ڈوبنے والا احساس طاری ہونے لگا جیسا میں نے مجمع میں پہلی مرتبہ بولتے وقت محسوس کیا تھا۔ میرے پاس اسے رٹ لینے کے لیے ابھی تین ہفتے کا وقت تھا لیکن مجھے یقین تھا کہ میں یہ تقریر مکمل نہ کر سکوں گی۔

اپنی ذات پر اعتماد کی کمی سے بھی زیادہ مجھے روچسٹر جاتے ہوئے تذبذب تھا۔ میں اپنے والدین سے قطع تعلق کر چکی تھی اور بہن لینا سے بھی۔ لیکن ہیلن کے لیے بے چین رہتی اور ننھی سٹیلا کے ساتھ اپنے چھوٹے بھائی کے لیے۔ آہ، کہیں میں ایک پختہ کار مقرر ہوتی تو بھاگی بھاگی روچسٹر جاتی اور وہاں کے برخود غلط لوگوں کے چہروں پر اس نفرت کے لاوے کو الٹ دیتی جو میرے

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

اندر عرصے سے پک رہا ہے، وہی لوگ جنہوں نے مجھ سے وحشیانہ سلوک کیا تھا۔اب وہ لوگ ماضی کے اس گھاؤ پر تمسخر کا چرکا لگائیں گے۔میں بے چینی سے اپنے دوست کی آمد کی منتظر تھی۔

میری حیرانی کی اس وقت انتہا نہ رہی جب موسٹ کا منصوبہ سن کر ساشا اور ہیلین منکن پر شادی مرگ طاری ہوگیا۔یہ شاندار حیلہ تھا انہوں نے کہا۔اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ تمہیں اپنی تقریر تیار کرنے کے لیے تھوڑی سی تکلیف اٹھانا پڑتی ہے؟اس سے تمہاری عوامی مقرر بننے کی ابتدا ہوجائے گی۔امریکہ میں جرمن انارکسٹ تحریک کی پہلی مقرر! ساشا خصوصاً بضد رہا۔باقی باتیں رہیں ایک طرف، مجھے صرف یہ سوچنا چاہیے کہ میں اعلیٰ مقاصد کے لیے کتنی مفید ہوجاؤں گی۔فیدیا مشکوک تھا۔

میرے تین اچھے دوستوں نے زور دیا کہ مجھے کام کاج چھوڑ کر مطالعے پر توجہ دینا چاہئے۔وہ بھی مجھے تمام گھریلو ذمے داریوں سے سبک دوش کردیں گے۔میں پوری طرح پڑھنے میں لگ گئی۔ہر دوسرے دن وہ میرے لیے پھول لے آتا۔وہ سمجھتا تھا کہ میں نے ساشا سے بات نہیں کی۔اس نے جواب بھی نہ مانگا لیکن اس کے دیے ہوئے پھول زبان کے مقابلے میں کہیں زیادہ جواب مانگتے تھے۔ساشا نے اس کی فضول خرچی پر تبرا بازی ختم کردی تھی۔''مجھے معلوم ہے تم پھولوں سے محبت کرتی ہو'' وہ کہتا''ممکن ہے اس کام کے لیے وہ تم میں روح پھونک دیں۔''

میں نے آٹھ گھنٹے کی تحریک کے متعلق بہت کچھ پڑھ ڈالا، ہر اس میٹنگ میں جاتی جہاں اس موضوع پر بحث کی جاتی۔لیکن جتنا میں پڑھتی جاتی اسی قدر میں الجھتی جاتی۔''اجرت کا آہنی قانون''''طلب ورسد''افلاس کے واحد خمیر میں سے انقلاب پر پا ہو گا''.....میرے پلے کچھ نہیں پڑ رہا تھا۔اس سب نے مجھے ایسا ہی چھوڑا جتنا کہ وہ میکانک نظریات کرتے جنہیں میں روچسٹر میں سنا کرتی تھی اور ان کی مقامی سوشلسٹ وضع۔لیکن جب میں نے موسٹ کی تحریر پڑھی تو ہر چیز عیاں ہوگئی۔اس کی زبان کی تمثیل، اس کی موجودہ حالات پر لاجواب کردینے والی تنقید، نئے سماج کے لیے اس کا تابناک تصور سب نے مل کر میرے اندر جوت جگادی۔اپنی ذات پر مجھے اب بھی اعتماد نہ تھا مگر موسٹ جو بھی کہتا وہ ناقابل تردید لگتا۔

ایک خیال میرے ذہن میں حتمی صورت اختیار کرچکا تھا۔میں موسٹ کے مسودے کو کسی صورت حفظ نہ کروں گی۔اس کے نامکمل جملے، ملاحیوں میں پھولوں اور مسالوں کے کلی پھندنے ٹانکنا، یہ سب مجھے ازبر تھے اور میں طوطے کی طرح سنا بھی سکتی تھی، میں اس کے نظریات لوں گی اور انہیں اپنے انداز میں بیان کروں گی۔لیکن وہ نظریات.....موسٹ ہی کے نہ تھے؟ آہ، وہ اس طرح مجھ میں سرایت کرچکے تھے کہ میں خود امتیاز نہیں کرسکتی تھی کہ میں کس حد تک اس کے خیالات کی جگالی کررہی ہوں اور کہاں سے میرے خیالات شروع ہوتے ہیں جو ہو نہ ہو اسی کے خیالات کے خمیر سے اٹھے ہوں۔

میری روچسٹر کی روانگی کا دن آپہنچا۔میں خیالات کی نوک پلک درست کرنے کے لیے موسٹ سے آخری بار ملی۔میں بجھے دل سے پہنچی مگر ایک گلاس شراب اور موسٹ کی زندہ دلی کی وجہ سے سارا بوجھ اتر گیا۔وہ دیر تک ولولے سے بولتا رہا، کئی تجاویز پیش کیں اور کہنے لگا کہ سامعین کو زیادہ اہمیت دینے کی ضرورت نہیں ہے۔کچھ بھی کہو ان میں سے زیادہ تر گاؤدی ہوتے ہیں۔اس نے مجھ پر یہ واضح کرنے کی کوشش کی کہ کسی صورت لوگوں کی بھڑ اس نکلنا چاہیے۔''اگر تم لوگوں کو ہنسا سکو تو سفر بہ آسانی کٹے گا۔''اس نے مجھے یہ بھی سمجھایا کہ تقریر کا تانا بانا اتنی اہمیت نہیں رکھتا۔مجھے اپنی تقریر ان خطوط پر چلانا چاہیے جس طرح میں نے اوپیرا میں اپنی پہلی شرکت سے پیدا ہونے والے تاثرات بیان کیے تھے۔وہ سامعین پر وجد طاری کردیں گے''باقی بچا، جری بنو، متکبر ہوجاؤ مجھے یقین ہے کہ تم بہادر ثابت ہوگی۔''

وہ ایک کرائے کی گاڑی میں مجھے گرینڈ سنٹرل تک لے گیا۔راستے میں سرک کر وہ مجھ سے لگ کر بیٹھ گیا۔وہ مجھے بانہوں میں لینے کے لیے بے چین تھا اور مجھ سے ایسا کرنے کے لیے پوچھا بھی، میں نے سر ہلا دیا۔اس نے مجھے پکڑ کر جکڑ لیا۔متضاد خیالات اور جذبات کا مجھ پر غلبہ تھا۔مثلاً تقاریر جو مجھے کرنا تھیں، ساشا، فیدیا میرا جنوں ایک کے لیے اور دوسرے کے لیے ابتدائے عشق۔لیکن میں نے موسٹ کی جنبشیں کرتی ہوئی آغوش میں پناہ لے لی۔اس کے بوسے اس طرح میرے منہ کو چھوپ

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

رہے تھے جیسے کوئی پیاس کا ستایا ہو۔ میں نے اسے غٹ غٹا کر پینے دیا۔ میں اسے کسی بھی بات سے منع نہ کر سکتی تھی۔ وہ مجھے چاہتا ہے، اس نے کہا، اس سے پہلے اس کو کسی بھی عورت کے لیے اتنی تمنا نہ ہوئی تھی۔ ادھیڑ عمری کے آخری چند برسوں میں اس نے کسی میں ایسی دلکشی نہ پائی تھی۔ بڑھتی عمر کا احساس اسے گھیرے تھا اور وہ طویل جدوجہد کی وجہ سے ماندگی کا شکار ہونے کے علاوہ تکالیف اٹھا کر لٹ چکا تھا۔ سب سے بڑھ کر اسے یہ احساس بے سدھ کر رہا تھا کہ اس کے بہترین کا مریڈوں نے اسے غلط سمجھا۔ مگر میرے شباب نے اسے جوان بنا دیا۔ میری گرم جوشی کے تیل نے اس کی روح کی لو بڑھا دی تھی۔ میری ذات نے اس کو یوں جھنجھوڑا تھا کہ اس کو زندگی میں نئے مفہوم مل گئے۔ میں اس کی بلونڈ کوف ''نیلی آنکھیں'' تھی۔ وہ مجھے اپنانا چاہتا تھا۔ اس کا ہاتھ بٹانے والی اور اس کی آواز۔

میں چت پڑ گئی اور آنکھیں موند لیں۔ میں یوں بے سدھ بدھ ہوئی کہ بول نہ سکتی ایسی شل کہ چلنا دوبھر، کوئی پراسرار شے مجھے میں دوڑ رہی تھی جو اس خواہش سے قطعاً مختلف تھی جو ساشا کی رفاقت میں ہوتی ہے یا جوفیدیا کی قربت فتنہ انگیزی کرتی ہے۔ یہ ان دونوں کیفیات سے بالکل جدا تھی۔ میں اس بطل جلیل بچے کی بے کراں دلجوئی کر رہی تھی جو میرے پہلو میں لیٹا ہوا تھا۔ جب وہ اٹھ بیٹھتا تو یوں لگتا جیسے ایک ٹنڈ منڈ درخت تیز ہواؤں اور طوفان سے جھکا جا رہا ہو اور اپنی بچی کھچی پوری طاقت سے آخری کوشش میں ہو کہ پھیل جائے اور سورج کی روشنی حاصل کر سکے ''سب کچھ اپنے مقصد کے لیے'' ساشا اکثر کہتا۔ یہ جنگجو جو میرے سامنے ہے پہلے ہی سب کچھ آدرش پر نچھاور کر چکا ہے۔ لیکن اس کے عوض اسے کیا ملا؟ وہ چاہت کے لیے ترس رہا ہے کوئی اس کے جذبات کا پاس کرنے والا ہو۔ میں اسے دونوں ہی دوں گی۔

اسٹیشن پر میرے تینوں دوست پہلے ہی سے منتظر تھے۔ ساشا میرے لیے ایک حسین امریکی گلاب لیے ہوئے تھا ''میری محبت کی نشانی (روسی میں دوشنکا) یہ تمہاری پہلی عوامی مہم کے لیے خوش نصیبی کا نقیب ہوگا۔''

انمول ساشا کچھ ہی دن ہوئے جب ہم خریداری کے غرض سے ہیسڑ اسٹریٹ پر گئے تھے تو اس نے اس بات پر سخت اعتراض کیا تھا جب میں نے اسے ایک سوٹ خریدنے پر مجبور کیا جس کی قیمت چھ ڈالر تھی اور اس کے ساتھ پچیس سینٹ کا ہیٹ بھی۔ میں یہ نہ لوں گا ''ہمیں ارزاں ترین خریدنا چاہیئے'' اس نے تکرار شروع کر دی۔ اور آج...... اس کے ظاہری فولاد کے اندر کتنا ملائم دل ہے! ہینس کی طرح یہ کہا۔ بات عجیب ہے۔ مجھے کبھی اس کا احساس نہ ہوا کہ وہ دونوں کتنی مماثلت رکھتے ہیں۔ لڑکا اور مرد۔ دونوں ہی اٹل ایک اس لیے کہ اس نے ابھی زندگی کا پھل نہیں چکھا اور دوسرا اس لیے کہ اس نے بہت سی ٹھوکریں کھائی ہیں۔ جہد مسلسل میں یکساں بے لچک۔ محبت کی احتیاج کے معاملے میں دونوں بچوں جیسے۔ ٹرین روچسٹر کی جانب رواں دواں تھی۔ صرف چھ ماہ ہوئے جب میں نے اپنے بے معنی ماضی سے ناطہ توڑا تھا۔ اس عرصے میں میں کئی برس کے برابر جی لی۔

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

باب ۵

میں نے موسٹ سے درخواست کی تھی کہ وہ روچسٹر کی جرمن انجمن والوں کو میری آمد کی اطلاع نہ دے جن کے سامنے مجھے تقریر کرنا تھی۔ پہلے میں اپنی عزیز اور چہیتی بہن ہیلینا سے ملنا چاہتی تھی۔ اپنی آمد کے متعلق میں اسے لکھ بھی چکی تھی۔ مگر اپنی آمد کے مقصد سے آگاہ نہ کیا تھا۔ وہ اسٹیشن پر میری منتظر تھی ہم ایک دوسرے سے اس طرح لپٹ گئے جیسے کئی دہائیوں تک جدا رہے ہوں۔

میں نے ہیلینا کو اپنی روچسٹر آمد کے مقصد سے آگاہ کیا۔ وہ گھورے جاتی اور اس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ میں نے یہ ذمہ داری کیسے لے لی جس میں سامعین کا سامنا کرنا پڑے؟ تم مجھ سے صرف چھ مہینے الگ رہی ہو۔ اتنی مختصر مدت میں تم نے کیا سیکھ لیا؟ یہ ہمت کہاں سے آ گئی؟ یہ بھی روچسٹر میں آ کر باقی شہروں کو چھوڑ کر! ہمارے والدین کے لیے یہ صدمہ نا قابل برداشت ہوگا۔

میں ہیلینا سے کبھی خفا نہ ہوئی تھی اس کی کبھی نوبت ہی نہ آئی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ میری ذات ہے جس نے ہمیشہ اس کے صبر کا پیمانہ لبریز کیا۔ لیکن والدین کے حوالے نے مجھے چراغ پا کر دیا۔ ذہن میں فوراً پوپلان آ گیا۔ ہیلینا کی نوعمری میں سوشا سے نوخیز عشق کا المناک انجام اور دیگر ڈراونی تصویریں۔ میری اپنی برادری سے علیحدگی کا سبب ان کا ناجائز استغاثہ تھا۔ اس میں نمایاں میرے والد تھے۔ جن کا بچپن میں درشت رویہ میرے لیے ڈراؤنے خواب سے کم نہ تھا۔ ان کا استبدادی طرز عمل میری شادی کے بعد بھی چلتا رہا۔ میں نے ہیلینا کی جی بھر کے ملامت کی کہ اس نے والدین کو اپنی نوجوانی برباد کرنے دی۔ ''یہی وہ مجھ سے بھی کرنے والے تھے'' میں کراہی۔ میں نے ان سے تعلق قطع کر لیا جب وہ روچسٹر کے کٹر پتھیوں سے اس لیے ساز باز کر رہے تھے تاکہ مجھے برادری بدر کر دیا جائے۔ یہ زندگی اب میری ہے جس کام کا بیڑا میں نے اٹھایا ہے وہ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہے! کوئی طاقت مجھے اس راستے سے نہیں ہٹا سکتی، اور میرے لیے والدین کی اہمیت سب سے کم ہے۔

عزیز بہن کے چہرے پر درد کے آثار پیدا ہونے لگے جس کی وجہ سے میں نے خود پر قابو پایا۔ میں نے اسے گلے لگا لیا اور تسلی دی کہ اب فکر کی کوئی بات نہیں ہے، اور ہمارے خاندان کو میرے عزائم کا علم نہ ہونا چاہیئے۔ جلسہ صرف جرمن یونین والوں کا ہے اور اس کا اشتہار بازی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ علاوہ ازیں سینٹ جوزف سٹریٹ کے یہودی ترقی یافتہ جرمنوں کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ وہ دال دلیے کے علاوہ کچھ نہیں جانتے۔ ہیلینا کھل گئی۔ کہنے لگی اگر تمہاری عوامی تقریر اتنی ہی فصیح ہوئی جیسے دلائل تم نے میرے سامنے دیے ہیں تو سمجھو تم نے پالا مار لیا۔

جب اگلے روز شام میں، میں مجمع کے سامنے کھڑی ہوئی تو میرا ذہن بالکل خالی تھا۔ جو نوٹس میں نے بنائے تھے ان کا ایک لفظ بھی میرے ذہن میں نہ آیا۔ ایک لمحے کے لیے میں نے آنکھیں میچ لیں پھر ایک عجیب واقعہ ہوا۔ ایک بجلی سی کوندی اور میں کیا دیکھتی ہوں..... کہ روچسٹر کے قیام کے تین برسوں میں ہونے والا ہر واقعہ، مثلاً گارسن فیکٹری اس میں کولھو کے بیل کی طرح کی چاکری اور سبکی، شادی کی ناکامی اور شکاگو کے جرائم۔ آگسٹ سپایز کے آخری لفظ میرے کان میں گھنٹیوں کی طرح بج رہے تھے ''ہماری خاموشی کی آواز کہیں زیادہ اونچی ہوگی بہ مقابلہ اس آواز کے جسے تم آج گھونٹ رہے ہو۔''

میں نے بولنا شروع کر دیا۔ میرے منہ سے ایسے الفاظ اس روانی سے تڑاتڑ نکل رہے تھے جن کی صدائیں میرے کانوں

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

نے کبھی نہ سنیں تھیں۔ان الفاظ میں جذبے کی تڑپ تھی۔وہ ان سورماؤں کی تصویر کشی کر رہے تھے جو پھانسی پا چکے تھے۔مثالی زندگی کے لیے ان کی تابناک دور رسی۔جس میں آرام اور حسن موجود ہو۔مرد اور عورتیں آزادی سے منور۔بچے مسرت اور محبت میں نہال۔سامعین کب کے اڑن چھو ہو چکے تھے۔یہاں تک کہ ہال بھی غائب ہو چکا تھا۔مجھے صرف اپنی آواز سنائی دے رہی تھی اپنی دھن میں مگن۔

میں تھم گئی۔فلک شگاف نعرہ ہائے تحسین اٹھے اور مجھ پر طاری ہو گئے۔تعریفی آوازوں کی بھنبھناہٹ،لوگ مجھ سے کچھ کہے جا رہے تھے اور کان پڑی آوازیں سنائی نہیں دے رہی تھیں۔تب میرے قریب سے کوئی آواز آئی ''یہ ایک ولولہ خیز تقریر تھی مگر آٹھ گھنٹے یومیہ کی جدوجہد کہاں گئی؟'' تم نے اس کے متعلق ایک لفظ نہ کہا۔مجھے لگا جیسے میں عرش سے فرش پر آن گری اور پارہ پارہ ہو گئی۔میں نے چیرمین سے کہا کہ میں اتنی تھک چکی ہوں کہ سوالات کا جواب دینے سے قاصر ہوں۔میں سیدھی گھر گئی میرا ذہن اور جسم آفت زدہ لگ رہا تھا۔میں ہیلینا کے اپارٹمنٹ میں دبے پاؤں داخل ہوئی اور کپڑے بدلے بغیر بستر میں ڈھیر ہو گئی۔

موسٹ سے اس لیے برہم کہ اس نے اس دورے پر جبراً روانہ کیا،خود سے اس لیے ناراض کہ میں کس آسانی سے اس کے بھرّے میں آ گئی،دل پر یہ بوجھ کہ میں نے سامعین کو دھوکا دیا.....ان باتوں نے مجھے شدید مضطرب کیا مگر ایک انکشاف بھی ہوا کہ میں لفظوں سے لوگوں کو وجد میں لا سکتی ہوں!نادر اور جادوئی الفاظ جو اندر سے پھوٹے پڑ رہے تھے ان گہرایوں میں سے جن سے میں ناواقف تھی۔اس انکشاف پر میں فرط مسرت سے رونے لگی۔

میں بفلو روانہ ہو گئی۔اس عزم کے ساتھ کہ ایک اور کوشش کرنا چاہیے۔جلسے کے آغاز کی کارروایوں نے مجھے ویسے ہی اعصابی تناؤ میں ڈبکی دی۔لیکن جب میں سامعین کے سامنے کھڑی ہوئی تو وہاں کوئی ایسے تصورات نہ ابھرے جن سے میرے ذہن میں کوئی الاؤ بھڑکنے لگتا۔ایک طویل اور تکرار سے بھرے ہوئے انداز میں میں نے تقریر کی جس میں توانائی اور وقت کے ضیاع کا ذکر کیا جو آٹھ گھنٹے یومیہ اوقات کار کی جدوجہد میں ہم بھگت رہے ہیں۔اور کارکنوں کی حماقت کا ٹھٹھا اڑ رہا ہے جو بیکار باتوں پر اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں۔تقریر کے خاتمے پر جو مجھ کئی گھنٹوں پر محیط لگی،میرے طرز استدلال کی بڑی ستایش کی گئی۔چند سوالات بھی پوچھے گئے۔میں نے بڑے اعتماد سے ان کا جواب دیا اور انکار کرنے کو نامناسب جانا مگر میٹنگ سے واپسی کے وقت راستے میں میرا دل بیٹھا جا رہا تھا۔میرے لیے سرفرازی کا ایک لفظ بھی سننے میں نہ آیا۔آپ دوسروں کے دل کے تار کیسے چھیڑ سکتے ہیں جب آپ خود ہی دلگیر ہوں۔میں نے فیصلہ کر لیا کہ کل صبح موسٹ کو تار بھیجوں گی۔اور اس سے درخواست کروں گی کہ وہ مجھے کلیولینڈ جانے کی ذمے داری سے سبکدوش کر دے۔اب یہ میرے بس سے باہر تھا کہ ایک مرتبہ پھر میں بے معنی فضول باتوں کی تکرار میں پڑ جاؤں۔

رات بھر کی نیند کے بعد مجھے اپنا فیصلہ بچگانہ اور کمزور لگا۔میں اتنی جلد کیسے ہمت ہار بیٹھی؟ کیا موسٹ بھی جی چھوڑ بیٹھتا؟ ساشا بھی؟ ٹھیک ہے میں بھی پیش قدمی جاری رکھوں گی۔میں نے کلیولینڈ کی گاڑی پکڑ لی۔

میٹنگ بڑی تھی اور جاندار تھی۔یہ سنیچر کی شام تھی اور کارکنوں نے اس میں اپنے بچوں اور بیویوں کے ساتھ شرکت کی۔سب چھکے ہوئے تھے۔میں لوگوں کے ایک حلقے میں آ گئی۔مجھے مشروبات پیش کیے گئے اور سوال پوچھے گئے۔وہ کون سی وجوہ ہیں جن کی وجہ سے میں تحریک میں شامل ہوئی؟ کیا میں جرمن ہوں؟ گزر بسر کے لیے میں کیا کرتی ہوں؟ان لوگوں کا اتنا ادنی تجسس جو اتنی دور اس نظریے میں دلچسپی لینے آئے ہوں،مجھ میں امریکہ پہنچنے والے دن کی یادیں امنڈنے لگیں جب روچسٹر میں میری خوب درگت بنائی گئی تھی۔اس بات پر مجھے بہت غصہ آیا۔

میری تقریر کا لب لباب وہی بفلو والا تھا مگر وضع مختلف تھی۔اس کی صورت ایک طنزیہ استغاثے کی تھی جو سرمایہ داروں یا رائج نظام کے خلاف نہ تھا اس کے بجائے کارکن طبقے سے تھا۔۔۔شاندار مستقبل کو نگاہوں سے اوجھل کرنے کے لیے مستعدی دکھانا تاکہ چند معمولی عارضی فائدے مل جائیں۔یوں لگا جیسے سامعین اس جلے کٹے انداز میں اپنی کھینچائی سے جیسے لطف اندوز

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

ہو رہے ہوں۔ یہ کوئی میٹنگ نہ تھی بلکہ کرتب دکھایا جا رہا ہو اور میں نٹنی!

پہلی صف میں بیٹھا ایک شخص اپنے سفید باریک بالوں اور اترے ہوئے منہ کی وجہ سے میری توجہ کا سبب بنا۔ وہ بولنے کے لیے کھڑا ہو گیا۔ اس نے کہا کہ ان کے معمولی مطالبے مثلاً یومیہ اوقات کار میں چند گھنٹوں کی تخفیف یا چند ڈالر فی ہفتہ اجرت میں اضافے سے متعلق وہ میری بے صبری کو تسلیم کرتا ہے۔ نوجوان لوگوں کا بھی جائز حق ہے کہ وہ کچھ وقت بے فکری میں گزاریں؟ لیکن اس کی عمر کے لوگ کیا کریں؟ یہ انہیں دور دور تک نہیں نظر آتا کہ ان کی باقی زندگی میں سرمایہ داری نظام کا خاتمہ ہو جائے۔ کیا انہیں بھی اس مطالبے سے دستبردار ہو جانا چاہیے جس سے شاید انہیں ناپسندیدہ کام سے دو گھنٹے کی تخفیف مل جائے۔ لے دے کر یہی ایک شے ہے جس کی وہ اپنی باقی ماندہ زندگی میں توقع کر سکتے ہیں۔ کیا ہم اس معمولی سی کامیابی حاصل کرنے کے حق سے بھی خود کو محروم کر لیں؟ کیا ہماری زندگی میں وہ دن کبھی نہ آئے گا جس میں ہمارے مطالعہ کرنے کے لیے تھوڑا سا وقت نکل آئے یا آسمان تلے ہوا خوری کی گنجائش نکل آئے۔ کیوں نہ ان لوگوں کو انصاف دیا جائے جو لکڑی کے کندے سے پابہ زنجیر ہیں۔

اس شخص کی سنجیدگی آٹھ گھنٹے یومیہ اوقات کار کے خلاف میرے استدلال کے صاف صاف تجزیے سے میں دل ہی دل میں قائل ہو گئی اور موسٹ کے موقف کی قلعی بھی کھل گئی۔ میری سمجھ میں یہ بات آ گئی کہ میں اپنے اور کارکنوں دونوں کے خلاف ایک جرم کا ارتکاب کر رہی ہوں اور طوطے کی طرح موسٹ کے نظریات دہرا رہی ہوں۔ اب یہ بات میری سمجھ میں آئی کہ میں سامعین کے دل میں اترنے میں کیوں ناکام رہی۔ میں ہمیشہ پھکڑ لطیفوں اور محنت کشوں کے خلاف اس لیے دھکا پیل میں پناہ لیتی رہی تاکہ میری داخلی بے یقینی پر پردہ پڑا رہے۔ عوام میں میری پہلی رویت کا تجربہ وہ نتائج نہ لا سکا جس کی موسٹ آس لگائے بیٹھا تھا لیکن اس سے مجھے ایک انمول سبق ضرور مل گیا۔ اس نے میرے اس عارضے کا علاج کر دیا جس میں بچے مبتلا ہوتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ان کا استاد خطا سے عاری ہے اور مجھ پر خود مختار غور و فکر کی ضرورت بھی آشکار ہو گئی۔

نیویارک میں میرے دوستوں نے میرے لیے ایک شاندار استقبالیہ کا انتظام کیا تھا۔ میرا فلیٹ صفائی سے چمک رہا تھا اور پھولوں سے پٹا ہوا تھا۔ وہ میرے دورے کی روداد سننے کے لیے ہمہ تن گوش تھے اور موسٹ کے متعلق میرے تیور دیکھ کر انہیں اندیشے گھیرے تھے۔

اگلے دن شام کو میں موسٹ کے ساتھ پھر ٹیرس گارڈن گئی۔ وہ میری دو ہفتے کی غیر حاضری میں کم عمر جوان ہو گیا تھا۔ اس کی الجھی داڑھی تراشی ہوئی تھی۔ وہ ایک اچھی تراش خراش والے خاکستری رنگ کے نئے سوٹ میں ملبوس تھا۔ کوٹ کے پھندنے میں سرخ پھول اڑسا ہوا تھا۔ وہ مجھ سے بڑے خوشگوار موڈ میں ملا، مجھے بنفشی رنگوں والا ایک بڑا گلدستہ پیش کیا۔ میری دو ہفتے کی غیر حاضری کی طوالت برداشت سے باہر تھی، اس نے کہا۔ اس نے اس بات پر اپنی ملامت کی کہ جب ہم اتنے قریب ہو چکے تھے تو اس نے مجھے جانے ہی کیوں دیا۔ لیکن اب وہ مجھے کبھی نہ جانے دے گا..... کچھ ہو جائے تنہا نہیں۔

میں نے کئی مرتبہ کوشش کی کہ اسے اپنے دورے کے متعلق بتاؤں۔ مجھے اس بات سے ٹھیس پہنچی کہ اس بارے میں اس نے کچھ نہ پوچھا۔ اس نے میری مرضی کے خلاف مجھے روانہ کر دیا۔ وہ مجھے ایک عظیم مقرر بنانے کے لیے اتنا بے چین تھا۔ اسے اب اس معاملے میں کوئی دلچسپی نہ رہی تھی کہ میں موزوں شاگرد ثابت ہوئی ہوں؟

ہاں، ٹھیک ہے، اس نے جواب دیا۔ لیکن اسے روچسٹر سے پہلے ہی ایسی رپورٹیں مل چکی تھیں کہ میں نے وہاں فصاحت کے دریا بہا دیے، بفلو سے یہ کہ میری پیشکش نے تمام مخالفوں کے منہ بند کر دیے، اور کلیولینڈ سے یہ خبر آئی تھی کہ میں نے طنز کے نشتر سے گاودیوں کی کھال کھینچ دی۔ ''لیکن تم نے میرا تبصرہ تو سنا ہی نہیں؟'' میں پوچھ بیٹھی ''کیا تم یہ نہیں چاہتے ہو کہ میں اس کے متعلق بتاؤں؟'' ''ہاں، لیکن کسی اور وقت۔'' فی الحال وہ صرف یہ چاہتا ہے کہ میں خود کو محبوب کے نزدیک محسوس کروں۔ جو اس کی پیاری سی نوخیز عورت ہے۔

میں بھڑک گئی اور میں نے صاف صاف بتا دیا کہ مجھے محض عورت ذات سمجھ کر سلوک نہ کیا جائے اور بے سوچے سمجھے یہ بھی

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

کہہ بیٹھی کہ میں اندھوں کی طرح کسی کی پیروی نہ کروں گی، میں نے خود کو الّو بنایا۔اس عمر رسیدہ کارکن کی پانچ منٹ کی تقریر نے موسٹ کے دلائل سے پُر ترغیبی جملوں سے کہیں زیادہ قائل کیا تھا۔میں بولے جارہی تھی، میرا سامع بالکل چپ تھا۔جب میں بول چکی تو اس نے ویٹر طلب کیا قیمت چکائی، وہ آگے اور میں پیچھے روانہ ہوگئی۔

راستے میں وہ پھٹ پڑا ایک طوفان بدتمیزی برپا ہوگیا۔اس نے ایک مار آستین ایک سانپ، سنگدل ہرجائی کو پروان چڑھایا وہ مجھ سے ایسے کھیلتی رہی جیسے بلی چوہے سے کھیلتی ہے۔اس نے مجھے اپنے آدرش کی وکالت کے لیے بھیجا تھا اور میں نے اس سے دغا کی۔میں بھی اوروں کی طرح تھی لیکن وہ ایک لمحے کے لیے بھی برداشت نہ کرے گا۔وہ کنکنی دوستی رکھنے کے بجائے بلاتاخیر مجھے اپنے دل سے نوچ کر پھینک دے گا۔''جو میرا نہیں ہے وہ میرا مخالف ہے'' وہ زور سے بولا''میرے لیے کوئی اور چارہ نہیں ہے'' گہرا صدمہ مجھ پر غالب آ گیا۔جیسے میں نے ابھی ابھی کوئی ناقابل تلافی نقصان اٹھایا ہو۔

اپنے فلیٹ میں داخل ہوتے ہی میں ڈھیر ہوگئی۔میرے دوست پریشان ہوگئے اور مجھے ہر طرح بہلانے لگے میں نے ساری کہانی الف سے یے تک سنادی یہاں تک یہ بھی بتایا کہ میں کس طرح میکانکی انداز میں گلدستہ بھی اٹھا لائی ہوں۔ساشا بھڑکا''قیمتی پھول وہ بھی جاڑے کے شباب پر، جب کہ ہزاروں بے روزگار ہیں اور فاقے کررہے ہیں'' اور استفہامیہ بولا۔وہ ہمیشہ سے کہہ رہا ہے کہ موسٹ ایک فضول خرچ شخص ہے جو تحریک کی آمدنی پر بسر کرتا ہے۔اور کچھ بھی کہیئے میں کس قسم کی انقلابی ہوں جو موسٹ کی عنایات کو قبول کرلیتی ہوں؟ کیا مجھے نہیں معلوم کہ وہ عورتوں کی فکران کے جسم کی وجہ سے کرتا ہے؟ زیادہ تر اہل جرمن کا یہی وطیرہ ہے۔وہ عورتوں کو محض تسکین بخش ذی حیات سمجھتا ہے۔اب مجھے آخری مرتبہ موسٹ اور مجھ میں سے ایک کا انتخاب کرنا ہوگا۔موسٹ اب انقلابی نہیں رہا وہ آدرش سے منحرف ہوچکا ہے۔

برہمی میں وہ گھر سے رخصت ہوگیا۔میں اس وقت بھونچکی، زخمی حالت میں اپنی ہی نو دریافت دنیا کے ملبے میں پڑی ہوئی تھی۔ایک نرم ہاتھ نے مجھے کھڑا کیا اور خاموشی سے کمرے تک پہنچا کر واپس چلا گیا۔یہ فیدیا تھا۔

23/5 جلد ہی ایک نیا دعوت نامہ آیا جو ہڑتالی کارکنوں کا تھا میں بصد شوق اس میں شریک ہوگئی۔یہ بلاوا جوزف بیرنڈس نے بھیجا تھا جس سے میں کبھی مل چکی تھی۔وہ نوجوان یہودی سوشلسٹوں اور انارکسٹوں کے گروپ کا نمائندہ تھا۔اسی نے لباس سازوں اور دیگر ایدیش انجمنوں کو منظم کیا تھا۔بھانت بھانت کے لوگوں کا مجمع بیرنڈس کے مقابلے میں حالات سے زیادہ باخبر اور لائق مقررین پر مشتمل تھا۔لیکن اس کا طرہ امتیاز اس کی حد درجہ سادگی تھی۔اس دل کش اور دبلے پتلے طویل قامت شخص میں بڑبولا پن بھی نہ تھا۔اس کا ذہن عالمانہ انداز کا نہ تھا اور جھکاؤ عملیت پسندی کی طرف تھا۔وہ محض ایسا شخص تھا جس کی کارکنوں کو اپنی روزمرہ کی جدوجہد میں ضرورت پڑتی رہتی ہے۔بیرنڈلیس اب تمام انجمنوں کی انجمن کا سربراہ تھا اور لباس سازوں کی ہڑتال کا روح رواں بھی تھا۔

ہر ایسا شخص جو ایسٹ سائیڈ میں مقیم ہو اور مجمع میں چند لفظ بول سکتا ہو اسے اس جدوجہد میں کھینچ بلایا گیا تھا۔اینی نیٹر ایک نوجوان لڑکی کو چھوڑ کر سب کے سب مرد تھے۔اس نے پہلے ہی انارکسٹ اور کارکن طبقے میں اپنا نام اپنی ان تھک محنت اور کارگزاری کے ذریعے بنالیا تھا۔وہ کارکنوں کی مختلف ہڑتالوں میں شامل خواتین میں ذہین ترین اور انتھک خاتون کارکن ثابت ہوئی تھی۔جس میں نائیٹس اور لیبر کی ہڑتال تھی۔یہی تنظیم تھی جو کئی برس سے طوفان کے مرکز کا کام کررہی تھی جو آٹھویں دہائی میں برپا ہوا تھا۔اور جو اپنے نقطہ کمال کو آٹھ گھنٹے یومیہ کی جنگ میں پہنچ گیا جن کی قیادت پارسنز، سپایز، فیلڈن اور دیگر اشخاص کررہے تھے جو شکاگو میں مارے گئے۔اس تنظیم نے اپنے زوال کا سفر اس وقت شروع کیا جب ٹھرنس ڈی پاؤڈلے جو نائیٹس آف اور لیبر کا گرانڈ ماسٹر تھا نے اپنے کامریڈوں کے دشمنوں سے اتحاد کرلیا یوں ان کے انجام میں تیزی آ گئی۔یہ بات سب کو معلوم تھی کہ پاوڈرلے نے تیس چاندی کے سکوں کے عوض پھانسی کے پھندے کھینچنے والوں کی مدد کی جس سے شکاگو کے لوگوں کا گلا گھونٹا گیا۔آمادہ پیکار کارکنوں نے نائیٹس آف لیبر سے کنارہ کشی اختیار کرلی اور یہ تحریک ملازمت کے بے ضمیر متلاشیوں کا گھوڑا بن گئی۔

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

اس یہودی تنظیم کو خیر باد کرنے والوں کی اگلی صف میں اینی نیٹر بھی تھی۔ وہ اب پانیر آف لبرٹی کی رکن تھی جس سے نیویارک کے اکثر یہودی انارکسٹ وابستہ تھے۔ یہ ایسی سرگرم کارکن تھی جو بلا کسی چوں وچرا کے اپنا وقت اور اپنی محدود آمدنی میں سے دے دیتی۔ ان کوششوں میں اسے اپنے باپ کی اعانت حاصل تھی۔ وہ کٹر مذہبیت سے گلوخلاصی پا کر منکر خدا ہو گیا تھا اور سوشلزم کا حامی بن چکا تھا۔ وہ باکمال اوصاف والا شخص تھا، اور گرم جوش آدمیت کا عالم بے بدل اس کے علاوہ زندگی اور جوانی پر فریفتہ۔ نیٹر کا گھر جو اس کی پنساری کی دکان کے عقب میں تھا ریڈیکل (یکسر سماجی تبدیلیوں کا خواہاں فرد) عناصر کے لیے نخلستان بن گیا اور دانش گاہ بھی۔ بیگم نیٹر کے طرف سے گھر ہمیشہ کھلا لنگر خانہ بنا رہتا۔ سماور اور ایک فیاضی والا زوسکی (گزک) میز پر ہمیشہ موجود رہتی۔ ہم نوجوان باغی اسے بہ تحسین دیکھتے۔ اگرچہ انہیں اس سے کوئی منافع تو نہ ہوتا مگر ہم نیٹر پنساری کی دکان کے گاہک بن گئے۔

مجھے تو اصلی گھر کبھی ملا ہی نہ تھا۔ نیٹر کے ہاں میں سردیوں کی دھوپ والی فضا میں تاپتی اس کا سبب والدین اور بچوں کے درمیان میں پائی جانے والی خوبصورت مفاہمت تھی۔ وہاں کی مجلسیں بہت دلچسپ ہوتیں۔ شامیں مباحثوں میں گزرتیں جن میں میزبانوں کی پر لطف دل لگی سے جان پڑ جاتی۔ آمدورفت رکھنے والے چند ایسے نوجوان تھے۔ جو نیویارک کے مضافات میں یہودی ٹھکانوں کے جانے پہچانے نام تھے۔ دوسروں کے علاوہ ایک ڈیوڈ ایڈلسٹاڈ تھا ایک مثالیت پسند، ایک روحانی طائر جس کے گائے ہوئے انقلابی نغمے ہر ایدیش بولنے والے ریڈیکل کو محبوب تھے۔ پھر ایک صاحب بوشوور بھی تھے جن کا تخلص باسل دہال تھا۔ نہایت بے چین اور من موجی فطرت کا شخص مگر لاجواب شاعرانہ خلاقی سے معمور۔ نوجوان میخایل کوہان، ایم کاٹز، گرزڈانسکی، لویس اور دیگر باصلاحیت اور ہونہار نیٹرز پر ملنے آتے رہتے اور سب مل کر شاموں کو اہل دانش کی حقیقی ضیافت بنا دیتے۔ جوزف ہیرنڈس اکثر آتا اور یہی صاحب تھے جنہوں نے ہڑتال میں مدد کرنے کے لیے مجھے بلا بھیجا۔

میں وہاں پہنچتے ہی کام میں کود پڑی اور تن من دھن سے لگ گئی اور اس میں اتنی منہمک ہو گئی کہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گئی۔ میری ذمہ داری یہ تھی کہ لڑکیوں کو اس تحریک میں لاؤں تاکہ وہ ہڑتال میں شریک ہوں۔ اس مقصد کے لیے جلسے موسیقی کی محفلیں، سماجی ملاقاتیں اور ناچ کی تقریبات منعقد کی جاتیں۔ ان مواقع پر لڑکیوں کو قائل کرنا اتنا دشوار نہ ہوتا کہ وہ اپنے ہڑتالی ساتھیوں کے نیک مقاصد میں ہاتھ بٹائیں۔ مجھے اکثر تقریر کرنا پڑتی تھی اس طرح پلیٹ فارم پر پیدا ہونے والی گھبراہٹ گھٹتی چلی گئی۔ ہڑتال والے چوں کہ حق پر تھے اس بات نے مجھے ہمت دی اور میں معاملات کو تقریر میں ڈرامائی انداز سے بیان کرنے لگی جس میں اعتماد انتہا کو ہوتا۔ چند ہفتوں میں میرا کام رنگ دکھانے لگا اور لاتعداد لڑکیاں ہڑتالیوں کی صفوں میں آنے لگیں۔

میں ایک مرتبہ پھر حرکت میں آ گئی۔ ناچ کی تقریبات میں اوروں کے مقابلے میں میں سب سے زیادہ انتھک اور جان محفل ہوتی۔ ایک شام میں ساشا کا ایک کزن جو نوجوان لڑکا تھا مجھے محفل کے ایک طرف لے گیا۔ اس کے چہرے پر ایسی مردنی چھائی ہوئی تھی جیسے وہ کسی عزیز دوست کی موت کی خبر سنانے والا ہو۔ اس نے سرگوشی میں کہا کہ ایک تحریک میں حصہ لینے والے کے لیے مناسب نہیں ہے کہ وہ ناچے۔ خصوصاً ایسے والہانہ انداز میں، میرے کہنے کو برا نہ ماننا۔ ایسی ذات کے لیے تو اور بھی نامناسب ہے جو آنے والے دنوں میں انارکسٹ تحریک کے لیے ایک طاقت بننے والی ہے۔ میرے لاابالی پن سے ہمارے مقصد کو دھچکہ لگ سکتا ہے۔

میں اس لڑکے کی گستاخ مداخلت پر آگ بگولا ہو گئی۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ خواہ مخواہ مداخلت بے جا نہ کرے۔ میں آدرش کی بار بار کی یاددہانی سے بیزار آ چکی ہوں۔ میں اس پر یقین نہیں رکھتی کہ ہمارا آدرش خوبصورت مثالیت کا مدعی ہے جیسے ہم انارکزم کہتے ہیں۔ جو فرسودہ روایات اور تعصبات سے آزادی اور رہائی دلانا چاہتا ہے۔ کیا وہ زندگی اور مسرت سے منہ موڑنے کا مطالبہ کرے گا۔ میں اس بات پر قائم ہوں اور یہ کہتی ہوں کہ ہمارا مقصد مجھے ایک راہبر بننے پر مجبور نہ کرے گا اور تحریک کو ایک پھیری لگانے والا گروہ نہ بنا دیا جائے۔ اگر اس کا یہی مفہوم ہے تو میری توبہ بھلی" میں آزادی کی خواستگار ہوں، اظہار ذات کا حق

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

چاہتی ہوں اور ہر ایک کے لیے خوبصورت اور تاباں اشیا کا حق چاہتی ہوں۔ میرے لیے انارکزم کے یہ معنی ہیں۔ اور میں ایسے ہی زندگی بسر کروں گی چاہے پوری دنیا مخالفت پر کمر بستہ ہو۔ قید و بند، مقدمات کا سامنا، میں پرواہ نہیں کرتی۔ ہاں، اپنے قریب ترین کامریڈوں کی مخالفت کے باوجود میں اپنے نصب العین کے مطابق جیوں گی۔''

مجھ پر ایک وجد سا طاری ہو چکا تھا، میری آواز ہر طرف گونج رہی تھی۔ میں بہت سے لوگوں کے درمیان میں کھڑی تھی۔ داد و تحسین کی آوازوں میں مہین احتجاجی صدائیں بھی شامل تھیں کہ میں غلطی پر ہوں۔ ہر ایک کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ نصب العین تمام باتوں پر حاوی رہنا چاہیئے۔ سارے روسی انقلابی اسی پر عمل پیرا رہے ہیں انہوں نے ذات کو کبھی اہمیت نہ دی۔ ہر چیز سے لطف اٹھانا کچھ نہیں ہے تنگ انانیت کے سوا، چاہے وہ ہمیں تحریک سے دور ہی کیوں نہ لے جائے۔ اس شور و غوغا میں ساشا کی آواز سب پر بھاری تھی۔

میں اس کی جانب مڑی۔ وہ اینا منکن کے ساتھ کھڑا تھا۔ میں کچھ عرصے سے ان کی آپس میں بڑھتی ہوئی دلچسپی سے آگاہ تھی جو ہماری تلخ گفتاری سے بہت پہلے سے جاری تھی۔ جب ساشا ہمارا فلیٹ چھوڑ کر چلا گیا تھا جہاں اینا روزانہ پھیرا لگایا کرتی تھی۔ آج یہ کئی ہفتوں کے بعد ہوا کہ میں نے دونوں کو دیکھا۔ میرا دل اپنے سنگدل وارفتہ عاشق کی محبت میں بیٹھنے لگا۔ میرے جی میں آئی کہ میں اسے اس نام سے پکاروں جو اسے بہت عزیز تھا ''دوشنکا'' جانِ من کہہ کر اپنی بانہیں اس کی طرف پھیلا دوں..... لیکن اس کا چہرہ جذبات سے عاری تھا اور نگاہوں میں ملامت تھی۔ میں نے کسی طرح خود پر قابو پایا۔ اس کے بعد اس شام میں نہ ناچی۔

فوراً بعد مجھے کمیٹی کے کمرے میں بلا لیا گیا۔ جہاں جوزف بیرنڈس اور دیگر ہڑتالی رہنما کام کر رہے تھے۔ بیرنڈس کے قریب ہی میں نے پروفیسر ٹی۔ ایچ گارسائیڈ کو بیٹھے پایا۔ یہ اسکاچ تھا، پہلے نائیٹس آف لیبر میں لیکچرر رہ چکا تھا اور اب اس ہڑتال کا سربراہ تھا۔ گارسائیڈ کوئی پینتس برس کا، طویل قامت، زرد رو اور نڈھال شکل و صورت والا۔ اس کے اطوار نرم اور دل میں گھر کر لینے والے تھے۔ وہ کسی حد تک حضرت مسیح کی تصویروں سے ملتا جلتا ہوا تھا۔ وہ ہمہ وقت متصادم عناصر کے درمیان مصالحت کراتا رہتا اور چیزوں کو ہموار کرتا رہتا۔

گارسائیڈ نے ہمیں بتایا کہ اگر ہم مصالحت پر نہ آمادہ ہوئے تو ہڑتال ناکام ہو جائے گی۔ میں نے اس سے اتفاق نہ کیا اور اس کی تجویز پر اعتراض کر دیا۔ کمیٹی کے کئی ارکان میری تائید پر اتر آئے۔ مگر گارسائیڈ کا اثر و رسوخ غلبہ پا گیا۔ ہڑتال کا تصفیہ اسی کی تجاویز کی روشنی میں ہوا۔

ہڑتال کے جانفشانی کے ہفتے گزرنے کے بعد سرگرمیاں ماند پڑنے لگیں۔ لیکچر ہوتے، نیٹرز کے گھر پر یا ہمارے فلیٹ پر شامیں بسر ہوتیں اور ملازمت کے حصول کے لیے دوبارہ جتن۔ فیڈیا کرے یانس کے ہاں ملازمت شروع کر چکا تھا جہاں وہ تصاویر کو بڑا کرتا۔ کہنے لگا وہ کب تک ہماری رقم رنگوں کی خریداری پر برباد کرے یعنی میری اور ہیلین کی۔ وہ محسوس کرنے لگا تھا کہ کچھ بھی ہو وہ بڑا مصور کبھی نہیں بن سکتا۔ مجھے شک تھا کہ بات کچھ اور ہے۔ بلاشبہ وہ محض اس لیے رقم کمانا چاہتا تھا کہ وہ مجھے سخت کام سے نجات دلانا چاہتا تھا۔

میری طبیعت کچھ دنوں سے گری گری رہتی خصوصاً زمانہ ایام میں، ان دنوں میں مجھے ہمیشہ بستر پر دراز رہنا پڑتا کئی کئی دن تک شگاف ڈالنے والا درد رہتا۔ یہ اسی وقت سے چلا آ رہا تھا جب مجھے شدید جھٹکا سا لگا تھا کیونکہ ماں نے میرے منہ پر چانٹا مارا تھا۔ یہ معاملہ اس وقت اور بگڑ گیا جب میں کو اینس برگ سے سینٹ پیٹرز برگ کے راستے میں تھی اور مجھے سردی لگ گئی۔ ہمیں چوری سے سرحد پار کرائی گئی تھی۔ میری ماں میرے دو بھائی اور میں۔ یہ ۱۸۸۱ء کا آخری مہینہ تھا اور موسم سرما نہایت شدید۔ اسمگلروں نے ماں سے کہا تھا کہ ہمیں گہری برف میں سے پایاب گزرنا پڑے گا۔ جن میں چند نیم منجمد نالے بھی پڑتے تھے۔ ماں کو میری فکر دامن گیر تھی کیونکہ میں مقررہ ایام سے چند دن پہلے ہی بیمار ہو گئی اس کی وجہ کو اینس برگ سے روانگی کا جوش

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

وخروش تھا۔صبح کے پانچ بجے جب میں سردی اور بخار میں کپکپا رہی تھی۔ہم لوگ روانہ ہوئے۔جلد ہی ہم اس نالے پر پہنچ گئے جو روسی اور جرمنی کی سرحدوں کو جدا کرتا تھا۔ہمیں اچھی طرح معلوم تھا کہ برفیلا پانی مفلوج کر سکتا ہے مگر کوئی چارہ نہ تھا۔ہمیں اس میں کودنا ہی تھا بصورت دیگر پکڑ لیے جاتے یا سرحد پر گشت کرنے والے سپاہی ہمیں گولی مار کر ہلاک کر دیتے انہیں چند روبل دے کر اس پر آمادہ کیا گیا کہ وہ دوسری طرف دیکھنے لگیں،لیکن انہوں نے تنبیہہ کی تھی کہ دیر نہ ہونے پائے۔

ہم پھاند پڑے۔ماں سامان کے گٹھڑ اٹھائے ہوئے تھی اور میں چھوٹے بھائی کو لیے تھی۔ناگہانی یخ سے میرا خون جم گیا پھر ریڑھ کی ہڈی میں میانی میں اور ٹانگوں میں ایسی تکلیف ہوئی جیسے ڈنک لگنے سے سنسنی ہوتی ہے ایسا معلوم ہوا جیسے دہکتی سلاخیں چڑھائی جا رہی ہوں۔میں چیخنا چاہتی تھی مگر میرے دانت بجنے لگے اور مجھے گرم پسینے آ گئے۔ہم پوری قوت سے اس سرائے کی طرف بھاگے جو روسی سرحد کے اندر تھی۔مجھے گرم چائے دی گئی اور اس کے ساتھ ایک مالینا (رس بھری) جو گرم اینٹوں میں سینکی گئی تھی اور پنکھ میں لپٹی ہوئی تھی۔سینٹ پیترز برگ تک تمام راستے میں بخار میں مبتلا رہی۔میری ریڑھ اور ٹانگوں میں جان لیوا درد ہوتا رہا۔اس کے بعد ہفتوں میں بستر پر پڑی رہی اور میری ریڑھ کی ہڈی بعد میں کئی برس تک ناتواں رہی۔

امریکہ آ کر میں نے سولوٹاروف سے اس تکلیف کے متعلق مشورہ کیا جو مجھے ایک ماہر فن ڈاکٹر کے پاس لے گیا جس نے جراحی کا مشورہ دیا۔وہ بڑا حیران لگتا تھا کہ میں نے کیسے یہ تکلیف طویل عرصے تک سہی،اس کے علاوہ میں کس طرح جسمانی وصل بھی کرتی رہی۔مجھے دوستوں کی زبانی یہ معلوم ہوا کہ ڈاکٹر کا یہ کہنا ہے کہ میں درد سے کبھی نجات نہ پا سکوں گی اور نہ ہی ٹھیک سے طوفان شہوت کے تجربے سے گزروں گی جب تک جراحی نہ کرالوں۔

سولوٹاروف نے پوچھا آیا میں بچہ جننا چاہتی ہوں۔"کیونکہ اگر تم آپریشن کراؤ گی" اس نے وضاحت کی "تو تمہارے بچہ ہو سکے گا۔تمہاری موجودہ حالت میں یہ سب کچھ ناممکن ہے"۔

بچہ! میں بچوں کی نجانے کب سے دیوانی تھی۔اپنے بچپنے میں،میں بااشک آنکھوں سے اپنے پڑوس کی لڑکیوں کو چھوٹی چھوٹی لڑکیوں سے کھیلتے دیکھتی تھی۔وہ کپڑے کیسے پہناتیں اور انہیں کیسے سلاتی تھیں۔مجھ سے کہا جاتا کہ وہ اصلی بچے نہیں ہیں وہ محض گڑیاں ہیں۔اگرچہ وہ میرے لیے جان والی تھیں چونکہ وہ خوبصورت تھیں۔میں گڑیوں پر مرتی تھی مگر میرے پاس ایک بھی نہ تھی۔

جب میرا بھائی ہرمن پیدا ہوا میں صرف چار سال کی تھی۔اس نے میری زندگی میں گڑیا نہ ہونے سے جو خلا تھا اسے پر کر دیا۔دو سال بعد ننھے لیبل کی آمد نے مجھے بے پایاں محبت سے بھر دیا۔میں ہمیشہ اسی کے ساتھ رہتی جھولا جھلاتی اور اسے سلانے کے لیے گنگناتی رہتی۔ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ جب وہ ایک برس کا تھا اماں نے اسے میرے بستر پر لٹا دیا۔جب وہ چلی گئیں تو بچہ چلانے لگا۔ہونہ ہو وہ بھوکا ہے میں سوچ میں پڑ گئی۔مجھے یاد آیا کہ ماں کس طرح اس کے منہ میں پستان دیتی ہیں۔میں بھی اسے اپنا پستان دوں گی۔میں نے اسے اپنی گود میں اٹھا لیا اور اس کے چھوٹے منہ کو اپنی طرف کھینچا۔اسے پلائے جاتی اور دھیمی آواز میں کہے جاتی کہ پیئے۔اس کے پھندہ لگنے لگا،چہرہ نیلا پڑ گیا اور سانس لینے کے لیے زور لگانے لگا۔اماں دوڑتی ہوئی آئیں اور پوچھنے لگیں کہ میں نے بچے کے ساتھ کیا کیا۔میں نے وضاحت کی۔انہیں ہنسی کا دورہ سا پڑ گیا پھر انہوں نے مجھے تھپڑ مارے اور خوب کوسا۔میں رونے لگی،کسی تکلیف کے سبب نہیں بلکہ اس لیے کہ میری چھاتیوں میں لیبل کے لیے دودھ نہ نکلا۔

اپنی خادمہ امیلیا کے لیے میرے دل میں کیوں اتنا رحم آتا تھا لازماً اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کے آئین کنچن (بچوں میں ایک بچہ) ہونے والا تھا۔بچوں کا شوق مجھے جنون کی حد تک تھا اور اب۔اب یہ ممکن ہونے جا رہا ہے کہ میرا اپنا بھی بچہ ہو اور مجھے پہلی مرتبہ ماں بننے کے اسرار اور اعجاز کا تجربہ ہونے والا تھا۔میں نے آنکھیں بند کر لیں اور دن میں راحت انگیز خواب دیکھنے لگی۔

ایک ظالم پنجے نے میرا دل پکڑ لیا۔میرا ڈراؤنا بچپن میرے سامنے آن کھڑا ہوا۔میری محبت کی للک منہ کھولے کھڑی تھی میری ماں جس کی تسکین نہ کر سکتی تھی۔باپ کی بچوں سے سخت گیری ان کا مارنے کے لیے پھٹ پڑنا،بہنوں اور مجھے پیٹنا۔دو

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

خوفناک واقعات ابھی تک میرے دماغ پر سوار ہیں۔ایک مرتبہ ابا نے ایک چمڑے کی پٹی سے مجھ پر کوڑے برسانے شروع کر دیئے، میری چیخ وپکار سے میرے چھوٹے بھائی کی آنکھ کھل گئی وہ بھاگتا ہوا آیا اور ابا کی پنڈلی میں دانت گاڑ دیے۔کوڑے برسنے تھم گئے۔ہیلینا مجھے اپنے کمرے میں لے گئی۔زخموں کی صفائی کی، میرے لیے دودھ لائی اور اپنے کلیجے سے لگالیا۔اس کے آنسو میرے آنسوؤں میں مل گئے جبکہ ابا باہر چیخ رہے تھے''میں اسے مارڈالوں گا!'' میں اس چھوکری کو قتل کر دوں گا۔''میں اسے فرماں برداری کا سبق دوں گا!''

دوسری مرتبہ کوانیس برگ میں جب ہمارے لوگ پو پلان میں سب کچھ گنوا بیٹھنے تھے اور اتنے بدحال تھے کہ میری اور ہرمین کی اسکول کی معقول تعلیم کے لیے رقم نہ بچی تو شہر کے ربی نے جو ہمارا دور کا رشتے دار تھا اس شرط پر ہماری مدد کرنے کا وعدہ کیا کہ وہ ہمارے چال چلن سے متعلق ماہانہ رپورٹ کو دیکھے گا اور اسکول میں تعلیمی ترقی پر بھی نظر رکھے گا۔اس سکی کو میں نے سخت ناپسند کیا اور مجھے بہت غصہ آیا پھر بھی مجھے رپورٹ پہنچانا پڑتی تھی۔ایک دن میرے برے رویے پر کم نمبر ملے۔میں گھر پہنچی تو خوف سے کانپ رہی تھی۔میں باپ کا سامنا نہ کرسکتی تھی......میں نے ماں کو وہ کاغذ دکھایا۔انہوں نے رونا شروع کر دیا۔کہنے لگیں کہ تم ہم سب کو تباہ کر کے چھوڑو گی۔اور تم ایک احسان فراموش اور خودسر لڑکی ہو۔اور وہ یہ کاغذ ابا کو دکھانے پر مجبور ہیں۔لیکن وہ میری طرف داری بھی کریں گی گو کہ میں اس کی مستحق نہیں ہوں۔میں بوجھل دل کے ساتھ وہاں سے ہٹ گئی۔دیوار سے نکلی ہوئی کھڑکی میں سے میں نے حد نگاہ تک پھیلے ہوئے کھیتوں پر نظر ڈالی۔وہاں بچے کھیل کود رہے تھے۔لگتا تھا جیسے وہ کسی اور دنیا کی مخلوق ہیں......میری زندگی میں کھیل کا عنصر بہت تھوڑا تھا۔ایک عجیب خیال میرے ذہن میں آیا کہ یہ کتنا اچھا ہو اگر مجھے تپ دق جیسا عارضہ لاحق ہو جائے!اس سے میرے والد کا دل نرم ہو جائے گا۔میں نے انہیں کبھی بھی سکس تہوار کے علاوہ نرم خو نہیں دیکھا یہ دن موسم خزاں میں ایک خوشی کا دن ہوتا ہے۔ابا شراب نہ پیتے تھے سوائے چند یہودی تہواروں کے دن۔خصوصاً اس روز لازماً۔ پھر وہ ترنگ میں آجاتے، بچوں کو اپنے گرد جمع کر لیتے اور ہمیں نئے لباس اور کھلونے دینے کا وعدہ کرتے۔ہماری زندگی میں یہی واحد موقع آتا جس کا ہم بے تابی سے انتظار کرتے رہتے۔مگر ایسا سال بھر میں صرف ایک مرتبہ ہوتا۔جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے وہ کہا کرتے کہ میں اس لڑکی کا خواہاں نہ تھا۔انہیں بیٹا چاہیے تھا۔سور کی بچی عورت نے مجھ سے فریب کیا۔لیکن اگر بفرض محال میں بہت بیمار پڑ جاتی، قریب المرگ تو وہ مہربان ہو جاتے۔پھر کبھی نہ پیٹتے اور نہ ہی بطور سزا مجھے کسی کنارے گھنٹوں کھڑے رہنے کی سزا دیتے یا پانی سے بھرا گلاس دے کر پیچھے آگے چلنے کو کہتے''اگر ایک قطرہ پانی چھلکا تو میں چابک سے ماروں گا۔'' چابک یا کوئی اوزار ہمیشہ ان کے ساتھ رہتا۔دونوں چیزیں میری رسوائی اور ابلیسی کی علامت تھیں۔انگنت کوششوں اور متعدد سزائیں بھگتنے کے بعد چھلکائے بغیر مجھے بھرے ہوئے گلاس کو لے کر چلنا آگیا۔اس ساری کارروائی سے میرے اعصاب جواب دے دیتے اور بعد میں مجھ پر گھنٹوں مردنی سی چھائی رہتی۔

میرے والد ایک وجیہ، فعال اور بھرپور قوت والے آدمی تھے۔ان سے خوفزدہ ہونے کے باوجود میں ان کو چاہتی تھی۔یہ بھی چاہتی تھی کہ وہ مجھ سے محبت کریں لیکن مجھے سمجھ میں نہ آتا تھا کہ ان کے دل میں کیسے جگہ پیدا کی جائے۔ان کی سخت گیری کا یہ نتیجہ نکلا کہ میں برعکس نکلی۔وہ اتنے سخت گیر کیوں ہیں، میں سوچا کرتی۔عہد ماضی میں گم میں دیوار سے نکلی کھڑکی کے باہر دیکھ رہی تھی۔

ناگاہ میرا سر شدید درد سے پھٹنے لگا یوں لگا جیسے میرے سر پر کسی نے لوہے کی سلاخ ماری ہو۔یہ میرے باپ کی مٹھی تھی جس سے میرے جوڑے کا کنگھا ٹوٹ چکا تھا جو میں اپنے لہراتے بالوں کو سمیٹنے کے لیے لگائے رکھتی تھی۔انہوں نے مجھے پٹخا اور ادھر ادھر کھینچتے رہے۔چلائے کہ''تم ہمارے لیے باعث ذلت ہو!تم ہمیشہ ایسی ہی رہو گی!تم میری بیٹی نہیں بن سکتیں، تمہاری شباہت نہ مجھ سے ملتی ہے نہ ہی اپنی ماں سے، تمہارے اطوار ہم سے جدا ہیں!''

بہن ہیلینا میری جان بچانے کی غرض سے ابا سے جوجھنے لگی۔اس نے مجھے ان کی گرفت سے نکالنے کے لیے کھینچنا شروع کر دیا اور جو مکے مجھے پڑنے تھے وہ اس بچاری پر پڑے۔آخر کار ابا تھک گئے، انہیں چکر آنے لگا اور فرش پر ڈھیر ہو گئے۔ہیلینا

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

نے ماں کو چیخ کر کہا کہ ابا بے ہوش ہو گئے ہیں۔ وہ مجھے تیزی سے اپنے کمرے میں لے گئی اور باہر سے دروازے پر تالا لگا دیا۔

والد کے لیے میری ساری چاہت اور انسیت نفرت میں ڈھل گئی۔ اس کے بعد میں ان سے کنارہ کشی کرنے لگی اور پھر جواب دینے کے علاوہ بات کرنا چھوڑ دی۔ میں وہی کرتی جو مجھ سے مشینی انداز میں کہا جاتا۔ ہمارے درمیان کی خلیج سال بہ سال بڑھتی رہی۔ گھر میرے لیے قید خانہ بن چکا تھا۔ جتنی مرتبہ میں نے فرار ہونے کی کوشش کی میں پکڑ لی گئی اور واپس لا کر ان زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا جنہیں میرے باپ نے میرے لیے خاص طور پر ڈھالا تھا۔ سینٹ پیٹرز برگ سے لے کر امریکہ تک، روچسٹر سے میری شادی کے بندھن تک میں نے تواتر سے فرار ہونے کی کوشش جاری رکھی۔ آخری اور حتمی وہ تھی جب میں روچسٹر سے نیویارک کے لیے روانہ ہوئی۔

اماں کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی اس لیے میں نے ان کے ہاں جا کر گھر گرہستی ٹھیک کی۔ جس وقت میں فرش کھرچ رہی تھی میرا باپ مجھے اس بات پر برا بھلا کہہ رہا تھا کہ میں نے کرشنر سے کیوں شادی کی تھی اور پھر اسے چھوڑا کیوں یا پھر اس سے دوبارہ کیوں بندھن جوڑا۔ تمہارا چال چلن خراب ہے۔ وہ یہ بھی کہے جاتا ''تم ہمیشہ خاندان کے لیے کلنگ کا ٹیکہ ہو۔'' وہ بولے گیا اور میں رگڑتی رہی۔

پھر یوں لگا جیسے میرے اندر کوئی بندھن ٹوٹ سا گیا۔ میرا اندوہناک اور تنہائی کا مارا بچپن، میری پر اذیت نوجوانی، بے لطف جوانی..... یہ سارے مصائب کی کتھا میں نے باپ کے چہرے پر دے ماری۔ وہ ہکا بکا رہ گیا جب میں نے دل کے پھپھولے پھوڑنے شروع کیے اور ہر الزام میں شدت پیدا کرنے کے لیے کھرچنے والا برش فرش پر مارے جاتی۔ ہر بے رحمی کا واقعہ جو میری زندگی میں درپیش آیا تھا اسے اس فرد جرم میں بیان کرتی گئی۔ ہمارے گھر کا بڑا سا باڑا، باپ کی برہم آواز جو اس میں گونجتی رہتی، اس کا ملازموں سے برا برتاؤ، ماں پر اس کی آہنی گرفت..... وہ تمام واقعات جن سے میرے دن آسیب زدہ بن جاتے یا وہ دہشتناک راتیں، غصے میں آ کر میں نے کہہ ڈالیں۔ میں نے اسے بتایا کہ اگر میں طوائف نہ بنتی جیسا کہ وہ مجھے کہا کرتا تھا، یہ اس کی غلطی نہ تھی۔ مجھ پر کئی مرتبہ یہ نوبت آ چکی ہے جب میں در بدر کی ٹھوکریں کھانے جا رہی تھی۔ یہ ہیلینا کی محبت اور جانثاری تھی جس نے مجھے بربادی سے بچا لیا۔

میرے الفاظ ایک دھارے کی طرح رواں تھے، فرش پر برش کی کھٹکھٹاہٹ میں میری پوری نفرت اور حقارت بول رہی تھی جو میرے دل میں باپ کے لیے تھی۔ یہ ہولناک منظر میری ہسٹیریائی چیخوں پر انجام کو پہنچا۔ میرے بھائیوں نے مجھے فرش پر سے اٹھایا اور بستر پر لٹا دیا۔ آئندہ صبح کے وقت میں گھر سے رخصت ہو گئی۔ اور نیویارک جانے سے پہلے میں کبھی بھی ابا سے ملنے نہ گئی۔

بعد میں مجھے پتہ چلا کہ میرے بچپن کے المناک حالات خلاف معمول نہ تھے کہ ہزاروں بچے ایسے تھے جن کی پیدائش والدین کی مرضی کے خلاف ہوئی تھی جنہیں مفلسی نے مضروب کیا اور معذور بنا دیا تھا اس سے بڑی وجہ جہالت اور غلط فہمی تھی۔ میرا کوئی بچہ بھی ان بدنصیب مظلوموں کی صف میں نہ شامل ہوگا۔

ایک وجہ اور بھی تھی وہ نئے آدرش میں میرا بڑھتا ہوا انہماک تھا۔ میں اس کی پوری طرح خدمت کرنے کی ٹھان لی تھی۔ اس مشن کو پورا کرنے کے لیے مجھے غیر متزلزل اور یکسو رہنا پڑے گا۔ ایک بچے کی تمنا میں برس ہا برس کا چھپا ہوا دکھ..... اس کا کسی دولت سے موازنہ کیا جائے جیسے پہلے یہ کئی شہداء ادا کر چکے ہیں؟ میں بھی قیمت چکاؤں گی اور تکالیف برداشت کروں گی۔ ماں بننے کی خواہش اور سب بچوں کی محبت میں میں کوئی راہ نکالوں گی۔ مگر آپریشن نہ ہوا۔

کئی ہفتوں کے آرام اور دوستوں کی محبت بھری دیکھ بھال..... اور ساشا کا وجود جو گھر لوٹ آیا تھا اس کے علاوہ منکن بہنیں، موسٹ جو اکثر دیکھنے آتا اور پھول بھیجا کرتا اور سب سے بڑھ کر فنکار لڑکا سب نے مجھے دوبارہ تندرست کر دیا۔ میرا بیماری کے بستر سے اٹھنا اس تجدید عہد سے ہوا جس میں اپنی طاقت کا پورا احساس موجود تھا۔ ساشا کی مانند میں بھی اب یہ محسوس کرنے

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

لگی تھی کہ میں ہر دشواری پر حاوی آسکتی ہوں اور اپنے آدرش کے لیے ہر امتحان سے گزر سکتی ہوں۔ کیا میں نے عورت کی توانا اور قدیم ترین تمنا کو دبانہ لیا تھا.....یعنی بچے کی خواہش کو۔

ان ہفتوں میں فیدیا اور میں ایک دوسرے پر عاشق ہو گئے۔ یہ امر مجھ پر عیاں ہو چکا تھا کہ فیدیا کے لیے میرے جذبات کسی طرح بھی ساشا کی محبت پر غلبہ نہیں پا سکتے۔ دونوں میری ذات کے مختلف ایوانوں پر اثر انداز ہوتے ہیں اور مجھے دوسری دنیا میں لے جاتے ہیں۔ وہ کوئی مخمصہ نہیں پیدا کرتے، وہ محض تکمیل ذات کرتے ہیں۔

میں نے فیدیا سے اپنی محبت کا ذکر ساشا سے کیا۔ اس کا ردعمل بہت فراخدلی والا اور میری توقع سے کہیں زیادہ حسین نکلا۔ ''عشق میں آزادی کے تمہارے نظریئے کا میں ہم خیال ہوں۔'' اس نے جواب دیا۔ وہ اپنی باقبضہ محبت کے میلان سے آگاہ تھا اور دیگر کمزوریوں کی طرح اسے ناپسند کرتا تھا جو اسے بوغ ژو اپس منظر والے ورثے میں ملی تھیں۔ شائد اگر فیدیا اس کا دوست نہ ہوتا تو وہ رقابت ضرور محسوس کرتا۔ اسے معلوم تھا کہ اس کے خمیر میں حسد کا عنصر نمایاں ہے۔ مگر فیدیا اس کا صرف دوست ہی نہ تھا بلکہ ہر محاذ پر اس کا رفیق بھی تھا۔ اور میں اس کے لیے علاوہ عورت ہونے کے کچھ اور بھی تھی۔ میرے لیے اس کے دل میں بے کراں جذبات تھے لیکن اس کی نگاہ میں انقلابی اور مبارزت کے معنی سب سے ارفع تھے۔

جب میرا مصور دوست اس روز گھر پہنچا تو ہم دونوں بغل گیر ہوئے۔ رات گئے تک ہم اپنے منصوبوں پر مزید عمل درآمد کے لیے باتیں کرتے رہے۔ جب ہم اٹھنے لگے تو ہم ایک عہد کر چکے تھے.....کہ ہم اپنے مقصد کے لیے زندگی تج کر دیں گے اور کوئی اعلیٰ کام کریں گے، ضروری ہوا تو ایک ساتھ جانیں دے دیں گے یا اس لیے جییں گے کہ اپنے آدرش کی خاطر کام کریں چاہے ہم میں سے کسی ایک کو جان بھی دینی پڑے۔ اس لیے آنے والے دن اور ہفتے تابناک بن گئے کیونکہ ہمارے دل نئی روشنی سے فروزاں تھے۔ ایک دوسرے کے لیے مزید گنجائش پیدا ہو چکی تھی۔ زیادہ معاملہ فہمی آ چکی تھی۔

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

باب ۶

موسٹ نے کچھ دن پہلے مجھے بتایا تھا کہ نیو انگلینڈ کی ریاستوں کی طرف وہ مختصر لیکچروں کا ایک دورہ کرنے کا منصوبہ بنا رہا ہے۔ آج اس نے اطلاع دی کہ وہ اب روانہ ہونے والا ہے۔ اس نے مجھے ساتھ چلنے کی دعوت دی۔ یہ بھی کہا کہ میں دبلی اور تھکی تھکی سی لگتی ہوں اور اس لیے جگہ کی تبدیلی میرے لیے مفید ہوگی۔ میں نے اس دعوت نامے پر غور کرنے کا وعدہ کر لیا۔

لڑکوں نے مجھے جانے پر مجبور کیا۔ فیدیا کا کہنا تھا کہ مجھے امور خانہ داری کی ذمہ داریوں سے علیحدہ ہو جانا چاہیے۔ جبکہ ساشا کا کہنا تھا کہ اس ذریعے مجھے نئے کامریڈوں سے متعارف ہونے کا موقع ملے گا اور مزید سرگرمیاں شروع کرنے کے لیے راہیں کھلیں گی۔

دو ہفتے کے بعد میں موسٹ کے ہمراہ فال ریور لائین جہاز کے ذریعے بوسٹن روانہ ہو گئی۔ اس سے پہلے میں نے کبھی ایسی کشادہ اور پر تعیش کشتی نہ دیکھی تھی۔ سردی سے بچاؤ والے شاہانہ کمرے، میرا والا موسٹ کے کمرے سے دور نہ تھا اس کے بھیجے لیلاک کے گلدستوں سے جگمگا رہا تھا۔ جب کشتی روانہ ہوئی اس وقت ہم عرشے پر کھڑے تھے۔ ناگاہ ایک خوبصورت سبز رنگ کا جزیرہ نمودار ہوا جہاں پر شکوہ درخت موجود تھے جو خاکستری رنگ کی عمارتوں پر سایہ فگن تھے۔ فلیٹوں کی عمارات کے سلسلے کے مقابلے میں منظر فرحت بخش تھا۔ میں موسٹ کی طرف مڑی۔ اس کا چہرہ بھرا بھرا ہو رہا تھا مٹھیاں بھنچی ہوئیں۔ ''یہ کیا ہے؟'' میں گھبرا کر چلائی ''یہ بلیک ویل جزیرے کا اصلاحی قید خانہ ہے'' ہسپانوی کیتھولک عدالتوں کے سزا یافتگان امریکہ میں یہیں قید کیے گئے تھے۔'' اس نے کہا، ''جلد ہی یہ عمارت مجھے بھی اپنی دیواروں میں قید کر لے گی۔''

تسکین دینے کی غرض سے میں نے اپنا ہاتھ اس کی مضطرب انگلیوں پر رکھا۔ بتدریج ان کی اینٹھن ختم ہو گئی اور اس کا ہاتھ میرے بازو سہلانے لگا۔ ہم وہاں دیر تک کھڑے رہے۔ دونوں کو ایک ہی خیال دامنگیر تھا۔ رات گرم تھی اور ہوا میں ماہ مئی کی بھبک۔ موسٹ کا ہاتھ میری کمر میں حمائل تھا اور وہ بلیک ویل جزیرے میں اپنے قیام کے تجربات بیان کر رہا تھا۔ جس میں اس کی ابتدائی زندگی اور آگے بڑھنے کی تفصیلات تھیں۔

ایسا لگتا تھا جیسے اس کی ذات کسی غیبی کوشش کا نتیجہ ہو۔ آغاز میں اس کے باپ نے ایک سیلانی والی زندگی گزاری، بعد میں وہ ایک وکیل کے دفتر میں نقل نویس ہو گیا۔ اس کی ماں ایک دولتمند گھرانے میں گورنس رہ چکی تھی۔ اس کی پیدائش کسی قانونی، اخلاقی یا مذہبی جواز کے بغیر ہوئی تھی۔ بندھن کو قانونی حیثیت بعد میں ملی تھی۔

بچے کی حیثیت میں اس پر گھر اپر تو اپنی ماں کا پڑا۔ اسی نے اس کو پہلا سبق پڑھایا اس سے بڑھ کر یہ کہ اس کے کچے ذہن کو اس زمانے میں رائج بے جواز مذہبی عقائد سے بچائے رکھا۔ اس کے ابتدائی سات سال خوش و خرم اور بے فکری میں بسر ہوئے۔ پھر وہ ایک المیے سے دوچار ہوا۔۔۔ اس کے گال میں ناسور ہو گیا، اس کی جراحی کرائی گئی جس کے نتیجے میں صورت بگڑ گئی۔ اگر اس کی چہیتی ماں جیتی رہتی تو اس کی شفقت شائید اس کے مسخ چہرے پر آوازیں کسنے والوں سے بچا لیتی۔ لیکن اس کی موت کے وقت وہ محض نو برس کا تھا۔ کچھ ہی دنوں کے بعد اس کے باپ نے دوسری شادی کر لی۔ اس کی سوتیلی ماں نے اس کی گزری ہوئی خوشگوار گھریلو زندگی کو بچے کے لیے جہنم میں بدل ڈالا۔ اس کی زندگی اجیرن ہو گئی۔ پندرہ سال کی عمر میں اسے اسکول سے ہٹا کر ایک جلد ساز کے پاس بطور شاگرد بٹھا دیا گیا۔ تبدیلی صرف یہ ہوئی ایک جہنم سے دوسری دوزخ۔ اس کی جسمانی

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

کجی ایک لعنت بن کر اس کا تعاقب کرتی رہی اور اسے نا قابل بیان عذاب جھیلنا پڑے۔

وہ تھیٹر کا دیوانہ تھا اس لیے ہر چونّی (فنگ) جو بچا سکتا اسے وہ ٹکٹ خریدنے میں صرف کر دیتا۔ اسے منڈوے پر پہنچنے کا شوق چرایا۔ شلرز کی تحریریں، خاص طور پر ولیم ٹیل، دی روبے اور فیسکو نے اس کے اندر جوش پیدا کر دیا اور وہ ان میں کام کرنے کے لیے تڑپنے لگا۔ ایک مرتبہ اس نے ایک تھیٹر کے مینجر سے کام حاصل کرنے کے لیے درخواست بھیجی تو اسے سرد مہری سے یہ جواب ملا کہ اس کا چہرہ اداکار کے بجائے ایک مسخرے کے لیے زیادہ موزوں ہے۔ یہ حادثہ جانکاہ تھا جس نے اسے اپنے گھاؤ کے متعلق اور حساس بنا دیا۔ یہ اس کی ذات پر آسیب بن کر طاری ہو گیا۔ یوں وہ مریضانہ طور پر خود بین ہو گیا بالخصوص عورتوں کی موجودگی میں۔ وہ ان پر فدا تھا لیکن بدنمائی کا خوف اسے ان سے دور ڈھکیل دیتا۔ کئی برس کے بعد جب تک وہ ڈاڑھی بڑھا لینے کی عمر تک نہ پہنچا وہ اپنی مریضانہ شرمیلے پن پر قابو نہ پا سکا۔ نوبت یہ آ گئی کہ وہ اپنی جان کے درپے ہو گیا۔ مگر روح میں کچھ ایسی بیداری آئی کہ وہ بچ گیا۔ نئے سماجی نظریات جن سے وہ واقف ہوا تھا۔ جنہوں نے اس میں عظیم مقاصد کے لیے ایسا ولولہ پیدا کر دیا جس نے جینے کی امنگ پیدا کر دی۔ بلیک ویل کے جزیرے کے نظر آنے سے چہرے کی بدنمائی کے تمام قدیم گھاؤ دوبارہ ہرے ہو گئے۔ انہوں نے وہاں اس کی ڈاڑھی مونڈ دی تھی اور اس کی گھناؤنی شکل ایک چھوٹے سے آئینے میں سے اسے گھور رہی تھی جسے وہ بندی خانے کے لیے چرا کر لایا تھا وہ جیل سے زیادہ اذیت ناک تھی، اسے یقین تھا کہ رائج سماجی نظام سے اسے سخت نفرت اس لیے ہے کیونکہ اس میں زندگی کی بے رحمی اور ناانصافی بھی شامل ہے۔ ان سب کا سبب اس کا جسمانی نقص ہے اور اسی کی وجہ سے اسے سبکی اور بدسلوکی سے واسطہ پڑتا تھا۔

وہ شدید کرب میں بول رہا تھا۔ اس کی دو مرتبہ شادی ہوئی، یہ بتائے جا رہا تھا۔ دونوں ناکام ہوئیں تب سے وہ سمجھ گیا کہ اب مجھے حقیقی محبت کے خیال کو دل سے نکال دینا چاہیئے۔۔۔ یہاں تک کہ اس کی ملاقات مجھ سے ہوئی، جب پرانی حسرت نے دوبارہ انگڑائی لی مگر اس کے ہمراہ شرم کا کربناک عفریت بھی لوٹ آیا۔ کئی ماہ تک اس کے اندر بہت بڑی آویزش نے ہلچل مچائے رکھی۔ یہ خوف کہ تمہیں کہیں مجھ سے گھن نہ آئے یہ آسیب مجھے کھائے جاتا تھا۔ مجھ کو ہر وقت یہی خیال گھیرے رکھتا۔۔۔ کہ میں تمہارا دل کس طرح جیت لوں اور تم میری ہو جاؤ اور کسی طرح میں تمہارے لیے ناگزیر ضرورت بن جاؤں۔ جب اسے یہ اندازہ ہوا کہ مجھ میں ایک طاقتور مقرر بننے کی صلاحیت ہے تو اس نے میری دکھتی رگ کو اس لیے پکڑ لیا تا کہ میرے دل تک پہنچ جائے۔ جب گاڑی میں ہم لوگ بیالیسویں اسٹریٹ پر سے گزر رہے تھے تو اس کی محبت خوف کے جذبات پر غالب آ گئی۔ اسے امید بندھ گئی کہ اس کی جسمانی کجی کے باوجود میں بھی اس سے محبت کرنے لگی ہوں۔ لیکن جب میں دورے سے لوٹی تو وہ مجھ میں پیدا ہونے والی تبدیلی کو تاڑ گیا۔ مجھ میں فعل مختار والے خیالات بیدار ہو رہے تھے۔ میں اس کی گرفت میں سے پھسلی جا رہی تھی، جس سے وہ بدحواس ہو گیا۔ ماضی کی پرعذاب یادوں نے پھر سر اٹھایا اور اس کی یہ کیفیت ہوئی کہ جسے وہ اتنا چاہنے لگا تھا اس کو رگیدنے لگا۔ اب، وہ اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ اسے دوستی کے علاوہ کچھ نہ چاہیئے۔

اس ستم رسیدہ شخص کے سادہ، بے تکلف اعتراف سے میرا دل بھرا گیا۔ اور اتنا اثر ہوا کہ میں بول نہ سکتی تھی۔ اسی سکوت میں میں نے موسٹ کا ہاتھ تھام لیا۔ برس ہا برس کے دبے ہوئے جذبات میرے جسم کو کچل چکے تھے سرشاری میں آہ نکل گئی اور میں پگھل کر رہ گئی۔ اس کے بوسے میرے آنسوؤں میں گھلنے لگے جس سے اس کا مسخ چہرہ چھپ سا گیا۔ وہ حسین لگ رہا تھا۔

اپنے دو ہفتوں پر محیط دورے میں موسٹ سے تنہائی میں ملاقات کم ہی ہوئی۔ دن بھر میں ایک یا دو گھنٹے کے لیے یا ایک شہر سے دوسرے شہر جاتے ہوئے سفر کے دوران میں۔ اس کا باقی ماندہ وقت اپنے کامریڈوں کے ساتھ مصروف رہ کر گزرا۔ میں اس کی اس بات پر عش عش کرتی کہ وہ کس طرح چبوترے پر جانے سے پہلے باتیں کیے جاتا شراب پیئے جاتا اور پھر جب بولنا شروع کرتا تو سب کچھ فراموش کر کے آتش بیانی پر اتر آتا۔ وہ سامعین کے وجود سے بے خبر لگتا تاہم مجھے یقین ہے وہ گردونواح کی ہر چیز سے باخبر رہتا تھا۔ موسٹ عین جوش خطابت میں اپنی جیبی گھڑی یہ دیکھنے کو نکالتا کہ کہیں زیادہ دیر تو نہیں بولا کیا اس کی تقریر

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

تیار شدہ تھی، میں سوچتی، فی البدیہہ تو نہیں لگتی؟ اس سے میں بہت فکر مند رہتی۔ میرے دل میں یہ بات نہ اترتی کہ جو وہ کہتا ہے کیا اسے اس پر یقین بھی ہے۔ اور اس کا انداز فصاحت اور وضاحت کرنے والے اشارے اور کنائے غیب سے آتے ہیں یا بالارادہ ناٹک ہیں۔ یہ خیالات مجھے بے چین رکھتے اور یہ باتیں ایسی تھیں جو میں موسٹؔ کو نہیں بتا سکتی تھی۔ علاوہ ازیں تھوڑا سا یکجائی کا جو وقت ہمیں ملتا تھا وہ بہت قیمتی ہوتا۔ میں اس کی متمنی تھی کہ وہ مجھے دوسرے ممالک میں سماجی جدوجہد کے متعلق بتائے جن میں اس نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا مثلاً جرمنی، آسٹریا، سوئیٹزرلینڈ اور بعد میں انگلینڈ بھی موسٹؔ کے تگ وتاز کا اکھاڑا بنا۔ اس کے دشمنوں نے اس نوجوان آتش زیر پا باغی سے پیدا ہونے والے خطرات کو سمجھنے میں کوئی غفلت نہ کی۔ انہوں نے زور لگا کر اسے کچلنے کی کوشش کی۔ وقفے وقفے سے گرفتاریاں، برسہابرس کی قید و بند اور ملک بدری چلتی رہیں۔ یہاں تک کہ روایتی استثنیٰ جو جرمن پارلیمنٹ (ریشاگ) کے ارکان کا حق ہے اسے اس سے بھی محروم رکھا گیا۔

موسٹؔ ریشاگ کی رکنیت کا انتخاب سوشلسٹ ووٹروں کی بڑی حمایت سے جیت گیا تھا۔ مگر اپنے دیگر منتخب ارکان کے برعکس اس پر جلد ہی یہ منکشف ہو گیا کہ ''کٹھ پتلیوں کے گھر'' کے پس پردہ کیا ہو رہا تھا جیسا کہ اس نے قانون ساز اسمبلی کا نام رکھا تھا۔ اسے پتہ چل گیا کہ عوام الناس کو اس ذریعے سے کچھ نہ ہاتھ آئے گا۔ اس کے دل سے سیاسی مقدس گائے پر سے اعتقاد اٹھ گیا۔ ایک نہایت ممتاز نوجوان اگسٹؔ اینڈوف جو بعد ازاں قیصر کی زندگی لے لینے کی سازش کے الزام میں جان سے گیا۔ اسی نے موسٹؔ کو انارکزم کے نظریات سے متعارف کرایا تھا۔ کچھ عرصے کے بعد اپنے قیام برطانیہ کے زمانے میں وہ سوشل ڈیماکریسی کے نظریات سے کنارہ کش ہو کر انارکزم کا ترجمان بن گیا۔

ہماری دو ہفتے کی یکجائی یا جو مہلت ہمیں تنہائی میں ملی اس سے یورپ میں ہونے والی سیاسی اور معاشی کشاکش کے متعلق اتنا زیادہ معلوم ہوا جتنا برسوں کا مطالعہ بھی نہ دے سکتا۔ انقلابی تاریخ موسٹؔ کی زبان کی نوک پر تھی۔ جس میں سوشلزم کا عروج جس کی بنا لاسالؔ، مارکسؔ اور اینگلز نے رکھی۔ سوشل ڈیموکریٹک پارٹی کا قیام، ابتدا میں انقلابی آتش سے معمور ہوتا مگر بتدریج سیاسی خواہشات کا سرایت کرنا۔ مختلف سوشل مکاتب فکر میں فرق، سوشل ڈیماکریسی اور انارکزم کے مابین ناگوار آویزش ایک جانب جن کی شخصی علامت مارکس اور اینگلز تھے اور دوسری طرف میخائل بوکانؔن اور لاطینی حصے تھے۔۔۔ یہی تنازعہ تھا جس سے پہلی انٹرنیشنل میں پھوٹ پڑ گئی۔

موسٹؔ نے مزے لے لے کر اپنے ماضی کے متعلق بتایا اور میرے بچپن کے متعلق کرید کرید کر پوچھا اور نوجوانی کے متعلق بھی۔ نیویارک آمد سے پہلے جو مجھ پر بیتی وہ مجھے پوچ لگتا لیکن موسٹ اس سلسلے میں مجھ سے اختلاف کرتا۔ اس کا کہنا تھا کہ ابتدائی ماحول اور حالات ایسے طاقتور عناصر ہیں جو کسی کی زندگی کو ڈھالنے والے اہم سانچے ہوتے ہیں۔ وہ سوچتا تھا سماجی مسائل کے سلسلے میں آیا میری بیداری کا سبب وہ صدمہ ہے جو مجھے شکاگو سانحے سے پہنچا ہے یا اس جذبے کا نتیجہ ہے جو میری ذات میں ایک عرصے سے پروان پا رہا تھا یعنی زمانہ ماضی میں اور میرے بچپن کے حالات میں۔

میں نے اپنی یادداشت میں سے کئی واقعات سنائے۔۔۔ اپنے اسکول کے زمانے کے چند تجربات جن میں اس نے خصوصاً دلچسپی لی۔

جب میں آٹھ برس کی تھی۔ ابا نے مجھے کو آئینس برگ میں دادی کے ساتھ رہنے اور تعلیم حاصل کرنے کے لیے بھیج دیا۔ دادی جان آرائش زلف کا ایک ادارہ چلاتی تھیں جس کو چلانے میں ان کی تین بیٹیاں ہاتھ بٹاتی تھیں۔ جبکہ اس کے پردے میں وہ اسمگلنگ کا کاروبار کرتی تھیں۔ ابا مجھے کوف نو تک پہنچانے گئے جہاں پر ہمیں دادی ملیں۔ راستے بھر وہ میرے ذہن میں یہ بٹھاتے رہے کہ یہ ان کی طرف سے کتنی بڑی قربانی ہے کہ وہ میری رہائش اور تعلیم کے لیے چالیس روبل ماہانہ خرچ کریں گے۔ میں ایک نجی اسکول میں پڑھنے جاؤں گی چونکہ وہ اس بات کو ناپسند کرتے ہیں کہ ان کا بچہ چٹائی اسکول جائے۔ اگر میں اچھی لڑکی ہوں گی تو وہ میرے لیے سب کچھ کرنے کو تیار ہیں۔ پڑھائی میں دلچسپی لوں، اساتذہ، دادی، پھپیوں اور پھوپھاؤں کا ادب

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

کروں۔ اگر میرے خلاف شکائتیں آنے لگیں تو میں گھر کا دروازہ بند سمجھوں اور وہ کو آنیس برگ اس لیے آئیں گے تا کہ میری ٹھکائی کریں۔ میرا دل باپ کے خوف سے کانپ رہا تھا۔ دادی نے جس پر محبت انداز سے میرا استقبال کیا تھا وہ بھی میری بے کسی کا مداوا نہ بن سکا۔ میری صرف ایک خواہش تھی کہ کسی طرح باپ سے چھٹکارہ مل جائے۔

کو آنیس برگ میں دادی کے گھر میں ''جائے تنگ است مردم بسیار'' والی حالت تھی۔ اس میں تین کمرے اور ایک باورچی خانہ تھا۔ سب سے اچھا کمرہ پھوپھی اور ان کے میاں کے لیے مخصوص تھا۔ جبکہ مجھے اپنی سب سے چھوٹی پھوپھی کے ساتھ سونا پڑتا۔ مجھے کسی کے ساتھ ایک بستر میں سونے سے ہمیشہ سے چڑ تھی۔ فی الواقع میری بہن ہیلینا اور میرے درمیان عرصے سے یہی مخاصمت کی وجہ تھی۔ ہر رات ہمارے درمیان دلائل کی تکرار ہوتی۔ کون دیوار کی طرف سوئے گا اور کون باہر کی جانب؟ میں باہر کی طرف سونے پر اصرار کرتی جس سے مجھ میں گہری آزادی کا احساس پیدا ہوتا۔ یہاں بھی یہ سوچ کر کہ مجھے پھوپھی کے ساتھ سونا پڑے گا اس سے جی بیٹھنے لگا۔ لیکن وہاں کوئی اور جگہ خالی نہ تھی۔

پھوپھا کی صورت دیکھتے ہی میں ان سے نفرت کرنے لگی۔ مجھے اپنے گھر کا وسیع احاطہ بہت یاد آتا جس کے آگے کھیت اور پہاڑیاں تھیں۔ میری دنیا حسین اور تنہائی والی تھی۔ بہت جلد مجھے اسکول بھیج دیا گیا۔ وہاں میں نے دوسرے بچوں سے دوستی کر لی اور تنہائی میں کچھ کمی آ گئی۔ ایک مہینے تک تو سب کچھ ٹھیک ٹھاک رہا۔ پھر دادی کو نہ جانے کیوں غیر معینہ مدت کے لیے شہر چھوڑنا پڑا۔ اس کے فوراً بعد میری آزمائش کا زمانہ شروع ہو گیا۔ پھوپھا کا یہ کہنا تھا کہ اسکول بھیجنے میں روپے کا ضیاع ہے اور چالیس روبل میں میری کفالت مشکل سے ہوتی ہے۔ میری پھوپھیوں نے احتجاج بھی کیا مگر بے سود۔ وہ سب اس سے سہمی رہتیں کیونکہ وہ ان پر ہمیشہ دھونس جماتا۔ میرا اسکول جانا بند کر کے گھریلو کام پر لگا دیا گیا۔

بہت صبح سویرے اٹھ کر میں ناشتے کے لیے روٹی، دودھ اور چاکلیٹ لینے جاتی اور رات میں آٹھ بجے تک مجھے کام میں لگائے رکھا جاتا۔ بستر درست کرتی، جوتے چمکاتی، فرش رگڑتی اور کپڑے دھوتی رہتی یہاں تک کہ کھانا بھی پکاتی مگر میرا پھوپھا میری کسی بات سے خوش نہ ہوتا۔ اپنی اکھڑ آواز میں دن بھر حکم چلاتا رہتا جس سے میری پیٹھ کی ہڈی میں سردی کی لہر دوڑتی رہتی۔ میں چاکری کرتی رہی۔ راتوں میں رو کر پہلے دل کی بھڑاس نکالتی پھر سوتی۔

میں دبلی ہو کر زرد ہو گئی۔ میرے جوتے ایڑی پر سے گھس گئے۔ میرے کپڑے پھٹ کر جھالر بن گئے اور کوئی ایسا نہ تھا جس کے پاس جا کر فریاد کرتی۔ میری غمگسار دو عمر رسیدہ ملازمائیں تھیں جو ہمارے ہی گھر کے تہہ خانے میں رہتی تھیں۔ ایک میری خالہ بھی تھیں بہت نیک دل۔ وہ زیادہ تر علیل رہتیں اور ان سے جا کر ملنے کی مہلت شاذ و نادر ہی ملتی۔ لیکن یہ دونوں خواتین مجھے اکثر اپنا مہمان بنا لیتیں، کافی پلاتیں اور بھنے باداموں سے میری تواضع کرتیں جو میرا مرغوب میوہ ہے۔ میں ایسی خوش ذائقہ اشیا کو (کوندی تو ورے) نعمت خانے میں رکھی دیکھتی اور للچائی نظریں ان پر ڈالتی رہتی۔ مگر میرے پاس کبھی دس فنگ نہ ہوتے کہ خرید لوں۔ میری دونوں دوست وہ سب کچھ مجھے دیتیں جو میں چاہتی تھی اس کے علاوہ اپنے خوبصورت باغ سے پھول بھی دیتیں۔

میں ان کے کمروں میں اس وقت تک جانے کی جرات نہ کرتی جب تک میرے پھوپھا دور نہ چلے گئے ہوں۔ ان کے شفیقانہ استقبالیہ حروف میرے فگار دل پر مرہم کا کام کرتے۔ وہ ہمیشہ یہ چھ الفاظ ہوتے ''نا ایمش نوخ امر ہام گلی'' (ہمیں گلی جانے کی اتنی جلدی نہیں ہے) یہ محض اس لیے ہوتا کہ میں ربڑ کے بوٹ پہنے رہتی کیونکہ میرے جوتے کی ایڑیاں گھس چکی تھیں۔

کبھی کبھار ایسا بھی ہوا جب مجھے خالہ سے ملاقات کے لیے جانے کا موقع نہ مل سکا وہ کہتی رہتیں کہ میرے والدین کو خط لکھا جائے اور کہا جائے کہ وہ آ کر مجھے لے جائیں۔ میں ان کی بات پر دھیان نہ دیتی۔ میں باپ کے آخری کلمات نہ بھولی تھی۔ اس کے علاوہ دادی اماں کسی دن اتر سکتی تھیں اور مجھے پتہ تھا کہ وہ مجھے ڈراؤنے پھوپھا سے بچا لیں گی۔

ایک سہ پہر ایسا ہوا کہ دن بھر شدید کام کاج اور بازار کے متعدد پھیروں کے بعد، پھوپھا نے یہ کہا کہ مجھے ایک اور پارسل

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

پہنچانا ہوگا۔ مجھے معلوم تھا کہ پتہ دور کا ہے۔ نہ جانے تکان سے یا میں اس شخص سے سخت متنفر تھی مجھ میں کہاں سے ہمت آ گئی اور یہ کہا کہ میں یہ سفر نہیں طے کر سکتی میرے پاؤں میں بہت درد ہو رہا ہے۔ اس نے میرے منہ پر زناٹے کا تھپڑ رسید کر دیا اور چیخا ''تمہاری اجرت میں تمہاری کفالت ممکن نہیں ہے! تم سست ہو!'' جب وہ کمرہ چھوڑ کر چلا گیا تو میں راہ داری میں نکل آئی، سیڑھیوں پر بیٹھ گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ یکا یک یوں لگا جیسے کسی نے میری پیٹھ میں ٹھوکر ماری ہو۔ جب میں سیڑھیوں پر لڑھک رہی تھی تو میں نے جنگلے کا ڈنڈا پکڑنے کی کوشش کی مگر نیچے پڑے کباڑ میں جا گری۔ کھٹ پٹ نے بہنوں کو چوکنا کر دیا، وہ دوڑی دوڑی آئیں کہ دیکھیں کہ کیا ہوا ہے ''وہ لڑکی لڑھک گئی ہے'' وہ چلائیں۔ ''بدذات نے لڑکی کو مار ڈالا!'' وہ مجھے اٹھا کر اپنے کمرے میں لے گئیں اور میں ان سے چمٹ گئی۔ یہی منت کیے جاتی کہ مجھے اب پھوپھا کے پاس نہیں جانا۔ ایک ڈاکٹر طلب کیا گیا اس نے کہا کہ کوئی ہڈی نہیں ٹوٹی لیکن میرے گھٹنے میں موچ آ گئی ہے۔ مجھے بستر پر لٹایا گیا میری نرسنگ کی گئی اور ایسی دیکھ بھال کی گئی جس طرح صرف میری ہیلینا کرتی ہے۔

دونوں میں سے بڑی والی بہن ولیلمینا ہاتھ میں ایک چھڑی لیے زینے سے اوپر پہنچ گئی۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس نے پھوپھا سے کیا کہا۔ لیکن اس کے بعد وہ کبھی بھی میرے نزدیک نہ آیا۔ میں اپنے مربیوں کے درمیان میں رہنے لگی۔ ان کے باغ اور سایہ عاطفیت میں دن بسر کرنے لگی۔ اور جی بھر کے بھنے بادام کھاتی رہتی۔

جلد ہی میرے ابا اور دادی پہنچ گئے۔ چچی تیا نے انہیں تار بھیج کر بلایا تھا ابا میری حالت دیکھ کر بھونچکا رہ گئے۔ انہوں نے مجھے اپنے بازوؤں میں لے کر چومنا شروع کر دیا۔ جب میں چار سال کی ہوئی تھی اس وقت سے لے کر آج تک کبھی ایسا نہ ہوا تھا۔ اس کے بعد دادی اور داماد میں بڑی بک بک جھک جھک ہوئی جس کا خاتمہ اس طرح ہوا کہ بیٹی داماد کو رہائش چھوڑنا پڑی۔ جلد ہی ابا جی مجھے پوپلان واپس لے آئے۔ تب یہاں آ کر مجھے پتہ چلا کہ وہ باقاعدگی سے میرے اخراجات کے لیے چالیس روبل بھیجا کرتے تھے۔ اور اسی تواتر سے میرے پھوپھا ان کو آگاہ کرتے رہے کہ اسکول میں میری کارکردگی عمدہ جا رہی ہے۔

موسٹ میری پتاسن کر بہت متاثر ہوا۔ اس نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور میری ہتھیلی کو بوسہ دیا ''آرس آرشن پرودش'' وہ کہے جاتا۔ ''تمہارا بچپن بالکل مجھ جیسا تھا خصوصاً ڈائن سوتیلی ماں کی آمد کے بعد۔'' اس نے مجھ سے کہا کہ وہ اب پہلے سے بھی زیادہ اس بات کا قائل ہو چکا ہے کہ یہ بچپن کا اثر ہے جس نے مجھے وہ بنا دیا جو میں ہوں۔

اب جو میں نیویارک لوٹی تو میرے نظریات میں کہیں زیادہ جان آ چکی تھی۔ اور اس بات پر فخر تھا کہ مجھے جان موسٹ کا اعتماد اور اس کی محبت حاصل تھی۔ میری یہ خواہش تھی کہ میرے تمام نوجوان دوست بھی اسے میری نظر سے دیکھیں۔ میں نے رنگین پیرائے میں وہ سب کچھ سنا ڈالا جو مجھ پر دو ہفتے کے دورے میں گزری۔۔۔ سب کچھ سوائے اس کے جو روانگی کے فوراً بعد ہوا تھا۔ دوسری صورت میں میں نے محسوس کیا کہ اس کے معنی یہ ہوں گے کہ میں اس کے دل کے سربستہ راز فاش کر رہی ہوں۔ میں یہ برداشت نہیں کر سکتی تھی کہ اس کے کسی قول یا فعل پر کوئی داغ لگ جائے۔

ہم لوگ تیرھویں اسٹریٹ پر منتقل ہو گئے۔ ہیلین منکن اپنی بہن کے پاس واپس جا کر رہنے لگی کیونکہ ان کے والد اب ان کے ساتھ نہ رہتے تھے۔ ساشا، فیدیا اور میں فلیٹ میں حصہ دار تھے۔ یہ موسٹ کے لیے فرای ہایٹ کے غل غپاڑے سے فرار کے بعد نخلستان کا کام کرتا تھا۔ ساشا اور اس کے درمیان اکثر زبانی جھڑپیں بھی ہوتیں جس میں ذاتیات کا دخل نہ ہوتا بلکہ انقلابی معاملات میں ہمواری، پرچار کے ذرائع، جرمن اور روسی کامریڈوں کے درمیان پائے جانے والے جوش و خروش کی کمی بیشی یا اس سے ملتے جلتے معاملات۔ لیکن یہ احساس مجھے ستائے جاتا کہ ان معاملات کی تہہ میں شائید کچھ اور پروان پا رہا ہے جو ہو نہ ہو مجھ سے متعلق ہے۔ ان تنازعات سے میں بے لطف ہو جاتی۔ چونکہ میں ہمیشہ ان کے مخصوص دلائل کو موڑ کر عمومی امور میں ڈھالنے میں کامیاب ہو جاتی اس لیے بحث و مباحثہ دوستانہ انداز میں ختم ہو جاتا۔

سال (۱۸۹۰ء) کے موسم سرما میں ریڈیکل صفوں میں سائبیریا سے متعلق رپوٹوں پر بہت کھلبلی پڑ گئی جو ایک امریکی صحافی

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

جارج کینان لایا تھا۔روس کے سیاسی قیدیوں اور جلاوطن شہریوں کی حالت زار سن کر امریکی اخبارات نے بھی طویل تبصرے کیے۔ہم لوگ جو ریاست ہائے متحدہ کے مشرق کے باسی تھے ہمیں خفیہ پیغام رسانی کے ذرائع سے ان ہولناک واقعات کے متعلق پہلے سے خبریں مل رہی تھیں۔سال بھر پہلے خوفناک چیزیں یاکٹسک میں ہو چکی تھیں۔ان سیاسی کارکنوں کو جنہوں نے اپنے کامریڈوں کے ساتھ ہونے والی بدسلوکی پر احتجاج کیا تھا، جھانسے سے جیل میں پہنچا دیا گیا اور پھر ان پر محافظین نے گولی چلا دی، متعدد زیر حراست قیدی ہلاک ہو گئے جن میں عورتیں بھی تھیں، جبکہ کئی دیگر کو بعد میں جیل کے اندر اس الزام پر پھانسی دے دی گئی کہ یہ ''شورش پر اکسا رہے تھے۔'' ہمیں دوسرے واقعات کا بھی علم تھا جو اتنے ہی دہشت والے تھے۔مگر زار کی ان انسانیت سوز حرکتوں پر امریکی صحافت نے چپ سادھے رکھی۔

تاہم اب ایک امریکی مستند اعداد و شمار اور تصاویر لایا تھا لہذا اب اسے نظر انداز کرنا ممکن نہ تھا۔اس کی تحریر نے عوامی جذبے سے سرشار کئی مرد وزن کو ہلا کر رکھ دیا جن میں جولیا وارڈ ہو، ولیم لائیڈ گیریسن، ریڈ مند نوبل، لوئی اسٹون بلیک ویل، جیمز رسل لاویل، لائی مین ابٹ اور دوسرے تھے جنہوں نے روسی آزادی کے خواہاں لوگوں کا پہلا اجتماع منظم کیا۔ان کے ماہنامے 'فری رشیا' نے یہ تحریک شروع کی کہ مجرم پناہ گزینوں کے حوالہ کرنے کے لیے روس سے ہونے والے مجوزہ معاہدے کی مخالفت کی جائے۔ان کی سرگرمیوں اور شور وغوغا نے شاندار نتائج سے ہم کنار کیا۔دیگر باتوں کے علاوہ انہیں یہ کامیابی ہوئی کہ مشہور انقلابی ہارٹمین کی زار کے پٹھوؤں کے چنگل میں منتقلی منسوخ ہو گئی۔

جب ہمیں یاکٹسک میں ہونے والے انتہائی مظالم کے متعلق پتہ چلا، ساشا اور میں نے روس واپسی کے متعلق غور کرنا شروع کر دیا۔ہم اس صحرائے امریکہ میں کونسا کارنامہ انجام دے سکتے ہیں؟ کئی برس تو زبان کو اچھی طرح سیکھنے میں لگیں گے اور ساشا کو عوامی مقرر بننے میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔روس میں ہم سازشی کاموں میں لگ سکتے تھے۔ہم اول و آخر روسی تھے۔کئی مہینے ہم اسی خیال پر غور کرتے رہے مگر درکار رقم نہ ہونے نے ہمیں ارادہ ترک کرنے پر مجبور کر دیا۔لیکن اب پھر روس کے خوفناک حالات جن کا جارج کینان نے ڈھنڈورا پیٹ دیا یوں ہمارے منصوبے میں جان پڑ گئی۔ہم نے طے کیا کہ اس مسئلے پر موسٹ سے مشورہ کیا جائے۔اس خیال کو سن کر وہ اچھل پڑا ''ایما ایک اچھی مقرر کی طرح پیش قدمی کر رہی ہے'' اس نے کہا ''جب وہ زبان پر دسترس حاصل کر لے گی، وہ یہاں ایک طاقت بن کر ابھرے گی۔لیکن تم روس کے لیے زیادہ کارآمد ہو گے۔وہ ساشا کا ہم خیال تھا۔'' اس نے وعدہ کیا کہ وہ رقم کا بندوبست کرنے کے لیے صیغہ راز میں ایک گشتی مراسلہ قابل اعتماد کامریڈوں کو بھیج سکتا ہے تاکہ ساشا کے سفر کے انتظامات اور بعد کے کاموں کے لیے رقم جمع کی جائے۔حقیقت تو یہ تھی کہ اس نوعیت کی دستاویز ساشا بھی لکھ سکتا تھا۔موسٹ نے یہ تجویز بھی پیش کی کہ ساشا کے لیے زیادہ مناسب یہ ہوگا کہ وہ پہلے چھپائی کا کام سیکھ لے جس سے اسے روس میں انارکسٹ ادب کی طباعت میں سہولت ہو۔

مجھے یہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی کہ اس منصوبے کی سرگرمیوں نے موسٹ میں تروتازگی پیدا کر دی۔میں اپنے یار پر اس کے اعتماد پر پھولی نہ سماتی تھی۔مگر میرا دل اس خیال سے بیٹھا جاتا تھا کہ وہ یہ نہ چاہتا تھا کہ میں بھی جاؤں۔فی الوقع اسے یہ قطعاً اندازہ نہیں تھا کہ ساشا کی تنہا روس روانگی سے مجھ پر کیا بیتے گی۔نہیں، ایسا کبھی نہ ہوگا، میں نے دل ہی دل میں فیصلہ کر لیا۔

اس پر اتفاق ہو گیا کہ ساشا نیو ہیون چلا جائے۔وہاں ایک کامریڈ کے چھاپہ خانہ میں اس کام کے جملہ پہلوؤں سے خود کو مانوس کر لے۔میں بھی ساشا کے ساتھ نیو ہیون جاؤں گی تاکہ اس کے قریب رہوں۔میں ہیلن اور لفا منکن کو بھی بلا لوں گی اور فیدیا کو بھی۔ہم وہاں کرائے پر ایک گھر لے لیں گے اور بالآخر میں اپنے مقصد اول کا آغاز کر سکوں گی یعنی لباس سازی کا امداد باہمی کا ایک ادارہ۔ہم اپنے آدرش کے لیے بھی کام کر سکتے ہیں۔لیکچرز منظم کر سکتے ہیں، موسٹ اور دوسرے خطیبوں کو دعوت دے سکتے ہیں۔موسیقی اور ناٹک کی تقریبات منعقد کر سکتے ہیں، نشر و اشاعت کے لیے عطیات جمع کر سکتے ہیں۔ہمارے دوستوں کو یہ خیال پسند آیا۔موسٹ نے کہا کہ اسے اس بات سے خوشی ہوگی کہ اس کا ایک اور گھر اور دوست ہیں جہاں جا کر وہ

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

آرام کرسکتا ہے۔ساشا فوراً نیو ہیون روانہ ہوگیا۔فیدیا کے ساتھ مل کر میں نے وہ گھریلو اشیا اونے پونے بیچ ڈالیں جنہیں ساتھ لے جانا دشوار تھا۔اور باقی سب جس میں میری جاں نثار سلائی مشین بھی شامل تھی ہم نیو ہیون باندھ کر لے گئے۔ایک جگہ جمتے ہی ہم نے ''گولڈ مان اینڈ منکن خیاط'' کی تختی ٹانگ دی۔لیکن جلد ہی حالات نے ہمیں سمجھا دیا کہ بے تاب گاہک گلی کے عقب میں قطار بنائے نہیں کھڑے ہیں اس لیے شروع میں ہمیں دوسرے ذرائع سے آمدنی پیدا کرنا ہوگی۔میں اس لیے واپس زنانہ زیر جامے بنانے والی فیکٹری میں پہنچ گئی جہاں کرشنر سے پہلی طلاق کے بعد میں نے ملازمت کی تھی۔اس بات کو ابھی محض تین برس گزرے تھے مگر یوں لگا جیسے صدیاں بیت چکی ہیں۔میری دنیا مکمل طور پر بدل چکی تھی جس کے ساتھ میں بھی۔

ہیلن نے بھی میرے ساتھ فیکٹری میں ملازمت کر لی جبکہ انا نے گھر سنبھال لیا۔وہ اچھی سلائی کرتی تھی مگر کٹائی اور جسم کے لیے موزوں بنانا اس کے بس کے باہر تھا۔میں اس کے لیے رات میں کام تیار کرتی تا کہ وہ دن میں اسے مکمل کر لے۔

فیکٹری میں سارا دن مشین چلانا سخت جسمانی مشقت والا کام تھا۔گھر آ کے کھانا پکانا (ہماری مختصر سی برادری میں کسی کو کھانا پکانا نہ آتا تھا) اس کے بعد اگلے دن کے لیے کپڑے کی تراش وخراش اور پیائش کے مطابق بنانا۔لیکن ان دنوں میری صحت بہت اچھی تھی اور ہمارا مقصد بھی اعلیٰ تھا۔پھر اس کے علاوہ ہمارے سماجی مفادات بھی تھے۔ہم نے فروغ تعلیم کے لیے ایک گروپ منظم کیا۔لیکچر کرائے،محفلیں اور ناچ کی تقریبات۔ہمارے پاس اپنی ذات کے متعلق سوچنے کا وقت نہ تھا۔ہماری زندگیاں مصروف اور آنند تھیں۔

موسٹ اپنے لیکچرز کے سلسلے میں آیا اور ہمارے ساتھ قیام کیا۔سولوٹاروف بھی آیا اور ہم نے نیو ہیون میں اس کے اس لیکچر کے لیے جو میرے لیے پہلا تھا اس کی یاد میں ہم نے جشن منایا۔ہمارا منڈل دیگر تمام ترقی پسند روسیوں، یہودیوں اور جرمن عناصر کا مرکز بن گیا۔ہماری سرگرمیاں کئی غیر ملکی زبانوں میں چل رہی تھیں اس وجہ سے اخبارات اور پولیس کی توجہ ہماری طرف نہ ہوئی۔

ہمارے حلقے کی رکنیت میں بتدریج اضافہ ہونے لگا۔جس کی وجہ سے امکانات پیدا ہونے لگے کہ مجھے جلد ہی فیکٹری چھوڑنا پڑے گی۔ساشا چھاپہ خانے میں بڑے معرکے سر کیے جا رہا تھا۔فیدیا اس لیے نیویارک لوٹ گیا کیونکہ اسے نیو ہیون میں کام نہیں مل رہا تھا۔ہماری نشر واشاعت کی سرگرمیاں ثمر آور ثابت ہو رہی تھیں۔لیکچرز میں بہت لوگ آ رہے تھے،لٹریچر بھی بہت فروخت ہو رہا تھا اور فرای ہایٹ کے بہت سے خریدار بھی بن گئے۔ہماری زندگی فعال اور دلچسپ ہوگئی تھی۔لیکن اسی عرصے میں ایک گڑبڑ ہوگئی اینا جو نیویارک میں بیمار رہتی تھی،اس کی حالت بگڑ گئی اور اس میں تپدق کی علامتیں نمودار ہونے لگیں۔اور اتوار کی ایک سہ پہر میں موسٹ کا لیکچر ختم ہونے پر ہیلن پر ہسٹریا کا دورہ سا پڑا۔اس دورہ پڑنے کی بظاہر کوئی خاص وجہ تو نظر نہ آتی تھی۔لیکن اگلی صبح میں اس نے مجھے اعتماد میں لے کر بتایا کہ اسے موسٹ سے محبت ہوگئی ہے۔اس نے یہ بھی برملا کہا کہ اسے نیویارک جانا ہی پڑے گا۔اس لیے کہ وہ اس سے دور رہ کر نہیں جی سکتی۔

میں کچھ دنوں سے موسٹ سے تنہائی میں نہیں مل پائی تھی۔وہ اپنے لیکچروں کے بعد آتا لیکن کچھ مہمان موجود ہوتے۔وہ شام میں نیویارک جانے کے لیے ٹرین پکڑ لیتا۔کبھی کبھی میں موسٹ کی فرمائش پر نیویارک کا چکر لگاتی۔مگر ہماری ملاقاتیں عموماً چخ چخ پر ختم ہوتیں۔اس کی خواہش تھی کہ ملاقاتوں کے درمیان ناغہ کم ہو جو مجھے منظور نہ تھا۔ایک مرتبہ تو وہ خفا ہوگیا اور کہنے لگا میں تمہاری منت سماجت نہیں کروں گا۔وہ جب چاہے ''ہیلن کو بلا لے''۔جب تک ہیلن نے اعتراف نہ کیا تھا میں نے اسے مذاق سمجھا۔میں اب سوچتی ہوں کہ واقعی موسٹ اس نوخیز کو چاہتا تھا۔

اگلے اتوار کو اس نے ہمارے ہاں دوپہر میں کھانا کھایا اور پھر ہم دونوں مٹر گشتی کے لیے نکل پڑے۔میں نے اس سے پوچھا کہ وہ ہیلن کے لیے اپنے احساسات بتائے۔اس کا جواب تھا ''مضحکہ خیز'' لڑکی کو محض ایک مرد درکار ہے۔اس کا خیال ہے کہ وہ مجھ پر مرتی ہے۔مجھے یقین ہے کہ کوئی اور شخص بھی میری جگہ لے سکتا ہے۔اس کی در پردہ الزام تراشی مجھے بری لگی کیونکہ میں ہیلن کو جانتی ہوں۔میں نے جواباً کہا۔میں جانتی ہوں ہیلن ان میں سے نہیں ہے جو یوں خود کو سپرد کر دے جس طرف اس کا

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

اشارہ ہے۔وہ محبت کی متمنی ہے۔میں نے جواب دیا۔موسٹ کی ہنسی میں بے اعتباری تھی۔''محبت محبت ۔۔۔۔یہ سب کھوکھلی نامعقولیت ہے۔'' وہ بڑبڑایا''حقیقت صرف جنس ہے'' میں سوچنے لگی، کچھ بھی کہیئے ،ساشا درست نکلا۔موسٹ عورتوں کا لحاظ صرف ان کی نسوانیت کی وجہ سے کرتا تھا۔غالباً مجھ پر اس کی عنایات کا سبب بھی یہی تھا۔

مجھے شروع ہی میں اندازہ ہوگیا تھا کہ میرے لیے موسٹ میں کوئی جسمانی کشش نہ تھی بلکہ اس کی دانشوری تھی۔اس کی جگمگاتی صلاحیتیں،اس کی مخصوص متضاد شخصیت جس نے مجھ پر سحر سا کر دیا۔جو تکالیف اور قید و بند کی سزائیں اس نے جھیلیں اس نے میرا دل موم کر دیا حالانکہ میں اس کی شخصیت کے کئی اوصاف کو ناپسند بھی کرتی تھی۔وہ مجھ پر سرد مہری کا الزام لگا دیتا کہ میں اس سے جنس نہیں کرتی۔ایک مرتبہ جب ہم دونوں نیو ہیون میں چہل قدمی کر رہے تھے وہ اس بات پر اڑ گیا۔میرے مستقل انکار سے وہ برہم ہوگیا اور ساشا پر لعنت ملامت کرنے لگا۔کہنے لگا یہ بات مجھے عرصے سے معلوم ہے کہ میں ''اس متکبر روسی یہودی'' کو ترجیح دیتی ہوں۔جس کی یہ ہمت کہ مجھے آنکھیں دکھائے یعنی موسٹ سے باز پرس کرے۔اور یہ سمجھائے کہ کون سے افعال انقلابی ضابطوں کے مطابق ہیں۔وہ ہمیشہ اس کی تنقید کو نظر انداز کرتا رہا جو''ایک نوجوان احمق ہے اور جو زندگی کے متعلق اناڑی ہے۔'' لیکن وہ ان تمام باتوں سے بیزار ہو چکا ہے اسی لیے روس جانے میں اس کی مدد کر رہا ہے تاکہ میری نظروں سے دور ہو جائے۔مجھے ساشا اور اس میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا ہوگا۔

میں دونوں میں پرورش پانے والی خاموش رقابت سے آگاہ تھی۔لیکن اس سے پہلے موسٹ نے ساشا کے متعلق اس لہجے میں کبھی کوئی بات نہ کی تھی۔مجھے تو جیسے ڈنک سا لگا۔موسٹ کی عظمت یکا یک کافور ہوگئی۔میری توجہ ایک نقطے پر مرکوز ہوگئی۔کہ اس نے میری عزیز اور انمول شے پر حملہ کرنے کی جرات کیسے کی؟ جو ساشا ہے۔جو حریت اور ولولے کا نشان بھی ہے۔میں چاہتی تھی کہ موسٹ اور پوری کائنات کو میری اس 'متکبر یہودی روسی' سے محبت کا علم ہو جائے۔میں نے برملا یہ بات کہ ڈالی' میرے لہجے میں درد اور وارفتگی موجود تھی۔میں بھی روسی یہودن ہوں۔موسٹ صاحب آپ انارکسٹ ہونے کے باوجود سامیوں کے دشمن ہیں؟ اور تمہیں یہ کہنے کی جرات کیسے ہوئی کہ میں بلا شرکت غیر تمہاری بن جاؤں؟ کیا میں بکےاز اشیاء ہوں جسے خرید کر ملکیت میں شامل کر لیا جائے؟ یہ کس قسم کا انارکزم ہے؟ ساشا اپنے اس دعوے میں حق بجانب تھا کہ موسٹ اب انارکسٹ نہیں رہا۔

موسٹ چپ چاپ سنتا رہا۔اس کے فوراً بعد میں نے گویا ایک جانور کے بلبلانے کی آواز سنی۔میری بکواس اچانک رک گئی۔وہ فرش پر اوندھا لیٹا ہوا تھا اور مٹھیاں بھینچی ہوئیں۔ہمہ اقسام کے جذبات کی میرے اندر کشمکش جاری تھی۔۔۔ساشا کی محبت اپنی تلخ گفتاری پر ندامت،موسٹ پر برہمی،اسی کے لیے دلداری کیونکہ وہ میرے سامنے ایک بچے کی طرح لیٹا ہوا سسکیاں لے رہا تھا۔میں نے اس کا سر بڑی نرمی سے اٹھایا۔میرے جی میں یہ تھا کہ مجھے اپنے رویے پر بہت افسوس ہے مگر الفاظ کھو کھلے لگے۔اس نے نگاہ اٹھا کر میرے چہرے کی طرف دیکھا اور سرگوشی کی''مین کنڈ'مین کنڈ'' میری گڑیا' میری گڑیا ساشا کتنا خوش نصیب ہے جسے ایسا محبوب ملا ہے۔میں سوچ رہا ہوں آیا وہ اس کا مستحق بھی ہے۔اس نے اپنا چہرہ میری گود میں چھپا لیا اور ہم نے چپ سادھ لی۔

ناگاہ ہمارے کانوں میں یہ آوازیں پڑنے لگیں''اٹھو،تم دونوں فوراً اٹھو' یہ کوئی بات ہے کہ تم لوگ سرِ راہ جنس کر رہے ہو؟ تمہیں نامناسب رویے کے الزام میں گرفتار کیا جاتا ہے۔موسٹ ابھی سر اٹھانے ہی والا تھا کہ میرے اندر خوف کی سرد لہر سی دوڑ گئی اپنے لیے نہیں بلکہ اس کے لیے۔میں جانتی تھی کہ اگر انہوں نے اسے پہچان لیا تو اسے سیدھے تھانے لے جائیں گے۔اور اگلے روز اخبارات اس کے بخیے ادھیڑنے والی کہانیوں سے بھرے ہوں گے۔یہ خیال میرے ذہن میں کوندا اور میں نے ایک پہیلی گڑھ لی جو رسوائی کو روک سکتی تھی۔''بہت خوب آپ لوگ آ گئے ہیں'' میں نے کہا''میرے والد پر غشی کا دورہ پڑ گیا ہے،میں آس لگائے بیٹھی تھی کہ کوئی ادھر سے گزرے اور ڈاکٹر کو بلا لائے۔آپ معزز ارکان میں سے کوئی میری مدد کرے گا؟'' دونوں نے زور سے قہقہہ لگایا''باپ، ہائے تم بڑی چالباز ہو! ٹھیک ہے اگر تمہارا باپ ہمیں پانچ ڈالر دے دے تو ہم تمہیں اس مرتبہ جانے

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

دیں گے۔'' میں نے گھبراہٹ میں اپنا بٹوہ کھنگالا اور اکلوتا پانچ ڈالر کا نوٹ نکال کر دے دیا۔ دونوں کھسک لیے۔ ان کی معنی خیز ہنسی میرے کانوں پر سخت ناگوار گزری۔

موسٹ ایک تیر کی طرح اٹھ بیٹھا اور اپنی ہنسی کو دابنے کے لیے جتن کر رہا تھا۔ ''تم بہت ہوشیار ہو'' وہ بولا ''لیکن میں بھی یہ سمجھ چکا ہوں کہ آج سے میرا تمہارا رشتہ باپ بیٹی کا علاوہ کچھ اور نہ ہوگا۔ اس شام میں لیکچر کے اختتام پر میں موسٹ کو اسٹیشن پر الوداع کہنے نہ گئی۔

اگلی صبح ساشا نے مجھے بستر میں سے کھینچ کر جگایا۔ اینا کے پھیپھڑوں میں خون اتر آیا تھا۔ جب ڈاکٹر کو بلایا گیا تو اس نے کہا کہ معاملہ گمبھیر ہے اس لیے اینا کو سینی ٹوریم میں داخل کیا جائے۔ چند دنوں کے اندر ساشا اینا کو لے کر نیویارک چلا گیا۔ میں نیوہیون میں کاروبار سمیٹنے کے لیے ٹھہر گئی۔ میرا امداد باہمی کے اسٹور کھولنے کا منصوبہ دھرے کا دھرا رہ گیا۔

نیویارک میں ہم نے فورٹیتھ سٹریٹ پر فلیٹ کرائے پر لیا۔ فیدیا رنگین کھریا سے بڑی تصاویر بنانے میں اب بھی مگن تھا مگر جب نصیب یاوری کرے اور گاہک فرمائشیں کریں۔ میں نے بھی سلائی کا کام دوبارہ شروع کر دیا۔ ساشا فرای ہایٹ میں حروف جوڑنے کے کام میں لگ گیا۔ اور اب بھی امید باندھے ہوئے تھا کہ موسٹ اس کے روس جانے کے اخراجات پورے کرنے میں مدد کرے گا۔ چندے کے لیے اپیل موسٹ اور ساشا دونوں نے مل کر تحریر کی۔ اور ارسال بھی کر دی گئی۔ اب ہم بے چینی سے اس کے نتائج کے منتظر تھے۔

میں اپنا زیادہ وقت فرای ہایٹ کے دفتر میں گزارتی۔ جہاں میزیں ان رسالوں سے اٹی ہوئی تھیں جو یورپ والے فرای ہایٹ کے عوض بھیجتے تھے۔ ان میں سے ایک نے میری توجہ خصوصاً کھینچ لی۔ یہ 'ڈائی اٹونومی' تھا۔ یہ جرمن زبان میں لندن سے شائع ہوتا تھا۔ فرای ہایٹ کے زور بیان اور مرقعائی انداز کا موازنہ تو اس سے نہیں کیا جا سکتا تھا پھر بھی مجھے یوں لگتا جیسے یہ انارکزم کو واضح اور معقول طریقے سے پیش کرتا۔ جب میں نے اس مجلّے کا موسٹ سے ذکر کیا تو وہ بگڑ گیا۔ اس نے سرد مہری سے جواب دیا کہ اس رسالے کے چلانے والے لوگ مشکوک پس منظر رکھتے ہیں۔ یہ لوگ ان صفوں میں گھس گئے ''جو جاسوس پیوکرٹ کہلاتے ہیں، جنہوں نے ہمارے بہترین جرمن کامریڈوں میں سے ایک جان نیو کو فریب دیا۔'' مجھے موسٹ کے نظریات سے اختلاف کرنے کا خیال بھی نہ آیا۔ اور میں نے اٹونومی پڑھنا چھوڑ دیا۔

تحریک سے میری قربت والی واقفیت اور دیگر تجربات نے مجھ پر موسٹ میں پائی جانے والی جانبداری واضح کر دی۔ میں نے اٹونومی کا مطالعہ پھر شروع کر دیا۔ میں جلد ہی اس نتیجے پر پہنچ گئی کہ اس اخبار کے عملے کے متعلق موسٹ کے خدشات چاہے کتنے ہی درست ہوں مگر اس میں بیان کیے جانے والے اصول، میرے نزدیک انارکزم کے مفاہیم کے بہت قریب ہیں اگر ان کا مقابلہ فرای ہایٹ کی تحریروں سے کیا جائے۔ اٹونومی فرد کی آزادی اور گروہوں کی خودمختاری پر زیادہ اصرار کرتا۔ اس کا مجموعی لب ولہجہ میرے لیے بہت پرکشش تھا۔ میرے دو اور دوست بھی یہی محسوس کرتے۔ ساشا نے تجویز دی کہ ہمیں اس کے لندن میں مقیم کامریڈوں سے رابطہ کرنا چاہیے۔

زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ ہمیں اٹونومی حلقے کی نیویارک میں موجودگی کا پتہ چلا۔ اس کے ہفتے وار جلسے ہر سنیچر کو ہوتے۔ ہم نے آٹھویں سٹریٹ پر جانے کا فیصلہ کیا۔ اس کا عجیب سا نام تھا ''سم گروبن مائیکل'' جو اس ہال کی بیرونی غیر مسطح حالت اور اس کے دیوہیکل اور چڑچڑے مالک سے مناسبت رکھتا تھا۔ اس گروہ کا روح رواں جوزف پیوکرٹ تھا۔

موسٹ کے حلقہ اثر میں ہونے کی وجہ سے ہم پیوکرٹ کے خلاف تھے۔ ہم اس کی بیان کی ہوئی اس روداد کے سخت مخالف تھے جو اس نے نیو کی حراست اور قید و بند کے متعلق بتائیں جس کا وہ مبینہ طور پر ذمے دار تھا۔ لیکن پیوکرٹ کے ساتھ کی کئی ماہ کی رفاقت نے ہمیں اس قابل کر دیا کہ اس سنگین معاملے میں اس کا حصہ جتنا بھی ہو اس کا اس دغابازی میں ہاتھ نہیں ہو سکتا۔

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

کسی زمانے میں آسٹریا کی سوشلسٹ تحریک میں جوزف پیوکرٹ کا اہم کردار رہا تھا۔لیکن اس کا کسی بھی معنی میں جان موسٹ سے موازنہ نہیں کیا جاسکتا۔وہ آخری الذکر سی روشن شخصیت نہ رکھتا تھا نہ ہی ویسی دانش اور مسحور کردینے والی بے ساختگی۔ پیوکرٹ کی مضموم سنجیدگی کتابی علم والی تھی اور حس مزاح سے قطعاً محروم۔شروع میں، میں یہ سمجھی کہ دل گرفتگی کا سبب ایذا یں جھیلنا اور اس پر غداری کا الزام لگنا تھا جس نے اسے اچھوت بنادیا۔لیکن مجھے جلد ہی یہ بات سمجھ میں آگئی کہ اس میں موجود احساس کمتری کی اس نے خود پرورش کی تھی فی الواقع یہی جذبہ اس کی موسٹ سے نفرت کا محرک تھا۔پھر بھی ہماری ہمدردیوں کا جھکاؤ پیوکرٹ کی طرف تھا۔ہم محسوس کرتے تھے کہ ان دو انارکسٹ حلقوں میں تنازعہ۔۔۔یعنی موسٹ کے پیروکاروں اور پیوکرٹ کے حامیوں کے درمیان۔۔۔بڑی حد تک ذاتی انا کا ہے۔ہم نے یہ مناسب سمجھا کہ پیوکرٹ کی غیر جانبدار کامریڈوں کے ایک گروپ سے ملاقات کرائی جائے تاکہ وہ اپنی صفائی پیش کرسکے۔اس تجویز پر ہمیں پاینرز آف لبرٹی کے چند ارکان کی بھی حمایت حاصل تھی۔جس سے ساشا اور فیدیا بھی تعلق رکھتے تھے۔

ایڈیش انارکسٹ تنظیم کی قومی کانفرنس برائے سال ۱۸۹۰ء میں ساشا نے یہ تجویز پیش کی کہ موسٹ پیوکرٹ کے خلاف الزامات کی اچھی طرح تفتیش کی جانی چاہیے اور دونوں صاحبان سے کہا جائے کہ وہ اپنے شواہد لائیں۔جوں ہی موسٹ کو اس کا پتہ چلا اس کے دل میں ساشا کے خلاف پائی جانے والی دشمنی اور تلخی پھٹ پڑی اور بے لگام طیش میں بولا ''یہ متکبر نوجوان یہودی'' وہ چلایا ''وہ گرن شے نوبل۔۔اسے یہ جرات کیسے ہوئی کہ وہ موسٹ اور دیگر کامریڈوں پر شک کرے جو کافی عرصہ پہلے ثابت کرچکے ہیں کہ پیوکرٹ دشمن کا جاسوس ہے؟'' مجھے دوبارہ اس بات کا احساس ہوا کہ موسٹ کے متعلق ساشا کا گمان درست نکلا۔کیا عرصہ دراز سے وہ نہیں کہہ رہا کہ موسٹ ایک استبدادی شخصیت ہے جو انارکزم کے نقاب میں فولادی ہاتھوں سے حکمرانی کرنا چاہتا ہے۔کیا اس نے کئی مرتبہ نہیں کہا تھا کہ موسٹ اب انقلابی نہیں رہا؟ ''آپ کا جو چاہے کیجئے'' ساشا نے مجھ سے کہا'' مگر میں موسٹ اور فرای ہایٹ سے قطع تعلق کررہا ہوں'' میں اس رسالے کی ملازمت فی الفور چھوڑ رہا ہوں۔

میں موسٹ کے بہت قریب رہ چکی تھی، میں اس کی روح میں اتر کر دیکھ سکتی تھی۔اس کی ذات کی دلربائی اور دلفریبی کو میں خوب جانتی تھی۔اس کی عظمت اور گہرائی کو بھی۔اسے اتنی آسانی سے نہیں چھوڑا جاسکتا۔میں اس سے ملنے جاؤں گی اور کوشش کروں گی کہ اس کی روح کو جو ٹھیس پہنچی ہے اس کا ازالہ ہوجائے۔جیسا کہ میں متعدد بار کرچکی ہوں۔مجھے یقین ہے کہ ہمارے حسین آدرش پر موسٹ بھی فدا ہے۔کیا اس نے اس کے لیے سب کچھ تج نہیں دیا؟ کیا اس نے آزار نہیں پائے اور رسوایاں نہیں ملیں۔یقیناً یہ اسے سمجھایا جاسکتا ہے کہ اس کے اور پیوکرٹ کے باہمی تنازعے سے تحریک کو کتنا بڑا نقصان پہنچا ہے۔میں اس سے ضرور ملوں گی۔

ساشا مجھے اندھی پجارن کہتا تھا۔وہ ہمیشہ یہ سمجھاتا اور اس کے بقول موسٹ بطور مرد میرے لیے زیادہ اہم ہے بجائے ایک انقلابی کے۔حالانکہ میں ساشا کی بے لچک امتیازی لکیر سے متفق نہ تھی۔جب میں نے اسے پہلی مرتبہ زندگی اور حسن پر مقصد کی اہمیت پر اڑتے ہوئے سنا تو میرے اندر کسی شے نے بغاوت کردی۔لیکن میں کبھی اس بات پر مطمئن نہ ہوئی کہ وہ غلطی پر تھا۔کوئی بھی مقصد کی یکسوئی والا، ایثار پیشہ لگن والا غلط ہوسکتا ہے۔میرے ہی اندر کوئی بات ہے جو میرے خیال میں مجھے دھرتی سے جوڑے ہوئے ہے خصوصاً ان لوگوں کی انسانیت پر جن سے میرا واسطہ پڑا۔میں اکثر سوچتی کہ میں ہی کمزور ہوں اور میں ساشا کی انقلابی منزل اور مثالیت کے کمال تک کبھی نہ پہنچ سکوں گی۔لیکن۔۔۔ٹھیک ہے میں اس کے جذبہ شوق پر تو مرمٹ سکتی ہوں۔ کوئی دن آئے گا جب میں اسے یہ دکھادوں گی کہ میری وارفتگی کتنی عظیم ہے۔

میں موسٹ سے ملنے فرای ہایٹ کے دفتر جا پہنچی۔مجھ سے اس کا رویہ بہت بدلا ہوا تھا۔میری پہلی آمد سے بالکل مختلف! جو اس کے ایک لفظ کہنے سے پہلے ہی میں سمجھ گئی۔''تم مجھ سے کیا لینے آئی ہو جبکہ تم اس خوفناک گروہ کی حلیف ہو؟'' اس نے اس

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

پیرائے میں میرا استقبال کیا۔ ''تم نے میرے دشمنوں کو اپنا دوست بنایا ہے'' میں قدم بڑھا کر اس کے قریب ہو گئی اور یہ کہا کہ میں دفتر میں تبادلہ خیال نہیں کر سکتی۔ کیا یہ ممکن ہے کہ آج کی شام مجھے گھمائے۔۔۔ صرف پرانی دوستی کے واسطے؟'' پرانی دوست کے واسطے!'' اس کا لہجہ تضحیک آمیز تھا۔ ''اس دوستی کے زمانے میں بہت حسن تھا، اب کیا بچا ہے؟ تم نے مناسب جانا کہ میرے دشمنوں سے پینگیں بڑھائیں اور تم نے ایک نوجوان کو مجھ پر ترجیح دی! جو میرا نہیں ہے وہ میرا دشمن ہے!'' لیکن جتنا عرصہ وہ غصے میں بولتا رہا میں نے اس کے لہجے میں ہلکی سی تبدیلی بھانپ لی۔ اب تلخی گھٹ چکی تھی۔ یہ اس کی آواز ہی تھی جس نے ابتدا میں میرے اندر ہلچل پیدا کر دی تھی۔ وقت کے ساتھ میں اس پر رجھتی چلی گئی۔ بولتے بولتے وہ جھینپنے لگتا اور ٹھوس فولادی لہجہ بدل کر شیریں اور ریشم کی طرح نرم بن جاتا۔ میں اس کے جذبات کے مدوجزر کو اس کی آواز کے ارتعاش سے آنک لیتی۔ اسی سے مجھے پتہ چل گیا کہ وہ اب ناراض نہیں ہے۔

میں نے اس کا بازو پکڑ لیا، ''پیارے ہینز آؤ بھی کیا نہیں چلو گے؟'' اس نے مجھے سینے سے لگا لیا۔ تم ایک عورت نہیں ایک آفت ہو۔ تم ہر مرد کو ریشہ خطمی بنا سکتی ہو۔ لیکن میں تم پر مرتا ہوں، ضرور چلوں گا۔''

ہم بیالیسویں سٹریٹ کے چھٹے ایونیو پر واقع ایک کیفے میں گئے۔ یہ جگہ تھیٹر والوں، جواریوں اور کسبیوں کے جمع ہونے کے لیے مشہور تھی۔ اس نے یہ جگہ اس لیے پسند کی کیونکہ کامریڈ ادھر کا کبھی نہ رخ کرتے تھے۔

بہت دن کے بعد ہم لوگ یکجا ہوئے تھے۔ چونکہ مجھے معلوم تھا کہ موسٹ میں شراب کے چند جام اتارنے کے بعد ہمیشہ ایک خوشگوار تبدیلی آ جاتی ہے اس کا بدلا ہوا مزاج مجھے کسی اور دنیا میں پہنچا دیتا ہے، ایسی دنیا جو اختلافات اور فساد سے خالی ہوتی کوئی ایسی گتھی نہ ہوتی جس میں گھٹن کا شائبہ ہو یا کامریڈوں کے نظریات در آئیں۔ تمام اختلافات فراموش کر دیے جاتے ہم جدا ہوئے مگر میں نے پیوکرٹ کے تنازعے کا ذکر نہ چھیڑا۔

اگلے دن مجھے موسٹ کا ایک خط ملا جس میں پیوکرٹ تنازعے کے متعلق تفصیلات نتھی تھیں۔ میں نے خط پہلے پڑھا۔ اس نے اسی طرح اپنا دل کھول کر رکھ دیا جیسا اس نے بوسٹن کے سفر میں کیا تھا۔ وہ محبت کا فریادی تھا اور وہ کیوں ختم ہو۔ بات محض یہ نہ تھی کہ میری ذات میں کسی اور مرد کی شرکت اس کی برداشت سے باہر تھی۔ بلکہ اب یہ اس کے بس سے باہر تھا کہ ہمارے مابین بڑھتے ہوئے تنازعات کا وہ متحمل ہو۔ اسے یقین کامل تھا کہ میرا قد و قامت بڑھتا جائے گا اور تحریک میں میری قوت روز افزوں جاری رہے گی۔ اسی حقیقت نے اسے قائل کر دیا تھا کہ ہمارے تعلقات استقلال سے عاری ہو کر رہیں گے۔ ایک گھر، بچے اور توجہ اور دیکھ بھال وہی عورتیں دے سکتی ہیں جنہیں زندگی میں کوئی دلچسپی نہ ہو سوائے اپنے شوہر اور اس سے ہونے والے بچوں کے۔۔۔ یہی تھا جس کی اسے آرزو تھی اور محسوس کرتا تھا کہ ہیلن میں یہ اسے مل جائے گا۔ اس میں اس کی دلکشی کسی عشق جنوں خیز کی وجہ سے نہ تھی جسے میں نے بھڑکایا تھا۔ میری اس سے آخری بغل گیری ایک اور ثبوت تھا کہ میں اس کے اعصاب پر کس قدر سوار ہوں۔ وہ وجد آفریں تھا جس کے اثر سے وہ وارفتہ ہو گیا، داخلی آویزش پیدا ہو گئی جو وجہ ناشکیبائی بن گئی۔ اپنی صفوں میں فضول جھگڑوں کا ابھرنا، فرای ہایٹ کی حالت دگرگوں ہونا اور اس کا خود بلیک ویل جزیرے والے جیل میں جانے کا امکانی خطرہ' ان سب نے مل کر اس کے دن کا چین اور رات کی نیند اڑا دی ہے اور اسے اس کام کے قابل نہیں چھوڑا جو لے دے کر میری زندگی کا سب سے بڑا کام ہے۔ اسے امید ہے کہ میں اس حقیقت کو تسلیم کر لوں گی اور میں اس سلسلے میں اس کی مدد بھی کروں گی تا کہ وہ جس چین و آرام کا متمنی ہے وہ اسے مل جائے۔

میں نے اس خط کو کئی بار پڑھا، اپنے کمرے میں بند ہو گئی۔ میں چاہتی تھی کہ میں اس بے پایاں دولت کے ساتھ کہیں چھپ جاؤں جو مجھے موسٹ نے دی ہے۔ میں نے اس غریب کو کیا دیا؟ اتنا بھی نہیں جتنا کہ کوئی عام عورت اس مرد کو دیتی ہے جس سے وہ محبت کرتی ہو۔ مجھے یہ تسلیم کرنے میں عار ہے یہاں تک کہ خود سے کہ مجھ میں وہ سب کچھ نہیں ہے جس کا وہ اتنا خواستگار تھا

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

۔مجھے معلوم ہے کہ اس کے لیے بچے جن سکتی تھی اگر میں عمل جراحی سے گزر جاتی۔یہ کیسی کرامت ہوتی اگر میں اس نادر روزگار شخصیت کے بچے کی ماں بن جاتی! میں اپنے خیالوں میں گم سم بیٹھی تھی۔لیکن بہت جلد کوئی اور شئے جو زیادہ توجہ طلب تھی میرے ذہن میں کلبلانے لگی۔۔۔یعنی ساشا، ہماری زندگی اور کام جو ہم مل کر چکے ہیں۔کیا میں اس سب سے دست کش ہو جاؤں؟نہیں،نہیں یہ سب ناممکن ہے، یہ کبھی نہ ہوگا! مگر موسٹ کی جگہ ساشا ہی کیوں؟ بات اطمینان کی ہے، ساشا جوان ہے اور نہ دبنے والا شوق عمل۔آہ، ہاں اس شوق عمل۔۔۔کا اس بات سے کوئی واسطہ نہیں ہے جس نے مجھے اس سے باندھ دیا ہے؟ لیکن فرض کیجیے ساشا بھی ایک بیوی کی بچوں اور گھر کی تمنا کرنے لگے، پھر کیا ہوگا؟ کیا میں اسے یہ سب دے سکوں گی؟ مگر ساشا ایسی چیزوں کی توقع نہ کرے گا۔۔۔وہ محض اپنے آدرش کے لیے جی رہا ہے اور مجھ سے بھی یہی چاہتا ہے کہ میں بھی یہی کروں۔

اس دن کے خاتمے پر شروع ہونے والی رات سوہان روح بن گئی۔نہ میرے پاس کوئی جواب تھا نہ ہی چین۔

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

باب ۷

انٹرنیشنل سوشلسٹ کانگریس جو ۱۸۸۹ء میں پیرس میں منعقد ہوئی وہاں یہ فیصلہ کیا گیا کہ یکم مئی کو مزدوروں کے لیے عالمگیر پیمانے پر محنت کشوں کی تعطیل کا دن قرار دیا جائے۔ دنیا کے ہر خطے میں ترقی پسند محنت کشوں کے دل میں یہ بات اتر گئی۔ موسم بہار کی پہلی صبح کو ڈنکے پر چوٹ پڑے گی تا کہ چار سُو نئی بیداری آئے اور عمومی نجات کی نئی کوششیں شروع ہو سکیں۔ کانگریس نے یہ بھی فیصلہ کیا کہ اسی سال ۱۸۹۱ء میں عالمگیر پیمانے پر عمل درآمد کے انتظامات کیے جائیں۔ مئی کی پہلی کو محنت کش اپنے اوزار رکھ دیں، مشینیں بند کر دیں، فیکڑیوں اور کانوں سے باہر نکل آئیں۔ میلے ٹھیلے میں جانے والے کپڑے زیب تن کریں، اپنے پرچموں اور پھریروں کے ساتھ مظاہرے کریں اور انقلابی دھنوں اور گانوں کی لے پر ولولہ انگیز انداز میں جلوس نکالیں۔ تمام علاقوں میں جلسے کیے جائیں اور محنت کشوں کی تمناؤں کو برملا بیان کیا جائے۔

لاطینی امریکہ کے ممالک میں پہلے ہی تیاریوں کا آغاز ہو چکا تھا۔ سوشلسٹ اور انارکسٹ مطبوعات میں ان زبردست سرگرمیوں کی تفصیلات شائع کی جا رہی تھیں جو اس عظیم دن پر ہونے والی تھیں۔ امریکہ میں بھی اس سلسلے میں سندیسے بھیجے جا رہے تھے کہ مئی کے پہلے دن کارکنوں کی طاقت اور قوت ظاہر کرنے کے لیے پرشکوہ مظاہرے کیے جائیں۔ اس تقریب کے انعقاد کے انتظامات کی تفصیلات طے کرنے کے واسطے شبینہ جلسے منعقد ہوئے۔ یہ ذمہ داری دوبارہ مجھے سونپی گئی کہ ٹریڈ یونینوں کو آمادہ کروں۔ ملکی صحافت نے مغلظات کی ایک مہم شروع کر دی، الزام یہ لگایا کہ ریڈیکل عناصر انقلاب برپا کرنے کی سازش کر رہے ہیں۔ انجمنوں سے کہا گیا کہ وہ اپنی صفوں میں سے ''غیر ملکی کمینوں اور مجرموں کو نکال باہر کریں جو ہمارے ملک میں جمہوری اداروں کو تباہ کرنے آ چکے ہیں۔'' اس مہم کا اثر بھی ہوا۔ قدامت پسند اداروں کے محنت کشوں نے اوزار چھوڑنے سے انکار کر دیا اور پہلی مئی کے مظاہرے میں بھی شریک ہونے سے معذرت کر لی۔ جو باقی بچے وہ تعداد میں قلیل تھے اور شکاگو کی ح۔ مارکٹ میں جرمن یونینوں پر ہونے والے حملوں کی وجہ سے بے حد دہشت زدہ تھے۔ اس لیے جرمنوں، یہودیوں اور روسیوں کے انتہائی ریڈیکل لوگ اپنے فیصلے پر قائم رہے کہ وہ مظاہرہ کر کے رہیں گے۔

نیویارک میں ہونے والی تقریبات کا انتظام سوشلسٹ کر رہے تھے۔ انہوں نے یونین سکوئر کی جگہ انتظامیہ سے لے لی اور وعدہ کیا کہ وہ اپنے چبوتروں سے انارکسٹوں کو بھی خطاب کرنے کا موقع دیں گے۔ لیکن عین وقت پر سوشلسٹ منتظمین نے سکوئر پر ہمارے چبوترے کی تنصیب روک دی۔ موسٹ وقت پر نہ پہنچ سکا۔ لیکن میں چند نوجوانوں کے ساتھ وہاں پر موجود تھی، ساشا، فیدیا اور کئی اطالوی کامریڈان میں شامل تھے۔ ہم نے عزم کر رکھا تھا کہ اس عظیم موقع پر ہماری ترجمانی ضرور ہو۔ نوبت یہ آ گئی کہ ہمارا چبوترہ بننا ناممکن ہو گیا تو لڑکوں کو یہ سوجھی کہ انہوں نے مجھے اٹھا کر سوشلسٹوں کی ایک بگھی پر چڑھا دیا اور میں نے خطاب شروع کر دیا۔ چیرمین صاحب کھسک گئے لیکن چند ہی منٹ کے اندر وہ گاڑی کے مالک کے ہمراہ لوٹے میں نے تقریر جاری رکھی کوچوان کھینچ کر گھوڑا لایا اور گاڑی میں جوت دیا اور دلکی میں روانہ ہو گیا۔ میں پھر بھی بولتی رہی۔ مجمع معاملے کی نزاکت کو سمجھے بغیر ہمارے پیچھے سکوئر سے باہر آ گیا اور سڑک کے کنارے کئی عمارتیں گزر گئیں اور میری تقریر اب بھی جاری تھی۔

ناگاہ پولیس نمودار ہوئی اور لوگوں کو مار کر پسپا کرنے لگی۔ کوچوان نے بگھی روک دی۔ ہمارے لڑکوں نے نہایت پھرتی سے مجھے اتارا اور لے کر رفو چکر ہو گئے۔ اگلی صبح کے اخبارات اس کہانی سے پُر تھے کہ ایک پراسرار نوجوان عورت نے بگھی پر کھڑے ہو کر

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

سرخ پرچم لہرایااورانقلاب پرزوردینے لگی''اس کی گرج دارآواز سے گھوڑادم دبا کر بھاگ نکلا۔''

چند ہفتوں کے بعد خبر آئی کہ سپریم کورٹ نے جوہان موسٹ کی اپیل مسترد کردی ہے۔ہمیں علم تھا کہ اس کے معنی بلیک ویل جزیرے کی یاترا۔ساشا نے موسٹ سے اپنے تنازعے کوفوراً فراموش کردیا اور میں نے بھی یہ بھلا دیا کہ میں اس کے دل سے اتر چکی ہوں اور وہ مجھے زندگی سے بھی خارج کر چکا ہے۔اس سنگین حقیقت کے آگے ہر چیز ہیچ ہے کہ موسٹ کوجیل جانا ہوگا۔اوراس کی ڈاڑھی مونڈی جائے گی،جس کی وجہ سے وہ بہت دلگیر رہا۔وہ پھر سبکی اوراسی تمسخر کا تختہ مشق بن جائے گا۔

ہم عدالت میں سب سے پہلے پہنچے۔اس کے بعد موسٹ کولایا گیا اس کا وکیل اور ضامن ہمراہ تھے۔جو ہمارا پرانا کامریڈ جولیس ہافمین نکلا۔یکلخت بہت سے دوست وارد ہوئے جن میں ہیلن منکن بھی تھی۔یوں لگ رہا تھا جیسے موسٹ کواپنے انجام سے کوئی دلچسپی نہ ہو۔وہ فخریہ انداز میں سینہ تان کر کھڑا تھا۔وہ ایک آزمودہ سپاہی بن چکا تھا اور پختہ کار باغی۔

کارروائی محض چند منٹ کی تھی۔راہداری میں میں موسٹ کی طرف تیزی سے بڑھی اس کا ہاتھ تھام لیا اور سرگوشی کی''ہینز،ڈیر ہینز،میں تمہیں چھڑانے کے لیے ہر جتن کروں گی!''مجھے معلوم ہے''بلونکوف''سنہری بالوں والی۔جزیرے پر پہنچتے ہی مجھے لکھو۔اس کے ساتھ پولیس اسے لے گئی۔

ساشا بلیک ویل جزیرے تک موسٹ کو چھوڑنے گیا۔جب وہ واپس آیا تو وہ اس کے پروقار رکھ کھاؤ کے متعلق بہت جوش میں لگ رہا تھا۔اسے میں نے کبھی اتنا بغاوت پر کمربستہ نہ دیکھا تھا،نہ اتنا باوقار اور نہ ہی اتنا تابندہ۔یہاں تک کہ اخباری نمائندے تک بھی بہت متاثر ہوئے۔''ہمیں اپنے اختلافات دفن کردینا چاہئے،ہمیں موسٹ کے ساتھ مل کر کام کرنا چاہیے،ساشا نے اعلان کیا۔

یہ فیصلہ ہوا کہ ایک بڑا جلسہ بلایا جائے جس میں سپریم کورٹ کے فیصلے کے خلاف احتجاجی آواز بلند کی جائے اور موسٹ کے حق میں لڑائی جاری رکھنے کے لیے رقم چندے سے جمع کی جائے تا کہ اس کے جیل میں گزرنے والے ایام کو کم سے کم تکلیف دہ بنایا جاسکے۔ریڈیکل صفوں میں ہمارے مقید ساتھی کے لیے معتد بہ ہمدردی پائی جاتی تھی۔اڑتالیس گھنٹوں ہی کے اندر ہم ایک بڑے ہال کولوگوں سے بھرنے کے قابل ہوگئے۔جہاں دیگر لوگوں کے علاوہ میں بھی ایک مقرر تھی۔میری تقریر جان موسٹ کے موضوع کی حد تک محدود نہ رہی جو عالمی بغاوت کی علامت تھا۔جو انارکسزم کا ترجمان تھا بلکہ وہ شخص تھا جس نے مجھ میں جوت جگائی تھی،میرا استاد اور کامریڈ۔

موسم سرما میں فیدیا سپرنگ فیلڈ،میساچوسٹس کے لیے روانہ ہوا تا کہ ایک فوٹوگرافر کا ہاتھ بٹائے۔کچھ دنوں بعد اس نے لکھا کہ مجھے بھی اس کے قریب کام مل سکتا ہے،گاہکوں کی فرمائش لکھنا میرا کام ہوگا۔اس موقع کی گویا میں منتظر تھی اور میں نیویارک سے دور ہوجاؤں گی۔دن رات کپڑے سینے کی مشین کی چکی سے نجات مل جائے گی۔ساشا اور میری گزراوقات کا ذریعہ لڑکوں کی قمیضوں کی سلائی پر تھا اجرت ٹھیکے پر تھی۔اکثر ہم کواٹھارہ گھنٹے یومیہ فلیٹ کے واحد روشن کمرے میں کام کرنا پڑتا۔خانہ داری کرنے کے علاوہ مجھے کھانا بھی پکانا پڑتا۔سپرنگ فیلڈ جا کر ایک تبدیلی آئے گی اور قدرے فراغت بھی ملے گی۔

کام سخت نہ تھا اور فیدیا کی قربت راحت انگیز تھی جو موسٹ اور ساشا سے بالکل جدا تھا۔تحریک سے ہٹ کر بھی ہم دونوں کے کئی مشترک شوق تھے ہم حسن پرست تھے پھولوں اور تھیٹر کے رسیا،آخرالذکر شئے کا سپرنگ فیلڈ میں ہونا نہ ہونا برابر تھا۔سچ پوچھیے تو امریکی کھیلوں اور تھیٹروں سے مجھے گھن آتی تھی۔کوانیس برگ،سینٹ پیٹرزبرگ اور نیویارک میں جرمن ارونگ پلیس تھیٹر کے آگے امریکی کھیل بالکل سپاٹ اور بھدے لگتے۔

فیدیا کی ذات سے کام دن دوگنی رات چوگنی ترقی کرنے لگا کہ ہمیں محسوس ہوا کہ یہ ہماری نادانی ہے کہ ہم اپنے آجر کو مالا مال کئے جارہے ہیں۔میرے ذہن میں یہ آیا کہ کیوں نہ ہم اپنا کام خود شروع کردیں اور ساشا کو بھی اپنے پاس بلالیں۔حالانکہ ساشا نے کبھی شکایت نہ کی تھی لیکن مجھے اس کے خطوط سے اندازہ ہو چکا تھا کہ اس کا نیویارک میں جی نہیں لگ رہا۔فیدیا کی

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

تجویز یہ تھی کہ ہم اپنا اسٹوڈیو کھولیں۔ ہم نے وورسٹر، میساچوسٹس جانے کا فیصلہ کیا اور ساشا کو آ کر رہنے کی دعوت دے دی۔

ہم نے ایک دفتر بنایا اس پر بورڈ لگایا اور گاہکوں کا انتظار کرنا شروع کر دیا۔ لیکن کوئی نہ آیا۔ اور ہماری معمولی سی پونجی گھٹنے لگی۔ ہم نے ایک گھوڑا اور بگھی کرائے پر لی تا کہ قرب وجوار کے علاقوں میں پھیری لگا کر فارموں کے مالکان سے کنبے کی تصویروں کی رنگین کھریوں سے بڑی تصویریں بنانے کے آرڈر لیں۔ ساشا کو چوان بنتا اور جب ہمارا درختوں اور پگڈنڈیوں سے واسطہ پڑتا تو وہ ہمارے گھوڑے کے اڑیل پن کے متعلق تفصیلات بیان کرنا شروع کر دیتا۔ ہم گھنٹوں سفر کے بعد کوئی کام حاصل کرنے میں کامیاب ہوتے۔

ہمیں نیو انگلینڈ اور روسی کسانوں میں پائے جانے والے بڑے فرق سے بہت اچنبھا ہوا۔ آخر الذکر کے پاس اپنے کھانے کو کبھی کبھار ہی ہوتا اس کے باوجود وہ کسی اجنبی کی روٹی اور سیب کی شراب سے دعوت کرنے سے نہ چوکتا۔ جرمن کسان بھی جہاں تک مجھے اسکول کا زمانہ یاد ہے، ہمیں اپنے "سب سے اچھے کمرے" میں بلاتا، دودھ اور مکھن میز پر رکھ دیتا اور شریک ہونے پر اصرار کرتا۔ لیکن یہاں آزاد امریکہ میں جہاں کاشتکاروں کے پاس بیسیوں ایکڑ اراضی تھی اور بہت سے مویشی ہوتے، ہم خود کو خوش نصیب سمجھتے اگر کوئی ہمیں ایک گلاس پانی ہی کو پوچھ لیتا۔ ساشا ہمیشہ ان کی وکالت پر اتر آتا اور کہتا کہ امریکی کاشتکار میں اس لیے ہمدردی اور مروت کی کمی ہے کیونکہ اسے کبھی فقر فاقے کا تجربہ نہیں ہوا۔ بلاشبہ وہ چھوٹا سرمایہ دار ہے "بقول اس کے" یہ معاملہ روسیوں سے مختلف ہے بلکہ جرمن کاشتکار سے بھی جو پرولتاری ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے وہ گرم جوش اور مہمان نواز ہوتے ہیں۔ "میں قائل نہ ہوتی۔ میں پرولتاریوں کے ساتھ فیکٹریوں میں کام کر چکی ہوں وہ بھی ہمیشہ مددگار اور فیاض نہیں ہوتے۔ لیکن ساشا کا عام آدمیوں پر ایمان متعدی تھا جس سے میرے شکوک بھی رفع ہو گئے۔

کئی مرتبہ یہ نوبت آ گئی جب ہم جی چھوڑ بیٹھے۔ جس کنبے کے ساتھ ہمارا قیام تھا وہ ہمیشہ مشورہ دیتے کہ ہمیں کوئی ڈھابا یا آئسکریم کی دکان کھولنا چاہیے۔ ابتدا میں ہمیں یہ تجویز فضول لگی۔ ہمارے پاس نہ ہی رقم تھی نہ ایسے جوکھوں کے کام کے لیے ہم نے خواب دیکھا تھا۔ اس کے علاوہ یہ ہمارے اصولوں کے خلاف تھا کہ ہم کسی منافع بخش کاروبار میں حصہ لیں۔

عین اسی زمانے میں ریڈیکل اخبارات میں روس میں ہونے والے ظلم وجبر کے متعلق زور شور سے ذکر ہونے لگا۔ دیرینہ آرزوں نے ہم پر پھر سے غلبہ پا لیا کہ ہم اپنے پیدائشی ملک لوٹ جائیں۔ مگر اس مقصد کے لیے رقم کہاں سے آئے؟ موسٹ کی ارسال کردہ نجی اپیل کے متوقع نتائج نہ نکلے۔ تب ہمیں خیال آیا کہ آئسکریم کے کاروبار سے شاید ہمارے مقاصد کی تکمیل ہو سکے۔ جتنا ہم سوچ بچار کرتے اتنا ہی ہم اس پر قائل ہوتے جاتے کہ اسی میں ہمارے تمام مسائل کا حل پنہاں ہے۔

ہماری پونجی صرف پچاس ڈالر کی تھی۔ ہمارے مالک مکان نے جس نے یہ ترکیب سجھائی تھی، کہنے لگا کہ وہ ہمیں ڈیڑھ سو ڈالر بطور قرض دے سکتا ہے۔ ہم نے ایک جگہ کرائے کی لے لی اور چند ہی ہفتوں کے اندر ساشا کی ہتھوڑی اور آری سے کام کرنے کو مہارت، فیدیا کا برش اور رنگوں کا ہنر اور میری اہل جرمن کی خانہ داری کی تربیت نے رنگ دکھانا شروع کر دیا اور وہ جگہ جو عدم توجہی کی وجہ سے خستہ حال تھی ایک دلکش طعام خانے میں بدل گئی۔ زمانہ موسم بہار کا تھا اور اتنی گرمی نہیں شروع ہوئی تھی کہ آئسکریم کے لیے ہجوم ہونے لگتا، مگر میری پھینٹی ہوئی کافی، ہمارے سینڈوچ اور لذیذ کھانے لوگوں سے داد وتحسین پانے لگے اور جلد ہی ہم پو پھٹنے تک مصروف رہنے لگے۔ مختصر عرصے ہی میں ہم نے مالک مکان کا قرض چکا دیا اور اس قابل ہو گئے کہ سوڈا پانی کی بوتلوں اور رنگا رنگ کھانوں میں رقم لگانے کے بھی قابل ہو گئے۔ یوں لگا جیسے ہم اپنی دیرینہ خواب کی تعبیری منزل کی طرف رواں دواں ہیں۔

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

باب ۸

سن ۱۸۹۲ء میں مئی کا مہینہ چل رہا تھا کہ پیٹرز برگ سے خبر آئی کارنیج اسٹیل کمپنی اور اس کے ملازمین کی تنظیم (اماگامیٹڈ ایسوسی ایشن آف آیرن اینڈ اسٹیل ورکرز) کے درمیان تنازعہ کھڑا ہو گیا ہے۔ یہ ملک کی تمام بڑی تنظیموں میں سے ایک تھی اور محنت کشوں کی بہت باصلاحیت تنظیم تھی جس کی رکنیت کی غالب اکثریت مقامی امریکیوں کی تھی، جو فیصلہ کر سکتے تھے اور اس پر عمل درآمد بھی کر سکتے تھے اور اپنے حقوق منوا بھی سکتے تھے۔ دوسری جانب کارنیج کمپنی تھی جو ایک طاقتور کارپوریشن تھی اور ایک سنگدل آجر کی شہرت رکھتی تھی۔ یہ بھی غیر معمولی بات ہوئی کہ اینڈریو کارنیج جو اس کا صدر تھا اس نے عارضی طور پر کچھ مدت کے لیے پوری سربراہی انتظامیہ کے چیرمین ہینری کلے فرک کے سپرد کر دیا۔ یہ شخص مزدور دشمن ہونے کی شہرت رکھتا تھا۔ فرک گہرائی والی کوئلے کی کانوں کا بھی مالک تھا۔ جہاں یونینوں کی ممانعت تھی اور کارکنوں سے فولادی ہاتھوں سے نبٹا جاتا تھا۔

درآمدی فولاد پر بھاری محصول لگ جانے سے امریکہ کی فولاد کی صنعت خوب پھلی پھولی۔ کارنیجی کمپنی کو عملاً اجارہ حاصل تھا اس لیے اس پر ہُن برسنے لگا۔ اس کا سب سے بڑا مل ہومسٹیڈ میں تھا جو پیٹرز برگ کے قریب ہے، جہاں ہزاروں کارکن ملازم تھے۔ ان کے کام کے لیے طویل تربیت اور بڑی مہارت درکار تھی۔ اجرتیں کمپنی اور یونین کی مشاورت سے طے ہوتی تھیں۔ ان کا تعلق ترازو کی ڈنڈی کے اصول پر ہوتا یعنی فولاد کی مصنوعات کی چڑھتی اترتی قیمتوں کے مطابق۔ رواں معاہدے کی معیاد ختم ہونے کو تھی۔ اس لیے کارکنوں نے اجرت کا نیا گوشوارہ پیش کیا جس میں کہا گیا کہ منڈی میں بڑھتی ہوئی قیمتوں اور مل کی فاضل پیداوار کے تناسب سے اجرتوں میں اضافہ کیا جائے۔

مخیّر کارنگی صاحب سکاٹ لینڈ میں واقع اپنے قلعے میں آرام کی غرض سے چلے گئے اور فرک نے صورتحال کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اس نے اعلان کر دیا کہ آج سے ترازو کی ڈنڈی والا اجرت کا نظام فی الفور منسوخ کیا جاتا ہے۔ کمپنی آئندہ سے اماگامیٹڈ ایسوسی ایشن سے کوئی معاہدہ نہ کرے گی۔ وہ خود ہی یہ فیصلہ کرے گی کہ کیا اجرتیں ادا کی جائیں۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ وہ انجمن کو قطعاً تسلیم نہیں کرے گا۔ اور پہلے کی طرح وہ ملازمین کو ایک اکائی کی حیثیت نہ دے گا۔ وہ مل کو بند کر دے گا اور ملازمین خود کو برطرف سمجھیں۔ اس کے بعد فرداً فرداً انہیں ملازمت کے لیے درخواست دینا ہوگی۔ اور ہر کارکن کے ساتھ اس کی تنخواہ جدا جدا طے کی جائے گی۔ فرک نے کارکنان کی تنظیم کی پرامن مصالحانہ مساعی کو رکھائی سے نامنظور کر دیا۔ اور اعلان کر دیا کہ اب ''ثالثی کے لیے کچھ بھی نہیں ہے'' فوراً بعد ملز کو بند کر دیا گیا۔ ''یہ ہڑتال نہیں تھی بلکہ تالہ بندی'' فرک نے اعلان کر دیا۔ یہ جنگ کا کھلا اعلان تھا۔

ہومسٹیڈ اور اس کے مضافات میں غم و غصے کی لہر سی دوڑ گئی۔ پورے ملک کی ہمدردیاں ان لوگوں کے ساتھ تھیں۔ یہاں تک کہ پریس کے نہایت قدامت پسند حلقوں نے بھی فرک کے یکطرفہ سخت اقدام کی مذمت کی۔ انہوں نے اسے دیدہ و دانستہ طور سے ایک بحران کھڑا کرنے کا مرتکب قرار دیا جو پھیل کر ملک گیر ہو سکتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ فرک کے اس اقدام سے لاتعداد لوگ تالہ بندی کا شکار ہوئے ہیں۔ اور غالباً اس کا اثر الحاقی انجمنوں اور متعلقہ صنعتوں پر بھی پڑ رہا ہے۔

ملک بھر کے مزدوروں میں بے چینی پیدا ہو گئی۔ فولاد کے کارکنوں نے اعلان کر دیا کہ وہ فرک کی للکار کا جواب دینے کے لیے تیار ہیں۔ وہ اپنے حق تنظیم اور آجر سے اجتماعی سودا کاری پر ثابت قدم رہیں گے۔ ان کا لب و لہجہ شہہ زوروں والا تھا جس میں

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

ان کے سرکش پرکھوں کی انقلابی جنگ کی جھنکار موجود تھی۔

شروع ہونے والی جدوجہد کے مقام سے بہت دور، وارسٹر شہر میں اپنی آئس کریم کی دکان میں ہم بے چینی سے پیدا ہونے والی صورت حال کا جائزہ لے رہے تھے۔ ہمیں یوں لگا جیسے امریکی کارکنوں نے انقلابی انگڑائی لی ہو۔ اس حیات نو کے دن کا ہم عرصہ دراز سے انتظار کر رہے تھے۔ مقامی محنت کش جاگ پڑا، اسے اپنی قوت کا احساس ہونے لگا۔ وہ پرعزم ہو چکا تھا کہ ان زنجیروں کو توڑ کر رکھ دے گا جس نے اسے اتنے عرصے سے غلام بنا رکھا ہے، ہم یہ سوچ رہے تھے۔ ہمارے سینوں میں ہومسٹیڈ کے جری مردوں کے لیے داد و تحسین کے الاؤ جل رہے تھے۔

ہم اپنے روزمرہ کے معمولات میں لگے رہے۔ گاہکوں کی خدمت کرتے، میٹھی ٹکیاں تلے جاتے اور آئسکریم میزوں تک پہنچاتے رہے۔ لیکن ہمارے دل ہومسٹیڈ میں فولاد کے بہادر کارکنوں میں لگے رہتے۔ ہم وہاں کی خبریں حاصل کرنے میں اتنے منہمک رہتے کہ ہمیں سونے کا ہوش نہ رہتا۔ پو پھٹے ہمارا ایک لڑکا اخبارات کا پہلا ایڈیشن لینے کے لیے روانہ ہو جاتا۔ ہمارے ذہنوں میں ہومسٹیڈ کے واقعات اتنے جمع رہتے کہ کسی اور بات کی اس میں گنجائش نہ رہتی۔ پوری پوری رات ہم بیٹھ کر واقعات کے مختلف ادوار پر بحث و مباحثہ کرتے، قریب قریب اس عظیم جدوجہد کے امکانات کے سمندر میں غوطہ زن رہتے۔

ایک سہ پہر میں آئسکریم کا ایک خریدار آیا۔ اس وقت دکان پر میں تنہا تھی، جیسے ہی میں اس کے سامنے میز پر پلیٹ رکھنے لگی میری نظر اخبار کی جلی سرخیوں پر پڑی 'ہومسٹیڈ میں تازہ پیش رفت۔ ہڑتالیوں کے کنبوں کی کمپنی کی رہائش گاہوں سے بے دخلی۔۔۔ محبوس عورتوں کو پولیس والوں نے لاکر سرراہ پھینک دیا۔'' میں نے گاہک کے کندھوں کے اوپر سے کارکنوں کے لیے فرک کے اقوال پڑھ لیے۔ وہ اس بات کو ترجیح دے گا کہ وہ سب موت کے منہ میں چلے جائیں بجائے اس کے کہ وہ ان کے مطالبات تسلیم کر لے۔ اس نے یہ دھمکی بھی دی کہ وہ پنکرٹن کے جاسوسوں کو بھی طلب کر سکتا ہے۔ رواداری کی وحشیانہ کند چوٹ، فرک کے ایک بے دخل کی جانے والی ماں پر غیر انسانی سلوک نے میرے تن بدن میں آگ لگا دی۔ غصے سے میں پاگل ہو گئی۔ میز پر بیٹھے ہوئے گاہک کی یہ آواز میرے کانوں میں پڑی ''کیا آپ بیمار ہیں، نوجوان خاتون؟'' میرے لائق کوئی خدمت ہو تو بتایئے؟'' ''جی، آپ مجھے اپنا اخبار عنایت کر دیں۔'' میں بے خیالی میں بولی۔ ''آپ آئسکریم کی قیمت بھی نہ ادا کریں، لیکن ازراہ کرم فوراً چلے جایئے۔ میں دکان بند کرنا چاہتی ہوں۔'' اس شخص نے مجھے ایسی نظروں سے دیکھا جیسے میں سنک گئی ہوں۔

میں نے دکان کو تالا لگایا اور پوری رفتار سے دوڑتی ہوئی تین عمارتوں کے پار اپنے چھوٹے سے فلیٹ کی طرف چلی۔ جو ہومسٹیڈ میں تھا روس میں نہ تھا، مجھے پتہ چل چکا تھا۔ میری بھوبی اب ہومسٹیڈ ہے۔ لڑکے جو رات کے اوقات کار کے لیے آرام کر رہے تھے جیسے ہی میں کمرے میں گھسی ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے، میرے ہاتھ میں اخبار چرمرا رہا تھا۔ ایما، کیا ہوا؟ تمہاری حالت بہت غیر لگ رہی ہے! میں کچھ نہ بول پائی، میں نے انہیں اخبار تھما دیا۔

ساشا اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ ''ہومسٹیڈ!'' وہ چیخا ''مجھے ہومسٹیڈ فوراً روانہ ہو جانا چاہیے!'' میں نے اس کے گرد اپنے بازو حمائل کر دیے اور نام لے کر چیخی، میں بھی چلوں گی۔ ''ہمیں اسی رات کو روانہ ہونا ہے'' وہ بولا ''آخر کار وہ ساعت عظیم آن پہنچی!'' چونکہ وہ بین الاقوامیت کے نظریے کا قائل تھا، اس نے کہا، یہ بات ہمارے لیے اہمیت نہیں رکھتی کہ کارکنوں نے یہ نقارہ بجایا ہے۔ ہمیں ان کا ساتھ دینا ہے، ہمیں ان تک اپنا عظیم پیغام پہنچانا ہے اور انہیں یہ بات سمجھانا بھی ہے کہ وہ محض موجود لمحے ہی کے لیے نہیں بلکہ مستقبل کے لیے بھی دھاوے جاری رکھیں تا کہ آزاد زندگی اور انارکزم کی منزل حاصل ہو جائے۔ روس میں آج بھی لاتعداد مرد و زن سورما موجود ہیں، لیکن کوئی امریکہ میں بھی ہے؟ ہاں ہم کو ہومسٹیڈ کے لیے آج رات کو روانہ ہونا ہے۔

میں نے ساشا کو اس قدر فصاحت سے بولتے کبھی نہ سنا تھا۔ یوں لگا جیسے اس کا قد و قامت اور بڑھ گیا ہے۔ وہ دیوہیکل اور سرکش لگ رہا تھا۔ اس کی داخلی روشنی نے اس کے چہرے کو خوبصورت بنا دیا تھا میں نے اسے کبھی اتنا حسین نہ دیکھا تھا۔

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

ہم فوراً اپنے مالک مکان کے پاس گئے اور اپنی روانگی کے فیصلے سے اسے آگاہ کیا۔ اس نے جواب دیا کیا تم پاگل ہو، تمہارا کاروبار چل نکلا ہے اور دولت تمہارے قدم چومنے والی ہے۔ اگر تم موسم گرما کے خاتمے تک ٹھہر گئے تو تمہاری بچت کم از کم ایک ہزار ڈالر کی ہوگی۔ لیکن اس کے دلائل کا کچھ اثر نہ ہوا۔۔۔ ہم ٹس سے مس نہ ہوئے۔ ہم نے ایک کہانی گھڑلی کہ ہمارا ایک عزیز قریب المرگ ہے اس لیے ہمیں فوراً روانہ ہونا ہے۔ ہم اپنا پورا کاروبار اس کے حوالے کر رہے ہیں، ہمیں صرف شام تک کی بکری کی رسیدیں درکار ہیں۔ ہم رات میں کاروبار کے بند ہونے کے وقت تک یہاں رہیں گے، ہر شئے مقرر جگہ پر چھوڑیں گے اور چلتے وقت چابیاں اس کو دے دیں گے۔

وہ شام خصوصاً مصروف گزری۔ اس سے پہلے اتنے بہت سے گاہک کبھی نہ آئے تھے۔ رات کے ایک بجے تک ہر چیز ختم ہوگئی۔ ہماری یافت پچھتر ڈالر کی ہوئی۔ ہم صبح کی پہلی ٹرین سے روانہ ہوگئے۔

راستے بھر ہم اپنے فوری منصوبوں پر بحث کرتے رہے۔ سب سے پہلے ہم فولاد کے کارکنوں کے لیے ایک منشور شائع کریں گے۔ کوئی ایسا آدمی تلاش کریں گے جو اس کا انگریزی میں ترجمہ کردے کیونکہ ہم اب بھی اس زبان میں اپنے خیالات کو درست طریقے سے بیان کرنے میں قاصر تھے۔ ہم اس کا جرمن اور انگریزی زبان کا مسودہ نیویارک میں چھپوائیں گے اور اسے لے کر پیٹرزبرگ جائیں گے۔ وہیں پر جرمن کامریڈوں کی اعانت سے ایک جلسے کا اہتمام کیا جاسکتا ہے جس سے میں خطاب کروں گی۔ فیدیا نیویارک ہی میں قیام کرے گا جب تک مزید پیش رفت نہیں ہوتی۔

اسٹیشن سے ہم سیدھے جولوک کے فلیٹ پر پہنچے۔ یہ ایک آسٹریا کا کامریڈ تھا جس سے ہم آٹونومی کے حلقے میں مل چکے تھے۔ یہ نانبائی تھا اور رات کے اوقات میں کام کرتا تھا لیکن اس کی بیوی پیپی اپنے دو بچوں کے ساتھ گھر پر تھی۔ ہمیں اطمینان تھا کہ وہ ہماری اچھی طرح خاطر مدارات کرے گی۔

وہ ہم تینوں کی بیک وقت آمد پر حیران رہ گئی، معہ ساز وسامان مگر اس نے ہمارا گرم جوشی سے استقبال کیا۔ کھلایا پلایا، اور سونے کے لیے کہا، مگر ہمیں بہت سے کام تھے۔

ساشا اور میں کلارٹمرمین کی تلاش میں نکل پڑے جسے ہم جانتے تھے کہ وہ ایک سرگرم جرمن انارکسٹ ہے۔ اس میں معقول شاعرانہ صلاحیتیں بھی ہیں اور موثر پروپیگنڈا بھی لکھ سکتا ہے۔ حقیقت یہ تھی کہ نیویارک آمد سے پہلے سینٹ لوئس میں وہ ایک انارکسٹ اخبار کا مدیر تھا۔ اسے لوگ پسند کرتے تھے اور وہ قابل اعتماد تھا مگر شراب نوشی کا رسیا تھا۔ ہمارے خیال میں کلارٹ واحد شخص تھا جو ہمارے منصوبے میں بلا کسی اندیشے کے سما سکتا ہے۔ اسے ہماری بات فوراً سمجھ میں آگئی۔ اسی سہ پہر میں منشور تحریر کرلیا گیا۔ آتشیں ندا میں ہومسٹیڈ کے لوگوں سے سرمایہ داری کا جوا اتار پھینکنے کو کہا گیا اور اجرت کے رائج نظام کی تباہی کی جدوجہد کا وسیلہ سمجھا جائے، سماجی انقلاب اور انارکزم کی جانب پیش قدمی جاری رہے۔

ہماری نیویارک واپسی کے چند دنوں کے اندر ہی پنکرٹنس کے ہاتھوں فولاد کے کارکنوں کے قتل عام کی خبر ملک بھر میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ فرک نے پہلے ہی ہومسٹیڈ ملز کی قلعہ بندی اس طرح کرلی تھی کہ اس کے اطراف میں اونچا جنگلا کھڑا کرادیا تھا۔ اس کے علاوہ، رات کے سناٹے میں ہڑتال شکنی کے لیے ایک بجرہ بھر کے لوگ لائے گئے۔ جن کی حفاظت پر بھاری مسلح پنکرٹنس ٹھگ مامور تھے۔ مونون گاہیلا دریا کے بہاؤ کے ساتھ وہ خاموشی سے وہاں پہنچ گئے۔ فولاد کارکنوں کو فرک کی چالوں کا علم ہو چکا تھا۔ انہوں نے دریا کے کنارے کنارے صف بندی کرلی اور وہ فرک کے بھاڑے کے ٹٹوؤں کو مار بھگانے کے لیے پرعزم تھے۔ جب بجرہ اتنا قریب آگیا جہاں سے نشانہ لگایا جاسکتا تھا تو پنکرٹنس نے بغیر کسی تنبیہ کے فائرنگ کردی جس سے ہومسٹیڈ کے کئی افراد جو کنارے پر تھے مارے گئے ان میں ایک کم عمر لڑکا بھی تھا اور لاتعداد گھائل ہوئے۔

اس شیطانی قتل عام نے روزناموں کو بھی چوکنا کردیا۔ ان میں سے کئی میں سخت اداریے چھپے جن میں فرک پر سخت تنقید کی گئی۔ وہ معقولیت کی حد پھلانگ گیا، محنت کشوں کی صفوں میں اس نے جلتی پر تیل کا کام کیا تھا۔ اور اگر اب کوئی تنگ آمد بجنگ آمد

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

والا واقعہ ہوا تو اس کا وہ خود ذمے دار ہوگا۔

ہمیں تو سکتہ ہوگیا۔ ہمیں جلد ہی اندازہ ہوگیا کہ ہمارے منشور کا وقت گزر چکا ہے۔ دریائے مونون گا ہیلا کے کنارے پر جو خونِ ناحق بہایا گیا ہے اس کے مقابلے میں لفظ کھوکھلے ہو چکے ہیں۔ ہم سب وجدانی طور پر سمجھ چکے تھے کہ اوروں کے دل میں کیسا لاوا پک رہا ہے۔ ساشا نے سکوت توڑا۔ ''اس جرم کا فرک ذمہ دار عنصر ہے''۔ اس نے کہا ''اس کے نتائج بھی اسی کو بھگتنے ہوں گے۔'' ایک کارروائی کے لیے یہ ایک نفسیاتی لمحہ تھا۔ پورے ملک میں واویلا ہوگیا ہر شخص کی نظر میں اس سوچے سمجھے قتل کا ذمہ دار فرک تھا۔ فرک پر پڑنے والی کسی بھی ضرب کی گونج غریبوں کے منڈووں اور جھگیوں میں بھی سنی جائے گی۔ اس طرح ساری دنیا کو ہومسٹیڈ میں جاری کشمکش کے اسباب کا پتہ چل جائے گا۔ جس سے دشمن کی صفوں میں دہشت پھیل جائے گی اور ان میں یہ احساس بھی پیدا ہوگا کہ امریکی پرولتاریوں میں بدلہ لینے والے موجود ہیں۔

ساشا نے اس سے پہلے کبھی بم نہ بنایا تھا۔ موسٹ کی (سائنس آف ریوولوشن وار فیر) ایک اچھی نصابی کتاب تھی۔ وہ سٹاٹن آیلینڈ میں اپنے ایک واقف کار مریڈ سے ڈائنامایٹ مانگ لایا۔ وہ اپنی تحریک کی خدمت کرنے کے لیے اس نازک موقع کے لیے عرصے سے تاک میں تھا تاکہ وہ لوگوں کے لیے اپنی جاں نثار کردے۔ وہ پیٹس برگ جائے گا۔

''ہم بھی تمہارے ساتھ چلیں گے!'' فیدیا اور میں ایک ساتھ بول پڑے۔ لیکن ساشا کوئی بات سننے کا روادار نہ تھا۔ وہ کہے جاتا کہ یہ بات غیر ضروری اور مجرمانہ ہے کہ ایک فرد کے لیے تین جانیں گنوائی جائیں۔

ہم بیٹھ گئے ساشا ہمارے درمیان میں ہمارے ہاتھ تھامے ہوئے تھا۔ دبی زبان اور ہموار لہجے میں اپنے منصوبے کی تفصیلات بیان کرنے لگا۔ وہ بم میں ایک ایسا پرزہ لگائے گا جو وقت کے مطابق کام کرتا ہو جس سے وہ فرک کو قتل کرنے کا کام لے گا۔ تاہم اس کی جان بچ جائے گی۔ منشا یہ نہیں ہے کہ میں بچ جاؤں، نہیں میں عرصہ دراز تک اس لیے جینا چاہتا ہوں تاکہ اپنے اقدام کو عدالت میں برحق ثابت کرسکوں تاکہ امریکی عوام کو شائید معلوم ہوجائے کہ میں جرائم پیشہ نہیں ہوں بلکہ ایک مثالیت پسند ہوں۔

''میں فرک کو قتل کروں گا۔'' ساشا نے کہا۔ ''بلاشبہ مجھے اس کی سزا موت کی شکل میں ملے گی۔ میں فخریہ موت مروں گا اور میں مطمئن ہوں گا کہ میں نے اپنی زندگی عوام کی راہ میں نچھاور کی۔ لیکن میں اپنی جان اپنے ہاتھ سے لوں گا بالکل لنگ کی طرح میں اپنے دشمنوں کو یہ موقع نہ دوں گا کہ وہ مجھے قتل کرسکیں۔''

میں عقیدت سے اس کی بات سن رہی تھی۔ اس کی صاف گوئی، اس کا سکون اور قوت، اس کے آدرش کی مقدس آگ نے مجھے گرویدہ بنالیا اور میں دم بہ خود ہو کر رہ گئی۔ وہ میری جانب مڑا اور گمبھیر آواز میں کہنے لگا میں ایک پیدائشی مقررہ ہوں اور نشر و اشاعت میں طاق، اس نے یہ بھی کہا۔ تم میرے کام کو آگے بڑھا سکتی ہو۔ تم میرے کام کے مفہوم کو کارکنوں تک برملا پہنچا سکتی ہو۔ مجھے اچھی طرح معلوم تھا کہ اسے فرک سے کوئی ذاتی پرخاش نہ تھی۔ اور بطور انسان وہ اسی احترام کا مستحق تھا جتنا کوئی اور ہوسکتا ہے۔ فرک دولت اور اقتدار کی علامت تھا، سرمایہ دارانہ طبقے کی ناانصافی اور گڑبڑ کا، مزید براں وہ کارکنوں کے خون بہانے کا ذاتی طور پر ذمے دار بھی تھا۔ ساشا کا اقدام فرک کی ذات پر حملہ ہوگا، ایک فرد پر نہیں بلکہ محنت کشوں کے دشمن پر۔ مجھ پر لازم تھا اور یہ کس قدر اہم تھا کہ میں اس سے الگ رہ کر اس کے کارنیک کے معنی عام کروں اور اس کا پیغام پورے ملک میں پہنچادوں۔

ہر لفظ جو اس کے منہ سے نکل رہا تھا لگتا جیسے کوئی بھاری ہتھوڑا میرے دماغ پر برس رہا ہو۔ اس کی گفتگو کی طوالت کی مناسبت سے یہ اندوہناک احساس مجھ میں بڑھتا چلا گیا کہ اسے اپنے آخری عظیم معرکے کے وقت میری قطعاً ضرورت نہیں ہے۔ اس احساس کے ریلے میں ہر چیز آگئی۔ پیغام، مقصد، فرض اور نشر و اشاعت۔ ان تمام اشیاء کی کیا حقیقت ہے اگر اس قوت سے موازنہ کیا جائے جس نے ساشا کے گوشت کو میرے پوست میں بدل دیا اور اس کے خون کو میرے خون میں آمیز کردیا تھا اس وقت سے جب میں نے اپنی پہلی ملاقات میں اس کی آواز سنی تھی اور اس کے ہاتھ کی گرفت محسوس کی تھی۔ کیا ہماری تین برس کی یکجائی میں وہ میری روح میں بس اتنا ہی اتر سکا کہ وہ نہایت اطمینان سے مجھے یہ مشورہ دے کہ میں سسکتی رہوں اور جئے

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

جاؤں اور اس کے پرخچے اڑ جائیں یا پھندہ لگا کر اسے موت کی نیند سلا دیا جائے؟ کیا یہی سچی محبت ہے۔۔جو عامیانہ محبت نہیں ہے۔۔ایسی محبت ہے جس میں یہ آرزو ہوتی ہے کہ محبوب کی ہر شے میں شراکت ہو۔۔کیا دیگر چیزوں کے مقابلے میں یہ زیادہ فوقیت نہیں رکھتی۔وہ روسی اس امر سے آگاہ تھیں جیسی ہیلفمان اور صوفیا پیروسکایا، وہ اپنے محبوبوں کی زندگی اور موت میں ساتھ ساتھ رہیں، میں بھی یہی سب کر سکتی ہوں۔

''ساشا میں تمہارے ساتھ چلوں گی'' میں ٹھٹکنے لگی۔مجھے تمہارے ساتھ رہنا چاہیے! مجھے معلوم ہے بطور عورت ذات میں تمہارے کام آسکتی ہوں۔فرک تک رسائی تمہارے مقابلے میں میرے لیے کہیں آسان ہے۔میں تمہارے لیے کارروائی کی راہ ہموار کر دوں گی۔اس کے علاوہ چاہے کچھ ہو میں تمہارے ساتھ چلوں گی۔ساشا تمہاری سمجھ میں کچھ آیا؟

ایک ہفتہ تو بڑی بے کلی میں گزرا ہو۔ساشا رات کے اوقات میں تجربات کرتا جب سب سو جاتے۔جب ساشا کام میں لگا ہوتا تو میں بیٹھی دیکھا کرتی۔ساشا کے لیے میری جان پر بنی رہتی، ان دوستوں کے لیے جو فلیٹ میں مقیم تھے، بچوں اور دیگر کرایہ داروں کے لیے۔اگر کچھ گڑبڑ ہوئی تو کیا ہوگا۔پھر تب کیا۔ارفع مقاصد کے لیے ذرائع جائز وجوہ نہیں بن جاتے؟ ہمارا مقصد پسے ہوئے اور استحصال شدہ لوگوں کی نجات کا مقدس نصب العین نہیں تھا؟ ہم ان کے لیے اپنی جانیں دے رہے تھے۔اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ چند اور زندگیاں تلف ہو جائیں۔۔بہت سے لوگ آزاد ہو جائیں گے اور چین و آرام کی زندگی بسر کر سکیں گے۔ ہاں، اس معاملے میں مقاصد کے حصول کے لیے جائز وجوہ موجود تھیں۔

ووسٹر سے نیویارک کے سفر کا کرایہ ادا کرنے کے بعد ہمارے پاس ساٹھ ڈالر بچے تھے۔یہاں پہنچنے کے بعد بیس پہلے ہی صرف ہو گئے۔بم بنانے کے لیے سامان خریدنے میں بھی کافی خرچ ہوا اور ہمیں نیویارک میں ابھی ایک ہفتہ اور قیام کرنا تھا۔ اس کے علاوہ مجھے ایک ڈریس درکار تھا اور جوتے جو پیٹس برگ کا کرایہ ملا کر پچاس ڈالر چاہیے تھے۔مجھے ابتدا ہی میں احساس ہو گیا کہ ہمیں کافی رقم چاہیے۔میں کسی ایسے شخص کو نہ جانتی تھی جو ہمیں اتنی رقم دے سکے اس کے علاوہ میں کسی پر اپنے مقاصد بھی نہیں فاش کر سکتی تھی۔جولائی کی چلچلاتی دھوپ میں کئی دنوں تک رائے عامہ کو قائل کرنے کی مہم کے بعد میں پچیس ڈالر جمع کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ساشا نے اپنا کام مکمل کر لیا اور بم کی آزمائش کے لیے سٹاٹن آئیلینڈ چلا گیا۔جب وہ لوٹا، میں اس کے چہرے کے تاثرات سے بتا سکتی تھی کہ کوئی اندوہناک بات ہوئی ہے۔جلد ہی معلوم ہو گیا کہ بم نہ چلا۔

ساشا کا یہ کہنا تھا کہ یا تو یہ کیمیکل پر لکھی غلط ہدایات کا شاخسانہ ہے یا پھر ڈائنامائٹ میں موجود رطوبت کی کارستانی ہے۔ دوسرا بم بھی اگر اسی سامان سے بنایا گیا تو غالب امکان یہ ہے کہ نہ چلے گا۔ایک ہفتے کی محنت اور تشویش اور چالیس قیمتی ڈالروں کی بربادی؟ ہمارے پاس گریہ وزاری اور تاسف کرنے کے لیے وقت نہیں تھا۔ہمیں تو تیزی سے کارروائی کرنا تھی۔

اب بچے جوہان موسٹ، منطقی بات یہ تھی کہ ہم اس کے پاس جائیں۔وہ ہمیشہ اس نظریئے کو فروغ دیتا کہ ہر فرد کو کارروائی کرنا چاہیے۔اس کے ہر مقالے اور تقریر میں اس پر زور دیا جاتا کہ ہمیں کارروائی کرنا چاہیے۔اسے یہ جان کر بہت خوشی ہوگی کہ امریکہ میں کوئی تو نکلا جو سورمائی کارروائی کرنا چاہتا ہے۔موسٹ لازماً فرک کے گھناؤنے جرم سے باخبر ہوگا۔فرای ہائٹ نے اسی کی طرف اشارہ کیا تھا جو اس کا ذمے دار تھا۔موسٹ ضرور ہماری مدد کرے گا۔

ساشا کو یہ تجویز بری لگی۔اس کا کہنا تھا کہ یہ بات واضح ہے کہ بلیک ویل جزیرے سے رہائی کے بعد سے موسٹ کا رویہ یہ تھا کہ وہ ہم سے تعلق نہ رکھنا چاہتا تھا۔ہمارے انوٹومی حلقے سے راہ و رسم رکھنے کے سبب اس کے دل میں تلخی آچکی تھی۔مجھے معلوم تھا کہ ساشا صحیح کہہ رہا ہے۔جن دنوں موسٹ اصلاحی قید خانے میں تھا میں نے اسے کئی مرتبہ لکھا لیکن اس نے کبھی جواب نہ دیا۔جب سے وہ رہا ہوا ہے اس نے مجھ سے ملنے کی کبھی خواہش نہ کی تھی۔مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ وہ ہیلن کے ساتھ رہتا ہے جس کا ایک بچہ بھی ہے۔مجھے کوئی حق نہیں پہنچتا کہ میں ان کی زندگی میں دخل در معقولات کروں ہاں، ساشا درست کہتا ہے، درمیانی خلیج بڑی ہو گئی ہے۔

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

مجھے یاد آیا کہ پیوکرٹ اور اس کے دوست کو ایک چھوٹا سا تر کہ ملا ہے جو ایک کامریڈ نے چھوڑا تھا۔ آخر الذکر نے ایک تحریر بھی چھوڑی تھی جس میں پیوکرٹ کو رقم کو استعمال کی اجازت کے ساتھ نشر واشاعت کے مقصد کے لیے ایک پستول بھی ملا تھا۔ میں متوفی کو جانتی تھی اور مجھے یقین تھا کہ وہ ہمارے منصوبے کی حمایت کرتا، مگر پیوکرٹ کی کیا نیت ہے؟ وہ موسٹ کے برعکس انفرادی انقلابی کارناموں کا برملا نقیب نہ تھا۔ لیکن وہ بھی معاملے کی نزاکت سمجھنے میں تامل نہیں کرے گا اور فرک کے خلاف کیے جانے والے اقدام کی اہمیت اس پر عیاں ہو جائے گی۔ وہ ہماری مدد کرنے پر آمادہ ہو جائے گا۔ اس کے لیے یہ ایک نادر موقع ہوگا جس سے وہ اپنے خلاف دیرینہ شکوک کو رفع کر لے گا۔

میں نے اگلی شام اس سے ملاقات کی فرمائش کی۔ اس نے صاف صاف انکار کر دیا نہ ہی اس نے رقم دی، پستول تو رہا ایک طرف۔ اس نے تقاضہ کیا کہ بتایا جائے کہ کس کے لیے اور کیا کرنے کے لیے۔ میں راز کھولنے پر آمادہ نہ تھی لیکن اس خوف سے کہ اگر رقم کا بندوبست نہ ہوا تو سب کچھ ڈوب جائے گا۔ بالآخر میں نے اسے بتا دیا کہ یہ سب کچھ فرک کو ہلاک کرنے کے لیے ہے مگر میں نے اسے یہ نہ بتایا کہ اس کا ارتکاب کون کرے گا۔ وہ راضی ہو گیا کہ اس اقدام سے ہمارے مقصد کو شہرت حاصل ہوگی۔ لیکن اس نے کہا کہ اسے اپنے حلقے کے دیگر لوگوں سے بھی مشورہ کرنا ہوگا تب مجھے وہ ملے گا جس کی میں نے فرمائش کی ہے۔ میں اس پر آمادہ نہیں تھی کہ اس منصوبے کو اتنے لوگ سن لیں۔ وہ لازماً اس خبر کو بہت سے لوگوں کو بتا دیں گے اور آخر کار صحافیوں کو اس کی سن گن مل جائے گی۔ مذکورہ امور سے بڑھ کر مجھے اس کا شدت سے احساس ہوا کہ پیوکرٹ اس معاملے سے قطعاً کوئی سروکار نہیں رکھنا چاہتا۔ اس شخص کے لیے یہ میرا ابتدائی تاثر تھا۔ وہ اس مٹی کا بنا ہوا نہیں تھا جس سے سورما اور شہداء بنے ہوتے ہیں۔

مجھے ساتھیوں کو اپنی ناکامی بیان کی ضرورت نہ پڑی، وہ میرے چہرے پر لکھی ہوئی تھی۔ ساشا نے کہا کہ کارروائی تو ہو کے رہے گی۔ اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا کہ ہمیں کہاں سے رقم ملتی ہے۔ اب یہ بھی واضح ہو چکا تھا کہ ہم تینوں میں سے دو نہ جا سکیں گے۔ میں اس کے عذر سنتی رہی تا کہ وہ اکیلا جائے۔ اس نے میری ذات میں اپنے اعتماد کو دہرایا اور میری طاقت کو بھی سراہا اور یقین دلایا کہ میں نے اسے ازحد مسرت سے نوازا جب میں اس کے ساتھ پٹس برگ جانے پر اصرار کرتی تھی۔ ''لیکن'' اس نے کہا ''ہم بہت غریب ہیں اور مفلسی ہماری تمام سرگرمیوں میں ایک فیصلہ کن کردار ادا کرتی ہے'' اس کے علاوہ ہم اپنی محنت کو تقسیم کر رہے ہیں ہر فرد وہی کام کرے گا جس کے لیے وہ موزوں ہے۔'' وہ مزاجاً بلوائی نہیں ہے لیکن میں اس کی ماہر ہوں اور یہ میری ذمے داری ہوگی کہ عوام تک اس کا پیغام پہنچاؤں۔ میں اس کے دلائل کے خلاف بگڑنے لگی حالانکہ میں ان کی اثابت کی دل ہی دل میں قائل تھی۔ ہمارے پاس پھوٹی کوڑی نہ تھی۔ مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ ادھر کی دنیا ادھر ہو جائے تو بھی وہ ضرور جائے گا۔ کوئی چیز اسے نہیں روک سکتی۔ اس نکتے پر مجھے سو فیصد یقین تھا۔

ہماری پونجی کل پندرہ ڈالر کی تھی۔ جس میں ساشا کا پیٹس برگ کے کرائے کے علاوہ چند ضروری اشیاء کی خریداری کے بعد ایک ڈالر بچے گا جو اس کے وہاں پہلے دن قیام وطعام کے لیے کافی تھا۔ ہمارے الیگھنی کے کامریڈ نولڈ اور باور جن پر ساشا تکیہ کرتا تھا چند دنوں تک اس کی مہمان نوازی کریں گے جب تک میں کہیں نہ کہیں سے رقم کا بندوبست کر لوں گی۔ ساشا نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ انہیں اپنے مشن کے سلسلے میں اعتماد میں نہ لے گا۔ اس کی دانست میں ضرورت بھی نہیں تھی۔ یہ کبھی بھی مناسب نہیں سمجھا جاتا کہ سازشی منصوبوں میں بہت سے لوگوں کو شریک کیا جائے۔ اسے کم از کم مزید بیس ڈالر درکار تھے جن سے ایک پستول اور ایک جوڑا کپڑا خریدا جا سکے۔ یہ بھی ممکن تھا کہ اسلحہ وہ ایسی دکان سے لے جہاں گروی رکھ کر اشیاء ملتی ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں یہ رقم کہاں سے لاؤں۔ لیکن مجھے یقین تھا کہ میں کسی نہ کسی طرح اس کا انتظام کر لوں گی۔

جن لوگوں کے ساتھ ہمارا قیام تھا انہیں ہم نے بتا دیا تھا کہ ساشا شام میں رخصت ہو جائے گا۔ مگر اس کی روانگی کے پس پردہ مقاصد کو نہ ظاہر کیا۔ ایک سادہ سا عشائیہ ترتیب دیا گیا، سب مذاق کر رہے تھے اور ہنس رہے تھے میں بھی اس دل لگی کی محفل میں

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

شریک ہوئی۔میری کوشش یہ تھی کہ ہنس مکھ لگوں جس سے ساشا کی طبعیت بشاش ہو لیکن ہنسی اور قہقہوں نے سسکیوں کی پردہ پوشی کی۔ اس کے بعد ہم ساشا کے ساتھ بالٹی مور اور وہیو کے اسٹیشن تک گئے۔ہمارے دوست ہم سے کچھ فاصلے پر رہے جبکہ میں اور ساشا پلیٹ فارم پر چہل قدمی کرتے رہے۔ہمارے دل اتنا امنڈ آئے تھے کہ بولنا دوبھر تھا۔

ٹرین کا کنڈکٹر چبا چبا کر بولے جا رہا تھا''سب سوار ہو گئے؟''میں ساشا سے لپٹ گئی۔وہ ٹرین پر سوار ہو چکا تھا اور میں نیچے والے پائیدان پر ٹکی ہوئی تھی۔اس کا چہرہ میرے منہ پر جھکا ہوا تھا اور میں اس کے ہاتھ کی گرفت میں تھی۔اس نے سرگوشی کی،میری ملاح لڑکی (وہ مجھے اسی نام سے پکارتا) کا مریڈ تم میرے ساتھ میری آخری سانس تک رہو گی۔تم ہی لوگوں کو یہ بتاؤ گی کہ میں نے اپنے آدرش کے لیے دنیا میں اپنی عزیز ترین شے تج دی یہ سب کچھ لوگوں کے شدید مصائب کے لیے کیا گیا۔

ٹرین حرکت کرنے لگی،ساشا نے گرفت ڈھیلی کر دی اور آہستگی سے پلیٹ فارم پر کود جانے میں میری مدد کی۔میں غائب ہوتی ہوئی ٹرین کے پیچھے دوڑی جا رہی تھی۔ہاتھ لہرائے جاتی اور پکارے جاتی''ساشا،ساشنکا!''دخانی عفریت اگلے موڑ پر غائب ہو گیا اور میں زمین میں دھنس سی گئی۔میں خلاء میں اسے کھینچ رہی تھی میرے بازو اس انمول جان کے لیے پھیلے ہوئے تھے جسے مجھ سے چھین کر کہیں دور پھینکا جا رہا تھا۔

میں جب سو کر اٹھی تو میرا ذہن اس معاملے میں بالکل صاف ہو چکا تھا کہ ساشا کے لیے کس طرح رقم جمع کی جائے۔میں دربدر ماری ماری پھروں گی۔میں سوچ میں پڑ گئی کہ ایسا خیال میرے ذہن میں کیسے آیا۔یادش بخیر

دوستووسکی کی (کرائم اینڈ پنشمنٹ) نے مجھ پر گہرا اثر چھوڑا تھا۔خصوصاً سونیا کے کردار نے جو مارمالیدوف کی بیٹی ہے۔ اس نے جسم فروشی اس لیے اختیار کر لی تھی تاکہ اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کی کفالت کر سکے اور اپنی دق کی مریضہ سوتیلی ماں کی پریشانیاں کم کر سکے۔مجھے یوں لگا جیسے سونیا میرے سامنے والی چارپائی پر لیٹی ہے منہ دیوار کی طرف ہے اور اس کے شانے پھڑک رہے ہوں۔مجھے لگا جیسے یہی مجھ پر گزر رہی ہے۔اگر حساس سونیا اپنا جسم بیچ سکتی ہے،میں کیوں نہیں کر سکتی؟میرا نصب العین اس سے کہیں عظیم ہے۔یہ ساشا ہے۔۔۔اس کا کارنامہ۔۔اور لوگ۔لیکن کیا میں یہ کر بھی سکتی ہوں،اجنبی مردوں سے؟راہ و رسم پیدا کروں۔۔۔وہ بھی پیسے کے لیے؟اس خیال سے مجھے گھن آنے لگی۔میں نے چہرہ تکیے میں چھپا لیا تاکہ روشنی نہ لگے''مریل۔ بزدل''اندر سے ایک آواز آئی''ساشا اپنی جان نچھاور کر رہا ہے اور تمہیں اپنا جسم دینے میں عار ہے۔نیچ،بزدل!''خود پر قابو پانے میں مجھے کئی گھنٹے لگے۔جب میں نے بستر چھوڑا تو اس وقت تک میں آمادہ ہو چکی تھی۔

اب میرا واحد مسئلہ یہ تھا کہ میں اتنی دلکش بن جاؤں تاکہ ان مردوں کی نظروں میں آسکوں جو گلی کوچوں میں لڑکیوں کی تلاش میں رہتے ہیں۔میں آئینے کے نزدیک ہو گئی تاکہ جسم کا معائنہ کروں،میں تھکی ہوئی لگ رہی تھی مگر میرا رنگ روپ اچھا تھا۔ مجھے کسی بناؤ سنگھار کی ضرورت نہیں ہے۔میرے گھونگھریالے سنہرے بال اور نیلی آنکھوں میں سحر تھا۔عمر کی مناسبت سے میرے کولھے بڑے تھے۔جبکہ میرے خیال میں ابھی محض تیئیس برس کی تھی۔خوب،میں یہودی نژاد تھی۔اس کے علاوہ،میں اب ایک زیر جامہ پہنوں گی اور اونچی ایڑی میں طویل قامت لگوں گی۔(اس سے پہلے میں نے دونوں کبھی استعمال نہ کی تھیں)۔

زیر جامے،اونچی ایڑی کی چپلیں،نفیس جانگیے۔۔ان سب کے لیے رقم کہاں سے لاؤں؟میرے پاس ایک سفید رنگ کا لینن کا ڈریس تھا جس پر کاکیشیا کی زردوزی کی جھالر ٹنکی ہوئی تھی۔میں تھوڑا سا نرم اور کھال کی رنگت والا سامان خرید کر اپنے لیے جانگیے سی سکتی تھی۔مجھے معلوم تھا کہ گرانڈ اسٹریٹ پر ارزاں سامان ملتا ہے۔

میں نے جلدی سے لباس تبدیل کیا اور ان اپارٹمنٹ میں کام کرنے والی کی تلاش شروع کر دی جو مجھے پسند کرتی تھی۔اس نے بلا حیل حجت کے مجھے پانچ ڈالر قرض دے دیے۔میں خریداری کے لیے روانہ ہو گئی۔جب واپس آئی تو میں نے خود کو کمرے میں مقید کر لیا۔اب میں کسی سے نہ ملوں گی۔اب میں مصروف ہوں اور اپنے لیے لباس تیار کر رہی ہوں اور ساشا کے متعلق سوچ رہی ہوں۔وہ کیا کہے گا؟کیا وہ صاد کرے گا؟ہاں،مجھے یقین ہے وہ اتفاق کرے گا۔اس نے ہمیشہ یہ کہا کہ نتائج ہی ذرائع کو جائز جواز مہیا کرتے ہیں

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

۔اور سچا انقلابی اپنے نصب العین کو حاصل کرنے میں کسی چیز سے بھی احتراز نہ کرے گا۔

شب سنچر کی' جولائی کی سولہ اور ۱۸۹۲ء میں نے کوچہ نمبر ۱۴ میں مٹر گشتی شروع کر دی۔ لڑکیوں کو جلوس کی شکل میں کاروبار کے سلسلے میں گھومتے ہوئے میں کئی مرتبہ دیکھ چکی تھی۔ اس لیے شروع میں مجھے کوئی گھبراہٹ نہ ہوئی۔ لیکن جب میں نے گزرتے مردوں کو چھچھورے انداز میں گھورتے اور عورتوں سے اشارے کنائے کرتے دیکھا تو میرا دل ڈوبنے لگا۔ میرا جی چاہا کہ بھاگ جاؤں اور اپنے کمرے میں لوٹ جاؤں، اپنی گھٹیا آرائش وزیبائش نوچ کر پھینک دوں اور کھرچ کر صاف ستھری ہو جاؤں۔ لیکن میرے کانوں میں ایک گھنٹی بجے جا رہی تھی ''ہمت نہ ہارو۔۔ساشا۔۔اس کا کارنامہ۔۔ہر چیز برباد ہو جائے گی اگر تم ناکام ہوئیں۔''

میں نے مٹر گشتی جاری رکھی لیکن مجھ میں کوئی شے ایسی تھی جو عمومی استدلال پر بھاری پڑ رہی تھی اور مجھے مجبور کر رہی تھی کہ جب کوئی مرد قریب آنے والا ہو تو مجھے چال کی رفتار بڑھا دینا چاہیے۔ ان میں سے ایک مصر ہو گیا مگر میں ہی بھاگ کھڑی ہوئی۔ گیارہ بجے تک میں ہلکان ہو چکی تھی۔ اونچی ایڑی کی وجہ سے پاؤں درد کرنے لگے اور دماغ میں دھمک ہونے لگی۔ میں تکان اور بیزاری کی وجہ سے اشک بار ہونے والی تھی کہ جو میں کرنا چاہتی تھی اس میں ناکامی ہوئی۔

میں نے ایک اور کوشش کی، میں چودھویں کوچے اور چوتھے ایونیو کے نکڑ پر کھڑی تھی جہاں پر بینک کی عمارت واقع ہے۔ جو بھی پہلا مرد مجھے مدعو کرے گا۔۔میں اس کے ساتھ چلی جاؤں گی، میں نے ٹھان لیا۔ ایک طویل قامت، ممتاز خدوخال اور خوش لباس شخص میرے قریب آیا ''آیئے ہم ایک جام پئیں، پیاری خاتون'' اس نے کہا۔ اس کے بال سفید تھے، وہ ساٹھ برس کا لگتا تھا مگر چہرہ سرخ وسفید تھا۔ ''ٹھیک ہے'' میں نے جواب میں کہا۔

اس نے میرا بازو تھام لیا اور مجھے یونین سکوئر پر واقع میخانے کی طرف لے چلا جس میں موسٹ کے ساتھ کئی مرتبہ آ چکی تھی۔ ''یہاں نہیں'' میں قریب قریب چلائی ''ازراہ کرم یہاں نہیں۔'' میں اسے تیسرے ایونیو کی تیرھویں سڑک پر لے آئی اور ایک میخانے کے عقبی دروازے سے داخل ہو گئی۔ میں وہاں ایک مرتبہ گلاس بھر بیر پینے کے لیے جا چکی تھی۔ یہاں خاموشی کے علاوہ صفائی بھی تھی۔

مگر اس رات وہاں بھیڑ تھی اور بہ مشکل ہم کو ایک میز ملی۔ اس نے شراب کا آرڈر دیا۔ پیاس کے مارے میرے حلق میں کانٹے پڑ رہے تھے اس لیے میں نے بیّر کے بڑے گلاس کی فرمائش کی۔ ہم میں سے کوئی نہ بولا۔ اس امر میں آگاہ تھی کہ موصوف میرے چہرے اور جسم کا ناقدانہ جائزہ لے رہے ہیں۔ یہ بات مجھے بری لگی۔ فوراً اس نے پوچھا ''تم اس کام میں اناڑی لگتی ہو؟ کیا ایسا نہیں ہے؟'' ہاں یہ میرے لیے پہلا موقع ہے۔۔مگر تمہیں کیسے پتہ چلا؟ جب تم میرے قریب سے گزر رہی تھیں تو میں تم پر نظر رکھے تھا۔ اس نے جواب دیا۔ اس نے مجھے بتایا کہ اس نے میرے چہرے کی گھبراہٹ بھانپ لی اور کسی مرد کی آمد پر میری چال کی تیزی بھی تاڑ لی تھی۔ اسی سے وہ سمجھ گیا کہ میں ناتجربے کار ہوں۔ وجہ چاہے کچھ بھی ہو کوئی بات مجھے بازار میں لائی ہے۔ اسے یہ بھی اندازہ تھا کہ اس میں چال چلن کی خرابی یا زندگی کو سنسنی خیز بنانے کی چاہت کا دخل نہیں ہے۔ ''لیکن اقتصادی مجبوری ہزاروں لڑکیوں کو اس کاروبار میں لے آتی ہے۔'' میں بے سوچے سمجھے بول پڑی، وہ پھٹی نظروں سے میری طرف دیکھنے لگا۔ ''یہ سمجھ بوجھ تم کو کہاں سے ملی ہے؟'' میں نے چاہا کہ اسے سماجیات کے اس سوال کے متعلق اچھی طرح سمجھا دوں، اپنے نظریات، میں کون اور کیا ہوں لیکن میں نے خود پر قابو پایا۔ مجھے اپنی شناخت اسے نہ بتانا چاہیے۔ یہ بات نہایت خوفناک ہوگی اگر اسے یہ معلوم ہو گیا کہ میں ایما گولڈمان ہوں۔ ایک انارکسٹ، جو چودھویں کوچے میں گاہک پھانستے ہوئی پائی گئی۔ اخبارات کے لیے کتنی چٹ پٹی کہانی بنے گی۔

اس نے کہا کہ اسے معاشی معاملات سے کوئی غرض نہیں ہے اور اس کی بھی کوئی پرواہ نہیں ہے کہ میرے اس اقدام کا پس منظر کیا ہے۔ وہ مجھے صرف یہ بتانا چاہتا ہے کہ جسم فروشی میں کچھ نہیں دھرا جب تک آپ کو اس کا سلیقہ نہ ہو۔ ''جو تم میں نہیں

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

ہے، یہی تمہارے لیے کافی ہے'' اس نے مجھے اطمینان دلایا۔ اس نے دس ڈالر کا نوٹ نکالا اور میرے سامنے رکھ دیا۔ ''اسے اٹھاؤ اور سیدھی گھر جاؤ'' وہ بولا، مگر تم یہ رقم مجھے کیوں دے رہے ہو اگر تم یہ نہیں چاہتے کہ میں تمہارے ساتھ چلوں'' میں نے پوچھا ''میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ تمہارے وہ اخراجات پورے ہو جائیں جو تم نے کھلے سمندر میں آنے کے لیے اپنی کشتی پر بادبان لگانے پر خرچ کیے ہیں۔'' اس کا جواب یہ تھا ''تمہارا لباس نہایت خوشنما ہے اگرچہ یہ تمہارے موزوں اور گھٹیا جوتوں سے میل نہیں کھا رہا۔'' میں بھونچکی رہ گئی' بولتی کیا۔

مجھے دو قسم کے مردوں سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے، اوباش اور مثالیت پسند، اولذکر کوئی ایسا موقع نہیں گنواتے اگر انہیں کوئی عورت ہاتھ آجائے انہیں اس کے متعلق کوئی اور خیال نہ آئے گا سوائے جنسی خواہش کی تکمیل کے۔ مثالیت پسند بڑی مضبوطی سے دونوں صنفوں کی مساوی حیثیت کے ضامن بنتے ہیں۔ کم از کم نظری طور پر لیکن اس اصول پر تمام لوگوں میں صرف روسی اور یہودی نژاد ریڈیکل مرد ایسے ہوتے ہیں جو کہتے ہیں اسی پر عمل کرتے ہیں۔ یہ شخص جو مجھے اس کوچے سے لوا لایا تھا اور جو ایک میخانے کے عقب میں میرے ساتھ بیٹھا تھا ایک تیسری قسم کا نکلا۔ مجھے اس میں دلچسپی پیدا ہو گئی۔ ہو نہ ہو وہ دولتمند ہو گا۔ لیکن کیا کوئی امیر آدمی بغیر کچھ لیے ہوئے کچھ دے سکتا ہے؟ میرے ذہن میں لباس ساز گارسن کا خیال آ گیا۔ وہ تو میری اجرت میں معمولی سے اضافے کا بھی روادار نہ تھا۔

یہ ان لوگوں میں سے تھا جنہیں قطب یا ولی کہا جاتا ہے اور جن کے متعلق میں پڑھ چکی ہوں۔ جو نیویارک شہر کے تمام گناہوں کی ہمیشہ تطہیر کرتے رہتے ہیں۔ میں نے اس سے پوچھ لیا۔ وہ قہقہہ مار کر ہنسا اور کہنے لگا کہ وہ پیشہ ور خدائی فوجدار نہیں ہے۔ اگر میں یہ سمجھ لیتا کہ تمہیں گلی کوچوں میں مارے مارے پھرنے کا شوق ہے تو میں ذرہ برابر پرواہ نہ کرتا۔ ''بے شک، میں قطعاً غلطی پر ہو سکتا ہوں'' اور کہا ''لیکن میرے لیے یہ بات کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ اب میں مطمئن ہوں کہ تمہاری نیت جسم فروشی پر مائل نہیں ہے، اور اگر تمہیں اس میں کامیابی ہو بھی گئی تو بعد میں تم اس سے نفرت کرو گی۔ اگر اسے اپنی بات پر یقین نہ ہوتا تو وہ لازماً مجھے داشتہ بنا لیتا'' اور ہمیشہ کے لیے؟'' ''تم سولہ آنے درست ہو!'' ''تم ایک نہایت خطرناک دوشیزہ ہو، لیکن تم ایک احمق اور ناتجربے کار نوعمر چھوکری بھی ہو۔'' ''میں پچھلے مہینے ہی تئیس سال کی ہوئی ہوں'' میں نے احتجاج کیا، اور برا مانا کہ مجھ سے بچے کی طرح سلوک کیا جا رہا ہے۔ ''تم ایک ضعیف بیگم ہو'' یہ کہتے ہوئے اس کی باچھیں کھلی جا رہی تھیں۔ لیکن عمر رسیدہ لوگ بھی جنگل میں بچے بن سکتے ہیں، میری طرف دیکھو میں اکسٹھ برس کا ہوں اور اکثر احمقانہ حرکتیں کرتا رہتا ہوں'' ''جیسے میں نے تمہاری معصومیت پر اعتبار کر لیا، مثال کے طور پر'' میں نے تڑ سے جواب دیا، اس کے اطوار کی سادگی پر میں ریجھ گئی۔ میں نے اس کا نام اور پتہ پوچھا تا کہ کسی دن میں اگر اس قابل ہو جاؤں تو اس کے دس ڈالر لوٹا دوں۔ لیکن اس نے بتانے سے انکار کر دیا۔ اسے پراسرار بن کر رہنا پسند تھا۔ اس نے کہا۔ اس نے باہر کوچے میں میرا ہاتھ ایک لمحے کے لیے تھاما اور پھر ہم مخالف سمتوں کی جانب مڑ گئے۔

اس رات میں گھنٹوں کروٹیں بدلتی رہی، بے چینی میں سوئی، میرے خواب میں کبھی ساشا' فرک، ہومسٹیڈ، چودھواں کوچہ اور کبھی ملنسار اجنبی آیا۔ اگلی صبح جاگنے کے کافی دیر بعد تک یہی تصویریں آنکھوں کے سامنے گھومتی رہیں۔ تب میری نگاہ میز پر رکھے بٹوے پر پڑی، میں اچھلی اور اسے کانپتے ہاتھوں سے کھولنے لگی۔۔ اس میں دس ڈالر کا نوٹ اب بھی موجود تھا! تو پھر یہ سب کچھ واقعی ہوا تھا!

دو شنبے کو ساشا کی ایک مختصر چٹھی آئی۔ وہ کارل نولڈ اور ہنری باور سے ملا ہے، اس نے لکھا۔ اس نے کارروائی کرنے کے لیے آنے والا سنیچر رکھا ہے بشرطیکہ میں اسے بلا تاخیر درکار رقم بھیج دوں۔ اسے یقین تھا کہ میں اسے مایوس نہ کروں گی۔ مجھے خط سے مایوسی ہوئی اس کا لہجہ سرد اور لاتعلقی والا تھا۔ اور میں سوچ میں پڑ گئی کہ وہ اجنبی اپنی عورت کو کس انداز میں لکھے گا جس سے وہ عشق کرتا ہو گا۔ میں نے ایک جھٹکے سے ان خیالات سے خود کو آزاد کر لیا۔ ایسے زمانے میں یہ احمقانہ خیالات تھے جب ساشا کسی کی

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

زندگی لینے کی تیاریوں میں لگا تھا اور جس میں وہ اپنی جان بھی گنوا سکتا تھا۔ بیک وقت میں اس اجنبی اور ساشا کے متعلق سوچنے کی عیاشی نہیں کر سکتی۔ مجھے اپنے محبوب کے لیے مزید رقم حاصل کرنا ہے۔

میں پندرہ ڈالر کے لیے ہیلینا کو لکھتی ہوں۔ میں نے اپنی عزیز چہیتی بہن کو کئی ہفتوں سے خط نہیں لکھا۔ اور مجھے اس سے پیسے مانگنے پڑیں گے جبکہ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ وہ کتنی مفلس ہے۔ بات تو مجرمانہ تھی۔ آخر کار میں نے اسے تار بھیجا کہ میں بیمار پڑ گئی ہوں اس لیے پندرہ ڈالر کی ضرورت ہے۔ مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ رقم کے حاصل کرنے میں اسے دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی اگر وہ یہ سمجھ گئی کہ میں بیمار ہوں لیکن احساس شرم سے میں مغلوب ہو گئی جیسے ایک مرتبہ پیٹس برگ میں، میں نے اسے فریب دیا تھا۔

ہیلینا سے یہ رقم مجھے بذریعہ تار ملی۔ بیس ڈالر تو میں نے ساشا کو روانہ کر دیے اور پانچ ڈالر کی رقم جو میں نے اپنے سنگھار کے لیے قرض لی تھی وہ بھی چکا دی۔

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

باب ۹

جب سے میں نیویارک آئی تھی مجھے ملازمت تلاش کرنے کی فرصت نہ ملی۔ ساشا کی روانگی کے بعد ہفتوں کا تناؤ، میرا اس سے اس بات پر الجھنا کہ میں اسے اکیلے نہ جانے دوں گی، میری گلی کوچوں کی مہم جوئی، جس میں میری وہ غم زدگی جو ہیلینا کو فریب دینے کا نتیجہ تھا اس سب نے مجھے تہہ وبالا کر دیا۔ میری حالت مزید بگڑنے لگی وجہ سنیچر کے دن کا اذیت رساں انتظار، یعنی جولائی کی ۲۳' یہ تاریخ ساشا نے اپنی کارروائی کرنے کے لیے مقرر کی تھی۔ میں بے چین ہوگئی اور جولائی کی گرمی میں ادھر ادھر ماری ماری پھرنے لگی، شام میں نے گرووین میکایل میں گزاری اور رات ساشز کے کیفے پر۔

سنیچر کے دن ۲۳ جولائی کو سہ پہر شروع ہوتے ہی فیدیا ہاتھ میں اخبار لیے میرے کمرے میں درانہ چلا آیا۔ اس میں سیاہ جلی حروف میں یہ لکھا تھا ''ایک نوجوان مسمی الیکزینڈر برکمین نے فرک پر گولی چلادی۔۔ کاریگروں نے جان پر کھیل کی اس پر قابو پالیا''۔

کارکن مردوں نے، کاریگروں نے ساشا پر قابو پایا، اخبار جھوٹ بول رہا تھا! اس نے یہ کارروائی کارکن مردوں ہی کے لیے انجام دی تھی۔ وہ اس پر کیوں حملہ کریں گے۔

جلدی میں ہم نے سہ پہر میں شائع ہونے والے سب ضمیمے خرید ڈالے۔ ہر ایک کی روداد جدا تھی۔ لیکن ایک حقیقت سب میں یکساں تھی۔۔ ہمارے بہادر ساشا نے کارروائی کر لی! فرک اب بھی زندہ تھا لیکن اس کے زخم جان لیوا سمجھے جا رہے تھے۔ وہ غالباً رات نہ گزار سکے گا۔ مگر ساشا۔۔ اسے شائید لوگ مار ڈالیں، وہ اسے ہلاک کرنے جا رہے تھے، میں تو یہی سمجھ رہی تھی۔ کیا میں اسے تنہا مرنے دوں؟ میں باتیں بناتی رہوں اور وہ اس کا قیمہ کر ڈالیں؟ مجھے بھی وہی قربانی دینا ہوگی جو وہ دے رہا ہے۔ مجھے بھی نتائج بھگتنا چاہیے۔ مجھے بھی ذمے داری میں برابر سے شریک ہونا چاہیے!

میں نے فرای ہایٹ میں پڑھا تھا کہ شام میں موسٹ جرمن انارکسٹ لوکل نمبر ایک سے خطاب کرنے والا ہے۔ ''وہ ساشا کی کارروائی پر ضرور بولے گا'' میں نے فیدیا سے کہا۔ ہمیں جلسے میں شرکت کرنا چاہیے۔

میں موسٹ سے کوئی سال بھر سے نہیں ملی تھی۔ وہ اب عمر رسیدہ لگتا تھا۔ بلیک ویل کا جزیرہ اس پر اثر انداز ہوا تھا۔ وہ اپنے معمول کے مطابق بولا لیکن ساشا کی کارروائی کا ذکر اس نے آخر میں کیا وہ بھی سرسری انداز میں ''اخبارات کا بیان ہے کہ برکمین نامی جوان نے فرک کی جان لینے کی کوشش کی۔'' اور کہنے لگا ''غالباً یہ اخبارات کی روایتی جعل سازی ہے۔ یہ کسی خبطی کا کام ہے یا شائید فرک کے اپنے ہی آدمی کا کام ہوتا کہ اس کے لیے عمومی ہمدردی پیدا کی جائے۔ فرک کو اچھی طرح علم ہے کہ عوامی خیالات اس کے خلاف ہیں۔ اسے ایسے آدمی کی ضرورت تھی جو اس سیلاب کو اس کے حق میں پھیر سکے۔

مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا، میں دم بخود ہوگئی اور موسٹ کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگی۔ میرے خیال میں وہ نشے میں تھا۔ میں نے اپنے چاروں طرف کے لوگوں کے چہروں پر دیکھا جن میں حیرانی نظر آئی۔ لیکن سامعین میں سے چند ایک اس کی گفتگو سے متاثر بھی لگے۔ میں نے باہر جانے کے دروازوں پر کئی مشکوک چہروں کو کھڑے دیکھا جو ہو نہ ہو جاسوس تھے۔

جب موسٹ کی تقریر ختم ہوگئی، میں نے تقریر کرنے کی خواہش ظاہر کی اور اپنے سے پہلے والے مقرر پر سخت نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا کہ اس نے مجمع کے سامنے مدہوش حالت میں تقریر کرنے کی کیسے جرات کی۔ اور اگر موسٹ ہوش میں تھا، تو میں نے یہ

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

مطالبہ کیا کہ کیا وہ سرکاری جاسوسوں سے ڈر گیا؟ اس نے فرک کے اپنے آدمی کی مضحکہ خیز کہانی کیسے ایجاد کر لی۔ ''کیا اسے نہیں معلوم کہ برکمین کون ہے؟''

اعتراضات اور احتجاج کی صدائیں بلند ہونے لگیں اور شور وغوغا اتنا بڑھا کہ مجھے تقریر ختم کرنا پڑی۔ موسٹ چبوترے پر سے اترا اس نے میری معروضات کا جواب نہ دیا۔ دلگیر ہو کر میں فیدیا کے ساتھ چل دی۔ ہمیں لگا کہ دو افراد ہمارا تعاقب کر رہے ہیں۔ کئی گھنٹے تک ہم انہیں مختلف گلی کوچوں میں جھانسہ دیتے رہے بالآخر انہیں چکما دینے میں کامیاب ہو گئے۔ ہم پارک رو کی طرف چلنے لگے اور وہاں اتوار کی صبح کے اخبارات آنے کا انتظار کرنے لگے۔

سنسنی خیز حرارت میں ہم نے ''سیاسی قاتل'' الیکزینڈر برکمین کی کہانی تفصیل سے پڑھی۔ وہ فرک کے نجی دفتر میں دھڑلے سے اس طرح داخل ہوا کہ وہ ایک سیاہ فام مزدور کے پیچھے پیچھے چلتا ہوا گیا جو اس کے نام کا کارڈ اندر پہنچانے والا تھا۔ اس نے بلا تاخیر گولی چلا دی جس سے فرک فرش پر گر پڑا اس کے جسم میں تین گولیاں پیوست ہو گئیں۔ پہلا شخص جو اس کی مدد کو پہنچا، اخبار کے مطابق، وہ اس کا محرر لیش مین تھا جو اس وقت دفتر میں موجود تھا۔ وہ کاریگر جو بڑھئی کے کام کے لیے عمارت میں مصروف تھے وہ بعد میں بھاگے بھاگے آئے ان میں سے کسی نے برکمین کو ہتھوڑا مار کر گرا دیا۔ شروع میں انہوں نے فرک کو مردہ سمجھ لیا۔ لیکن پھر اس کی ایک چیخ سنائی دی۔ برکمین ریگ کر اس کے قریب پہنچ گیا اور اتنے قریب کہ اس نے فرک کی ران میں ایک چھرا گھونپ دیا۔ اس کے بعد لوگ اس پر ٹوٹ پڑے اور وہ بے ہوش ہو گیا۔ اس کو تھانے پہنچا دیا گیا جہاں اس نے ہر بات کا جواب دینے سے انکار کر دیا۔ جاسوسوں میں سے ایک برکمین کے خدوخال سے شک میں پڑ گیا اور اس کا منہ کھلوانے کی کوشش میں قریب قریب اس کا منہ ہی توڑ دیا۔ اس کے منہ سے ایک انوکھی سی پھلی برآمد ہوئی جب اس سے پوچھا گیا کہ یہ کیا ہے، برکمین نے سرکش انداز میں نہایت حقارت سے کہا ''قلفی'' چھان بین کرنے پر وہ ڈاینامایٹ کا کارتوس نکلی۔ پولیس کو یقین تھا کہ اس میں کوئی سازش ہے۔ تب انہیں ایک رفیق جرم کی تلاش ہوئی بالخصوص ''ایک یقینی باخمیٹوف'' کی جس نے پیٹس برگ کے کسی ہوٹل میں اپنا اندراج کرایا تھا۔

میں نے محسوس کیا کہ عمومی طور سے اخبارات کی روداد درست تھیں۔ ساشا اپنے ساتھ ایک زہر میں بجھا چھرا بھی لے گیا تھا۔ ''اگر بم کی طرح کہیں ریوالور بھی کام نہ کرے'' اس نے کہا تھا۔ اسی لیے اس نے چھرے کو زہر لگا دیا تھا۔ کہ کسی صورت میں فرک نہ بچنے پائے۔ مجھے یہ یقین تھا کہ اخبارات نے اس معاملے میں غلط بیانی کی ہے جب انہوں نے یہ کہا کہ ساشا نے لیش مین پر بھی فائر کیا۔ اور مجھے اس بات پر بھی یقین نہ آیا کہ کاریگر فرک کی مدد کو دوڑے، جو ان کا دشمن ہے۔

آٹونومی کے حلقے میں، میں نے ہر شخص کو ساشا کے کارنامے پر نازاں پایا۔ پیوکرٹ نے میری اس بات پر ملامت کی کہ میں نے اسے یہ کیوں نہیں بتایا تھا کہ رقم اور پستول کس کے لیے چاہیے۔ میں اسے ایک طرف لے گئی۔ اور کہا کہ وہ ایک کمزور اعصاب کا انقلابی ہے میں سمجھ گئی تھی کہ مجھے جواب دیتے وقت، میری درخواست پر وہ اپنی ذات کے لیے بہت فکر مند ہو گیا تھا۔ حلقے نے یہ فیصلہ کیا کہ ''ہفتہ وار انارکسٹ'' کا آئندہ شمارہ اپنے جری کامریڈ کے لیے مخصوص کر دیا جائے۔ یعنی الکزینڈر برکمین اور اس کے سورمائی کارنامے پر۔ مجھ سے ساشا پر ایک مقالہ لکھنے کو کہا گیا۔ ایک مرتبہ فرای ہایٹ کے لیے ایک چھوٹے سے مضمون کو چھوڑ کر میں نے اشاعت کی غرض سے کبھی نہ لکھا تھا۔ میں گہری فکر میں پڑ گئی۔ یہ خوف دامن گیر تھا کہ میں مضمون سے انصاف کرنے میں قاصر رہوں گی۔ لیکن ایک رات کاغذ قلم سے جوجھنے کے بعد اور کاغذ کا دستہ ضائع کرنے کے بعد میں الگزینڈر برکمین پر ایک پرجوش خراج تحسین لکھنے میں کامیاب ہو گئی۔ جو ہومسٹیڈ کے مقتولوں کا بدلہ لینے والا تھا۔''

انارکسٹ ہفتہ وار میں چھپنے والی تحریروں کا مداحانہ لہجہ یوں لگا جیسے بیل کی نظر لال کپڑے پر پڑ گئی ہو۔ موسٹ کے دل میں ساشا کے خلاف اتنی کدورت جمع تھی جسے اس نے فرای ہایٹ میں اگلنا شروع کر دیا، کھل کر نہیں بلکہ در پردہ اور بالواسطہ طریقے سے۔ اگلے ہفتے فرای ہایٹ میں فرک پر ایک تیکھا حملہ چھپا۔ مگر یہ حملہ اس لیے اوچھا لگنے لگا کیونکہ اس میں ساشا کے کارنامے کو

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

مہمل اور مضحکہ خیز بھی ثابت کیا گیا تھا۔ موسٹ نے اپنے مضمون میں کنایتاً یہ کہا کہ ساشا نے ''ایک کھلونا پستول کو چلایا تھا۔'' پیٹس برگ میں نولڈ اور باور کی گرفتاری کو موسٹ نے برملا مذمت کا نشانہ بنایا۔ یہ اشارہ بھی کیا کہ فرک پر ہونے والے حملے میں ان کا ہاتھ نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ ابتدا ہی سے ''برکمین کو مشکوک سمجھتے تھے۔''

یہ بھی سچ ہے اور شبہ سے بالاتر ہے کہ ان دونوں کا مریڈوں کو اس کارروائی کے منصوبے کے متعلق کچھ بھی نہ پتہ تھا۔ ساشا نے روانہ ہونے سے پہلے ہی طے کرلیا تھا کہ وہ انہیں نہیں بتائے گا لیکن مجھے معلوم ہے کہ موسٹ نے یہ کہہ کر جھوٹ بولا ہے کہ وہ دونوں اس پر اعتبار نہ کرتے تھے۔ خاص طور سے کارل نولڈ تو بالکل نہیں۔ ساشا نے مجھے خط میں لکھا تھا کہ کارل کا اس سے سلوک کتنا دوستانہ تھا۔ یہ موسٹ کی محض کینہ پروری تھی اور اس کی تمنا کہ کسی طرح ساشا کے کام کو ناقابل اعتبار بنادے۔ اسی جذبے کے تحت اس نے وہ سب لکھ ڈالا جو ظاہر ہے۔

یہ طلسم شکنی کتنی اندوہناک تھی جب وہ شخص جس کی میں پرستش کرتی تھی، چاہتی تھی اور معتقد تھی وہ اتنا چھوٹا نکلے گا جس کا بیان کرنا دوبھر ہو۔ ساشا کے متعلق اس کے احساسات چاہے جو بھی ہوں۔ جسے وہ ہمیشہ اپنا حریف سمجھتا تھا۔ جان موسٹ یہ کیسے ممکن ہے کہ میرے تخیلات کا طوفانی بطریل، ساشا پر کیسے حملہ کرسکتا ہے؟ میرے دل میں اس کے خلاف تلخی پیدا ہونے لگی۔ میں اس آرزو کی گرفت میں آگئی کہ اس کی چیرہ دستی کا کیسے جواب دوں، ساشا کی راست بازی اور مثالیت پسندی کی کیسے بلند آواز میں منادی کرادوں۔ اور اس زور شور سے بتاؤں کہ ساری دنیا اسے سنے اور جان لے۔ موسٹ نے جنگ کا اعلان کردیا ہے۔۔ نتیجہ کچھ بھی ہو! میں اس کے حملوں کو انارکسٹ میں پسپا کروں گی۔

اسی زمانے میں اور روز ناموں نے انارکسٹوں کے خلاف ایک خونخوار مہم شروع کردی۔ وہ پولیس کو اکساتے کہ کارروائی کرے اور سب کو گرفتار کرلے جن میں ''جوہان موسٹ'' ایما گولڈمان اور ان کے ہالی موالی۔ میرا نام اس سے پہلے اخبارات میں نہ آیا تھا اور اب روزانہ چھپنے لگا وہ بھی انتہائی سنسنی خیز کہانیوں میں۔ پولیس حرکت میں آگئی، ایما گولڈمان کی تلاش شروع ہوگئی۔

میری سہیلی پیپی جس کے ساتھ میں مقیم تھی وہ جگہ پانچویں کوچے اور پہلے ایوینو کے سنگم پر تھی۔ اور پولیس اسٹیشن سے گھومتے ہی واقع تھی۔ مجھے اس کے سامنے سے اکثر گزرنا پڑتا۔ میں وہاں سے دھڑلے سے گزرتی اور اٹوٹومی کے صدر دفتر میں کافی وقت گزارتی۔ پھر بھی لگتا تھا کہ پولیس مجھے تلاش کرنے میں قاصر تھی۔ ایک شام میں جب ہم لوگ کسی مقام پر میٹنگ میں تھے پولیس نے آخر کار میرا اتہ پتہ دریافت کرلیا۔ فلیٹ میں آگ سے بچاؤ والے زینے سے گھس گئی اور جو چیز ان کے ہاتھ لگی وہ لے گئی۔ انقلابی دستی اشتہارات کا میرا بہترین انتخاب اور تصویریں۔ میری پوری خط و کتابت بھی ان کے ساتھ غائب ہوگئی۔ مگر انہیں وہ شے نہ ملی جس کی تلاش میں وہ یہاں آئے تھے۔ میرا نام جیسے ہی اخبارات میں آیا میں نے وہ تمام کاغذات وہاں سے ہٹادیے تھے جن میں وہ کاغذات بھی تھے جو ساشا کے تجربات سے متعلق تھے۔ پولیس کو چونکہ کوئی ایسی چیز نہ ملی جس سے توثیق ہوسکتی اس لیے وہ پیپی کی ملازمہ کے پیچھے پڑ گئے۔ لیکن وہ پولیس افسر کی جھلک پا کر اس قدر دہشت زدہ ہوگئی کہ کوئی بات نہ بتاسکی۔ اس نے بڑے دل گردے سے کام لے کر اس بات سے انکار کردیا کہ اس نے کسی ایسے شخص کو اس فلیٹ میں کبھی آتے دیکھا تھا جو ساشا کی تصویر سے مشابہت رکھتا ہو۔ جسے جاسوسوں نے اسے دکھایا تھا۔

پولیس چھاپے کے دو دن کے بعد مالک مکان نے ہمیں فلیٹ خالی کرنے کا حکم دے دیا۔ اس کے بعد اس سے بڑھ کر ایک اور ضرب لگی۔۔ مول لوک جو پیپی کا شوہر تھا اور لانگ آئی لینڈ میں کام کرتا تھا کو اغوا کر کے فوراً پیٹس برگ بھیج دیا گیا۔ الزام یہ تھا کہ اس نے ساشا کی کارروائی میں ساز باز کی تھی۔

کارروائی کے کئی روز کے بعد ملیشیا کے دستے ہومسٹیڈ میں نمودار ہوئے۔ زیادہ چوکس فولاد کے کارکنوں نے اس چال کی مخالفت کی لیکن قدامت پسند محنت کش عناصر نے ان کی چلنے نہ دی۔ انہوں نے اپنی حماقت میں یہ سمجھ لیا کہ یہ سیاہ پنکر ٹنوں کے حملے کی صورت میں ڈھال بنیں گے۔ دستوں نے بہت جلد ثابت کردیا کہ وہ کن کی حفاظت کے لیے آئے ہیں۔ وہ کارنیگی ملز کے

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

لیے آئے تھے نہ کہ ہومسٹیڈ کے کارکنوں کے لیے۔

تاہم، ان میں کم سے کم ایک ملیشیا والا اتنا باخبر نکلا جو ساشا کی بدلہ لینے کی کارروائی کو محنت کشوں سے ہونے والی ناانصافی کا نتیجہ سمجھتا تھا۔ اس بہادر نوجوان نے اپنی بھڑاس یہ کہہ کر نکالی اور ہم جلیسوں سے کہنے لگا ''کہ ہمیں اس شخص کے لیے تین مرتبہ نعرہ تحسین بلند کرنا چاہیے جس نے فرک پر گولی چلائی ہے'' اس پر فوجی عدالت میں مقدمہ چلایا گیا، انگوٹھے باندھ کر بطور سزا لٹکایا گیا مگر وہ نعرہ ہائے تحسین بلند کرتا رہا۔ یہ واقعہ واحد روشن لمحہ تھا جو ہر اسانی کے ان سیاہ دنوں میں ہوا جو ساشا کی روانگی کے بعد گزرے۔

ایک طویل اور مضطرب انتظار کے بعد ساشا کا خط آیا۔ ملیشیا والے نے جو موقف اختیار کیا تھا اس سے ساشا کو بے پایاں مسرت ہوئی تھی۔ اس نے لکھا، اس کا نام ڈبلیو۔ ایم۔ ایام ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ امریکی سپاہی بھی بیدار ہو رہے ہیں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ تم اس سے رابطہ کرو اور اسے انارکزم کا لٹریچر بھیج دو؟ وہ تحریک کے لیے ایک بے بہا اثاثہ ہوگا۔ میں اس کی فکر نہ کروں، میری طبیعت شاداں فرحاں ہے اور میں اس تقریر کی تیاری میں لگا ہوں جو میں عدالت میں کروں گا۔ اپنی وکالت کے لیے نہیں بلکہ زور اس پر ہوگا کہ میرے اقدام کا پس منظر کیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کا کوئی وکیل صفائی نہ ہوگا۔ وہ اس مقدمے میں اپنی نمایندگی اسی طرح خود کرے گا جیسے سچے روسی اور دیگر یورپی انقلابی کر چکے ہیں۔ پیٹس برگ کے کئی ممتاز وکیلوں نے اپنی خدمات بلا معاوضہ پیش کی تھیں لیکن اس نے معذرت کر لی۔ یہ سب کچھ ایک انارکسٹ کے نظریے سے مناسبت نہیں رکھتا کہ وکیل کی خدمات حاصل کی جائیں۔ مجھے چاہیے کہ میں دیگر کامریڈوں کے سامنے اس کے رویے کے اسباب صاف صاف بیان کر دوں۔ ہاں ورسٹ (موسٹ کو گزند نہ پہنچے یہ عرفیت اس لیے رکھی گئی) کا کیا حال ہے۔ کسی نے اسے تحریر ابتا دیا تھا کہ موسٹ اس کے اقدام کا موید نہیں ہے۔ کیا یہ بھی ممکن ہے؟ سرکار کتنی بیوقوف ہے کہ نولڈ اور باور کو گرفتار کر لیا! ان بچاروں کو اس کارروائی کے متعلق کچھ خبر نہ تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ میں نے انہیں یہ بتایا تھا کہ میں سینٹ لوئس کے لیے روانہ ہو رہا ہوں اور انہیں الوداع کہا۔ اس کے بعد ہوٹل کا کمرہ کرائے پر لیا اور وہاں اپنا نام باخمیٹوف درج کرایا۔

میں نے خط کو کلیجے سے لگا لیا اور چومے جاتی۔ اندازہ ہو رہا تھا کہ ساشا کے دل میں میرے لیے کتنی جگہ تھی۔ حالانکہ اس نے اس میں اپنی محبت اور میرے متعلق اپنے جذبات کے لیے ایک لفظ بھی نہ لکھا تھا۔

میرے دل میں اس کے اس فیصلے سے خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگیں کہ وہ اپنے مقدمے کی پیروی خود ہی کرے گا۔ اس کے رویے میں جو تسلسل تھا اسی پر میں مرتی تھی لیکن مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ اس کی انگریزی دانی بالکل میری طرح اتنی کمزور تھی کہ عدالتی کارروائی کے لیے موثر نہ ہوگی۔ مجھے یہ خوف دامن گیر تھا کہ اس سے کام بگڑ سکتا ہے۔ لیکن ساشا کی خواہش، زمانہ ماضی سے بڑھ کر میرے لیے مقدس تھی اور میں خود کو اس امید پر تسلی دینے لگی کہ اس کا مقدمہ کھلی عدالت میں ہوگا۔ اور میں اس کی تقریر کا ترجمہ کرتی جاؤں گی اور یوں پوری کارروائی کو ملک گیر شہرت ملے گی۔ میں نے لکھا کہ میں اس کے فیصلے سے اتفاق کرتی ہوں اور یہ بھی کہ ہم ایک بڑا جلسہ بلانے جا رہے ہیں جہاں اس کے کارنامے کی اچھی طرح وضاحت کی جائے گی اور اس کے محرکات کو اچھی طرح پیش کیا جائے گا۔ میں نے یہ بھی لکھا کہ اس بات سے اٹونومی حلقے میں بہت جوش و خروش پایا جا رہا ہے اور یہودی کامریڈوں کی صفوں میں بھی۔ اس موقف کا بھی ذکر کیا جو سوشلسٹ فاکس زایٹنگ نے لیا تھا۔ اس کے علاوہ اطالوی انقلابیوں کے ہمت افزاء رویئے کا بھی ذکر کیا۔ میں نے یہ بھی لکھا کہ اس نوجوان ملیشیا والے کی جرات پر بھی ہم سب بہت مسرور ہوئے لیکن وہ ہی اکیلا نہیں ہے جو ساشا کی مدح و ثنا کر رہا ہو اور اس کارنامے کو درخشاں نہ سمجھتا ہو میں نے کوشش کی کہ فرای ہایٹ میں شائع ہونے والی اہانت آمیز تحریروں کی ممکن حد تک نرم کر کے بیان کروں۔ میں اسے بے چین کرنا نہ چاہتی تھی۔ پھر بھی یہ ایک تلخ حقیقت تسلیم کرنا پڑ رہی تھی کہ ساشا نے جو اس کے متعلق رائے قائم کی تھی موسٹ اس کے جائز ہونے کا ثبوت پیش کر رہا تھا۔

ہم نے ساشا کی نیابت کرنے کی غرض سے ایک بڑا جلسہ کرنے کے انتظامات شروع کر دیے۔ جوزف بیرنڈس کئی لوگوں

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

میں پہلا فرد تھا جس نے مدد کرنے کی حامی بھر لی میں چونکہ اس سے کوئی سال بھر پہلے مل چکی تھی۔ وہ لباس سازوں کی ہڑتال کے سلسلے میں سزا پا کر جیل کاٹ آیا تھا۔ لیکن محنت کشوں کی انجمن کی درخواست اور اس کے اپنے معافی نامے پر کارروائی کرتے ہوئے ریاست نیویارک کے گورنر نے اس کی باقی سزا معاف کر دی تھی۔ ڈایر۔ ڈی۔ لم جو البرٹ پارسنز کا قریبی دوست تھا نے ازخود تقریر کرنے کی پیشکش کی۔ ساویریو مرلینو ممتاز اطالوی انارکسٹ جوان دنوں نیویارک میں تھا نے بھی جلسے سے خطاب کرنے کی حامی بھر لی۔ میں پھولے نہ سماتی۔ اب بھی ساشا کے سچے اور جاں نثار کامریڈ موجود ہیں۔

ہمارے لمبے چوڑے سرخ پوسٹروں سے جن پر جلسے عام کے اعلانات تھے نے گویا اخباری صحافت کو طیش دلا دیا۔ کیا صاحبان اختیار مداخلت نہ کریں گیں؟ پولیس نے یہ دھمکی دی کہ ہمارا جلسہ روک دیا جائے گا۔ مگر مقررہ شام کو سامعین کا اتنا بڑا مجمع تھا اور وہ بھی اتنا پرعزم کہ پولیس نے کچھ نہ کیا۔

میں نے چیئرمین کے فرائض سنبھالے' جو میرے لیے ایک نیا تجربہ تھا کوئی اور اس کے لیے نہ ملا۔ جلسہ بہت جاندار ہوا ہر مقرر نے ساشا کو اور اس کے کارنامے کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا۔ مثالیت پسند لوگ جو خونریزی پر حدیں لگاتے ہیں میں ان سے نفرت کرتی ہوں اور اس جذباتی کھینچا تانی میں ساشا کی شرافت پر میں رونے لگتی ہوں' اس کی بے لوثی' اس کا عوام الناس کے لیے نذرانہ دینا۔

''غصے میں بھری'' میری تقریر پر اگلی صبح کے اخباروں نے یہ تبصرہ کیا۔ ''اس خطرناک عورت کو کب تک ایسا کرنے کی اجازت رہے گی؟'' آہ۔ کاش وہ جانتے کہ میں اپنی آزادی تج دینے کو کتنی بے قرار ہوں۔۔۔ یہ بتا سکوں کہ اس کارنامے میں میرا کتنا حصہ تھا۔ اگر انہیں ذرہ برابر معلوم ہوتا!

نئے مالک مکان نے پپی سے کہا کہ وہ مجھ سے گھر چھوڑنے کو کہے یا پھر گھر خالی کر دے۔ بیچاری پپی' وہ میری وجہ سے اتنی تکالیف اٹھا رہی ہے۔ رات گئے تک چلنے والے ایک جلسے کے بعد جب میں دیر سے گھر لوٹی تو میرے بیگ سے کنجی ندارد۔ مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ میں نے صبح میں اسے رکھا تھا۔ میں نے صفائی کے دروغہ کو جگانا مناسب نہیں سمجھا۔ میں دوھری ہو کر بیٹھ گئی اور اپنے جیسے کسی اور کرائے دار کی آمد کا انتظار کرنے لگی۔ بالآخر کوئی آیا اور مجھے بھی گھر میں داخل ہونے کا موقع مل گیا۔ جب میں نے پپی کے اپارٹمنٹ کا دروازہ کھولنا چاہا تو وہ نہ کھلا, میں تواتر سے کھٹکھٹاتی رہی مگر جواب ندارد۔ مجھے خطرہ محسوس ہونے لگا اور برے برے خیال آنے لگے۔ میں نے زور سے دروازہ پیٹا' بالآخر اس کی خادمہ نمودار ہوئی اور مجھ سے کہنے لگی کہ مالکن نے مجھے یہ بتانے کے لیے بھیجا ہے کہ میں فلیٹ کے قریب نہ آؤں کیونکہ پولیس اور مالک مکان نے اس کا ناک میں دم کر دیا ہے جسے وہ مزید برداشت نہیں کر سکتی۔ میں عورت کو ڈھکیل کر بڑھی اور پپی کو باورچی خانے میں جا لیا اسے بری طرح جھنجھوڑا اور اسے بزدل ٹھہرایا۔ کمرہ خواب سے میں نے اپنی چیزیں جمع کیں اس دران میں پپی زاروقطار روئے جا رہی تھی۔ اس نے مجھے باہر سے تالا لگا کر بند کر دیا وہ ریں ریں کیے جاتی کہ یہ سب بچوں کی وجہ سے ہوا ہے جنہیں جاسوسوں نے ڈرا دیا۔ میں خاموشی سے نکل کھڑی ہوئی۔

میں سیدھی اپنی دادی کے گھر چلی گئی۔ ان سے میری بہت دنوں سے ملاقات نہیں ہوئی تھی، وہ میری صورت دیکھ کر حیران ہو گئیں۔ وہ پوچھے جاتیں کہ میں بیمار تو نہیں ہوں اور مجھے ان کے ساتھ قیام کرنا ہوگا۔ دادی ایک پرچون کی دکان چلاتی تھیں جو دسویں کوچے کے بی۔ ایو بینیو پر واقع تھا۔ گھر میں دو ہی کمرے تھے جن میں سے ایک میں ان کی شادی شدہ بیٹی رہتی تھی۔ میرے لیے باورچی خانہ بچا جہاں میری آمدورفت بلا کسی رکاوٹ کے ہو سکتی تھی کسی کو دق کیے بغیر۔ دادی نے ایک چارپائی لا دینے کا وعدہ کیا اور دونوں میرے لیے ناشتہ تیار کرنے میں لگ گئیں تاکہ میں بے فکر ہو جاؤں۔

اخبارات بیان کرنے لگے کہ فرک کے زخم بھرنے لگے ہیں۔ وہ کامریڈ جو مجھ سے ملنے آتے کہتے کہ ان کے خیال میں ساشا ''ناکام رہا'' ان میں سے چند ایک کی دیدہ دلیری ملاحظہ کیجئے یہ دور کی کوڑی لائے کہ شائید موسٹ کی بات درست ہو کہ ''یہ

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

ایک کھلونا پستول تھا'' میری کاٹو تو لہو نہیں والی کیفیت تھی مجھے معلوم تھا کہ ساشا کو گولی چلانے کا کوئی خاص تجربہ نہ تھا۔ کبھی کبھی اہل جرمن کی پکنک میں وہ شوقیہ نشانہ بازی کرتا، کیا اتنا کافی تھا؟ مجھے یقین تھا کہ فرک کے نہ مرنے اور ساشا کی ناکامی کی وجہ ادنیٰ درجے کا پستول تھا۔ اچھا پستول خریدنے کے لیے اس کے پاس کافی رقم نہ ہوگی۔

شائید فرک اس لیے صحتیاب ہو رہا تھا کہ اس کی بہت دیکھ بھال ہو رہی تھی؟ امریکہ کے ممتاز سرجنوں کو اس کے علاج کے لیے طلب کر لیا گیا تھا۔ ہاں، یہی بات ہے۔ پھر بھی ساشا کے ریوالور کی تین گولیاں اس کے جسم میں پیوست ہوئی تھیں۔ یہ فرک کی دولت تھی جس کے برتے پر وہ صحتیاب ہوتا جا رہا تھا۔ میں نے کامریڈوں کو یہی سمجھانے کی کوشش کی مگر ان میں سے اکثر قائل نہ ہوئے۔ چند ایک نے تو کنایتاً یہ تک کہا کہ ساشا گھوم پھر رہا ہے اور حراست میں نہیں ہے۔ میں تو پاگل ہوگئی۔ انہیں ساشا پر شک کرنے کی جرات کیسے ہوئی؟ میں اسے بھی لکھوں گی! میں اس سے گڑگڑاؤں گی کہ وہ صاف صاف لکھے جس سے اس کے متعلق پھیلنے والی خوفناک افواہوں کا سدباب ہو۔

جلد ہی ساشا کا ایک خط آیا۔ انتہائی سپاٹ زبان میں۔ اسے طیش دلایا جا رہا ہے کہ میں ایک وضاحت بھی پیش کروں۔ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ جو چیز سب سے اہم تھی وہ اس کارروائی کے محرکات تھے اور اس کا جسمانی کامیابی یا ناکامی سے کوئی تعلق نہیں؟ میرا غریب، ستم رسیدہ لڑکا! مجھے بین السطور اس بات کا اندازہ ہو گیا کہ فرک کے بچ جانے سے وہ کتنا بددل تھا۔ لیکن وہ اپنی جگہ درست بھی تھا اہمیت محرکات کی ہوتی ہے جن پر کوئی بھی شک نہیں کر سکتا۔

ہفتے پر ہفتے گزرتے گئے مگر ابھی تک اس بات کا کوئی اشارہ نہیں ملا تھا کہ مقدمے کی کارروائی کا کب آغاز ہوگا۔ اسے ابھی تک پینٹس برگ جیل کی 'قاتلوں کی کوٹھری' میں رکھا جا رہا تھا۔ لیکن اس حقیقت نے کہ فرک روبصحت ہے ایک حد تک ساشا کی قانونی حیثیت میں فرق پیدا کر دیا تھا۔ اسے اب سزائے موت نہیں ہو سکتی۔ کئی کامریڈوں کی زبانی مجھے معلوم ہوا تھا کہ قانون میں قاتلانہ حملے کی سزا جیل میں سات سال کی قید ہے۔ یہ امید کی پہلی کرن تھی سات سال ایک طویل مدت ہے لیکن ساشا بھی کڑیل جوان ہے اور فولادی استقلال رکھتا ہے، وہ جھیل جائے گا۔ نئے امکانات سے اتنی امید بندھی کہ میرے پور پور میں رچ بس گئی۔

میری ذاتی زندگی اندوہناک تھی۔ دادی کا گھر لوگوں سے بھرا رہتا اس لیے میں اپنے قیام کو طول نہ دے سکتی تھی۔ میں ایک کمرہ تلاش کرتی رہی لیکن مکان کے مالکان کو لگتا' میرا نام دہشت زدہ کر دیتا۔ دوستوں نے مشورہ دیا کہ مجھے کوئی اور نام رکھ لینا چاہیے مگر میں اپنی شناخت چھپانے پر آمادہ نہیں تھی۔

میں دوسرے ایونیو پر واقع ایک کیفے میں اکثر صبح تین بجے تک بیٹھی رہتی۔ یا ٹرام میں بیٹھ کر برونکس تک کا پھیرا لگاتی رہتی۔ بوڑھے گھوڑے میری ہی طرح تھکے ہارے لگتے اور وہ آہستہ آہستہ چلتے۔ میں ایک نیلی اور سفید دھاریوں کے لباس میں ہوتی اور خاکستری کوٹ پہنتی جو نرسوں کی وردی سے ملتا جلتا تھا۔ مجھے بہت جلد ہی پتہ چل گیا کہ اس کی وجہ سے قدرے تحفظ بھی ملتا ہے۔ کنڈکٹر اور پولیس والے اکثر پوچھتے کہ کیا میں ڈیوٹی ختم کر کے آ رہی ہوں اور کھلی ہوا میں تازہ دم ہو رہی ہوں۔ ایک نوجوان پولیس والا ٹوپکن کے چوراہے پر میرے لیے خصوصاً تردد میں پڑ گیا۔ وہ میرا دل بہلانے کے لیے اکثر اپنے نہایت شیریں آئرش لہجے میں کہانیاں سناتا۔ یا مجھ سے کہتا کہ مجھے ہلکی سی جھپکی لے لینا چاہیئے اور وہ میری حفاظت کے واسطے قریب ہی کھڑا پہرہ دیتا رہے گا۔ ''بے بی تم مٹر گشتی پر نکلی ہو'' وہ کہتا ''تم بہت محنت کرتی ہو کیا یہ صحیح ہے؟'' میں نے اسے یہ بتایا تھا کہ میں رات دن کام پر رہتی ہوں جس میں صرف چند گھنٹے کا وقفہ ہوتا ہے۔ میں دل ہی دل میں اس بات پر مسکرائے بغیر نہ رہتی کہ ایک پولیس والا میری حفاظت پر مامور ہے! میں سوچتی کہ یہ پولیس والا مجھ سے کیسے پیش آئے گا اگر اسے یہ پتہ چل جائے کہ یہ اترے ہوئے چہرے والی نرس کون ہے۔

تیسرے ایونیو کے چوتھے کوچے میں سے میں جب بھی گزرتی تو ہمیشہ وہاں ایک تختی دیکھتی ''سجا سجایا کمرہ کرائے پر'' ایک

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

دن میں اندر چلی گئی۔ میری شناخت کے متعلق سوالات نہ پوچھے گئے۔ کمرہ چھوٹا سا تھا۔ مگر کرایہ زیادہ، چار ڈالر ہفتہ اطراف کا ماحول خلاف معمول لگا۔ مگر میں نے کرائے پر لے لیا۔

رات کے وقت مجھے پتہ چلا کہ اس علاقے کے سارے گھر لڑکیوں نے کرائے پر لے رکھے ہیں۔ شروع میں میں نے اس پر کوئی توجہ نہ دی اور اپنے سامان کو ترتیب دینے میں مصروف رہی۔ اس بات کو ہفتوں گزر چکے تھے تب جا کے میرے کپڑے اور کتابیں کھولنے کی نوبت آئی تھی۔ اس میں کتنی سرور آمیز راحت ملتی ہے جب آپ فرش کو رگڑ کر دھوئیں یا صاف ستھرے بستر پر دراز ہوں۔ میں جلد ہی سو چکی تھی مگر رات گئے اپنے دروازے پر ہونے والی کھٹ کھٹاہٹ سے جاگ گئی۔ ''کون ہے بھئی'' میں نے صدا دی، اب بھی نیند کے جھونک میں تھی۔ ''واآیلا، کیا تم مجھے اندر نہ آنے دو گی؟ میں بیس منٹ سے کھٹ کھٹا رہا ہوں، کون سی قیامت آ گئی ہے؟'' ''تم ہی نے تو آج رات کو بلایا تھا'' عالی جاہ آپ غلط جگہ پر آ گئے ہیں میں نے جواب دیا ''میں واآیلا نہیں ہوں۔''

کچھ دنوں تک اسی نوعیت کے واقعات ہر رات کو ہوئے۔ مرد کبھی ایڈیؔ کو آواز دیتے، کبھی ملڈرآڈ کو یا کلوتھآیلڈ کو، آخر کار مجھے پتہ چل گیا کہ میں چکلے میں رہتی ہوں۔

میرے کمرے سے متصل کمرے میں ایک نوجوان لڑکی مقیم تھی جس کا چہرہ ہمدردوں والا تھا۔ ایک دن میں نے اسے کافی پینے کی دعوت دی۔ مجھے اس سے معلوم ہوا کہ یہ علاقہ کوئی مستقل ''اڈہ نہیں ہے، جس کی نائیکہ ہوتی ہے'' بلکہ یہ بنے سنورنے والا کمرہ ہے جہاں لڑکیوں کو اپنے مرد دوست لانے کی اجازت ہے۔ اس نے مجھ سے پوچھا کہ تمہارا کاروبار تو ٹھیک چل رہا ہے کیوں کہ میں بھی نوجوان ہوں۔ جب میں نے اسے بتایا کہ میں یہ کاروبار نہیں کرتی اور محض لباس ساز ہوں تو لڑکی پھبتی کسنے لگی۔ مجھے یہ بات اسے سمجھانے میں کچھ وقت لگا کہ میں مرد گاہکوں کی تلاش میں نہیں ہوں۔ اس سے بہتر جگہ مجھے کہاں مل سکتی ہے جو لڑکیوں سے بھری ہوئی ہے اور جنہیں ڈریسوں کی ضرورت بھی ہے؟ میں نے اس بات پر غور کرنا شروع کر دیا کہ میں اس گھر میں قیام کروں یا چھوڑ دوں۔ اس ماحول کی آوازوں اور مناظر کے درمیان میں رہنے کے خیال سے میری طبیعت بگڑنے لگتی ہے۔ میری کریمانہ مزاج اجنبی اپنی جگہ صحیح تھی۔۔۔ مجھے ان چیزوں میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اس بات کا خوف ہر وقت طاری رہتا تھا کہ اگر انہیں اس کی بھنک مل گئی کہ کس نوعیت کے علاقے میں میرا قیام ہے۔ انارکسٹوں کو پہلے ہی نہایت شرمناک حیثیت دی جاتی ہے تو یہ سرمایہ داری کی چکی کے لیے پسائی کا اناج مل جائے گا' اگر انہیں یہ اعلان کرنے کا موقع مل گیا کہ ایما گولڈمان قحبہ خانے میں رہائش پذیر ہے۔ مجھے یہاں سے رخصت ہو جانے کی ضرورت کا احساس دامنگیر ہوا۔ مگر میں وہیں مقیم رہی۔ ساشا کے رخصت ہونے کے بعد گزرنے والے کٹھن دن، بے خانگی کا اندیشہ اور ان انگنت لوگوں میں شامل ہونے کا ڈر جن کے سر پر چھت نہیں ہوتی یہ تمام فکریں سب پر بھاری پڑ گئیں۔

ایک ہفتہ گزرنے سے پہلے ہی میں زیادہ تر لڑکیوں کی ہمراز بن چکی تھی۔ مجھ پر مہربانی کرنے میں وہ ایک دوسرے پر سبقت کرنے کی کوشش کرتیں۔ اپنی سلائی کا کام مجھے دیتیں اور چھوٹی چھوٹی باتوں میں مدد کرتیں۔ جب سے میں ورسٹر سے لوٹی تھی پہلی مرتبہ میں اپنی کفالت کرنے کے قابل ہوئی تھی۔ میری اپنی کوئی جگہ تھی اور میں نے کچھ دوست بھی بنا لیے۔ لیکن میرے نصیب میں نہیں لگتا کہ تادیر ہموار زندگی گزرے۔

ہمارے حلقے اور موسٹ کے درمیان تنازعہ ابھی چل رہا تھا۔ بہ مشکل کوئی ہفتہ جاتا جب ساشا یا مجھ پر فرای ہایٹ میں لعنت ملامت نہ کی جاتی۔ یہ بات بہت تکلیف دہ تھی کہ وہ شخص شرمناک حملے کرے جو ایک زمانے میں مجھ سے عشق کرتا تھا۔ لیکن یہ بات ناقابل برداشت ہو گئی جب ساشا پر اتہام باندھا جانے لگا اور ضرر رساں الزام تراشی ہونے لگی۔ تب موسٹ کا مقالہ ''(اتانٹس ریفلکیونن) بہتان طرازی فرائی ہائٹ کے ۲۷ اگست کے شمارے میں چھپا۔ جس میں ہر چیز اس کے برعکس تھی جس کی آج تک موسٹ مسلسل وکالت کرتا آ رہا تھا۔ موسٹ، جسے میں بارہا بولتے ہوئے سن چکی تھی کہ ہمیں تشدد کا راستہ اختیار کرنا

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

چاہیے۔جس نے انگلینڈ میں اس لیے قید کاٹی کہ وہ استبدادی قتل عام کو تابندگی دینے کا مرتکب ٹھہرایا گیا۔۔موسٹ جو سرکشی اور بغاوت کا انسانی ہمزاد تھا۔جواب دیدہ ودانستہ اسے اپنانے سے منکر ہے۔میں سوچنے لگی کہ جو اس نے لکھا ہے کیا وہ اسی پر یقین رکھتا ہے؟ کیا ساشا کی نفرت نے اسے یہ لکھنے پر اکسایا ہے یا لکھنے کا مقصد حفظ ماتقدم ہے کیونکہ اخبارات میں اس پر ملوث ہونے کے الزام عائد کیے جا رہے ہیں؟ اس نے یہ جرات بھی کی کہ اس نے ساشا کے محرکات کو بھی در پردہ زک پہنچائی۔موسٹ نے جس طرح میری دنیا کو مالا مال کیا تھا اور زندگی میں جو رنگ اور حسن بھر دیا تھا وہ سب بکھر کر میرے قدموں تلے پڑے تھے۔ صرف ایک برہنہ حقیقت موجود تھی کہ موسٹ نے اپنے نصب العین کو فریب دیا ہے اور ہمیں بھی۔

میں نے بھی عہد کر لیا کہ میں اس کی در پردہ الزام تراشیوں کا سرعام پردہ چاک کروں گی اور اسے مجبور کروں گی کہ وہ وضاحت کرے کہ خطرے کو دیکھتے ہی اچانک اس نے اپنا موقف کیوں بدل ڈالا۔میں نے انارکسٹ میں اس کے مضمون کا جواب دیا۔جس میں وضاحت کے مطالبے کے علاوہ اسے غدار اور بزدل ٹھہرایا۔فرای ہایٹ میں اس کے جواب کا میں نے دو ہفتے انتظار کیا مگر ادھر خاموشی رہی۔اس کے پاس کوئی ثبوت نہ تھا۔مجھے معلوم تھا کہ وہ اپنے رذیل الزامات کا جواز نہ لا سکے گا۔ میں نے کوچوان والا چابک خریدا۔

موسٹ کے اگلے لیکچر میں، نچلے چبوترے کے قریب میں اگلی صف میں بیٹھی۔میں چابک کو ہاتھ میں دبائے ہوئے تھی جو میرے لمبے خاکستری لباس میں پوشیدہ تھا جب وہ مجمع کا سامنا کرنے کے لیے کھڑا ہوا۔میں بھی کھڑی ہوگئی اور بڑی اونچی آواز میں اعلان کیا ''میں یہاں الیگزینڈر برکمین پر تمہاری الزام تراشیوں کا ثبوت مانگنے آئی ہوں۔''

یکا یک سناٹا طاری ہوگیا۔موسٹ منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑایا ''ہسٹیریا زدہ عورت'' اس کے علاوہ کچھ نہ کہا۔اس پر میں نے اپنا کوڑا کھینچ کر نکالا اور اس کی جانب بڑھی۔میں نے اس کی گردن اور چہرے پر کوڑے برسائے پھر چابک کو اپنے گھٹنے پر توڑ کر ٹکڑے اس کی جانب اچھال دیے۔یہ سب کچھ اتنی عجلت میں ہوا کہ کسی کو مداخلت کرنے کا موقع نہ ملا۔

یوں لگا جیسے کوئی مجھے گھسیٹ رہا ہو۔''اسے نکال باہر کرو!اچھی طرح مارو!'' لوگ چیخ چلا رہے تھے۔میں برہم اور دھمکانے والے لوگوں کے نرغے میں تھی اور میری بری طرح گت بنتی اگر فیدیا، کلاز اور دوسرے دوست بچانے کو نہ آجاتے۔انہوں نے مجھے اپنے کندھوں کے اوپر اٹھایا اور دھکا پیل کر کے ہال سے نکلنے کا راستہ بنایا۔

موسٹ کا اپنا موقف بدل کر کارنامے کی شہرت بگاڑنا، اس کا ساشا سے دشمنی کا رویہ، اور اس کی نیت پر تبرے بازی اور مجھ پر تحریری حملوں نے انارکسٹ حلقوں میں بڑے پیمانے پر ان بن پیدا کر دی۔اب یہ موسٹ اور پیوکرٹ کے پیروکاروں کے درمیان میں پائی جانے والی چپقلش نہ رہی تھی۔اس نے پوری انارکسٹ تحریک میں ایک طوفان برپا کر دیا تھا اور اسے دو ضرر رساں دھڑوں میں تقسیم کر دیا تھا۔کچھ موسٹ کی حمایت پر کمر بستہ تھے اور اس کے کام کی قصیدہ خوانی کرتے۔جھگڑا اتنا بڑھا اور یہ نوبت آگئی کہ مجھے ایسٹ سائڈ میں ہونے والے ایک یہودی جلسے میں داخل ہونے سے روک دیا گیا۔یہ موسٹ کے حامیوں کا گڑھ تھا۔ان کے قابل پرستش استاد کی بھرے مجمع میں سزا ملنے سے برہمی اتنی بڑھی جو میرے خلاف نفرت اور دشمنی میں بدل گئی اور میں اچھوت بن گئی۔

اس اثنا میں ہم ساشا کے مقدمے کے شروع ہونے کا بے چینی سے انتظار کر رہے تھے۔مگر کچھ پتہ نہ چل رہا تھا۔ستمبر کے دوسرے ہفتے میں مجھے بالٹی مور میں خطاب کرنے کے لیے بلایا گیا۔میری تقریر بروز دوشنبہ ۱۹ ستمبر طے ہوئی۔اور جب میں چبوترے پر چڑھ رہی تھی میرے ہاتھ میں کسی نے ایک تار تھما دیا۔مقدمہ اسی دن شروع ہوا تھا اور ساشا کو بائیس برس جیل کی سزا سنا دی گئی! جو جیتے جی موت کا برق رفتار سفر ہے! ہال اور مجمع میری نظروں میں گویا تیرنے لگے۔کسی نے تار میرے ہاتھ سے لے کر مجھے ایک کرسی میں دھکیل دیا۔میرے ہونٹوں سے پانی کا ایک گلاس لگا دیا۔کامریڈوں نے کہا، جلسے کو منسوخ کیا جائے۔

میں خالی خالی نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہی تھی، چند قطرے پانی کے اتارے، تار کو چھین کر جست لگا کر میں

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

چبوترے پر پہنچی۔ زرد رنگ کے کاغذ کا ٹکڑا میرے ہاتھ میں انگارے کی طرح دہک رہا تھا۔ وہ میرے تن بدن میں آگ لگا چکا تھا اور مجھے بھڑکا کر جنونی انداز میں اظہار خیال پر آمادہ کر رہا تھا۔ یہی کیفیت سامعین میں بھی پیدا ہوگئی اور آتش زیر پا مرد وزن اچھل پڑے اور اس سفاکانہ سزا کے خلاف انتقام لینے کا مطالبہ کرنے لگے۔ ساشا کے نصب العین کے حق میں فروزاں جوش وخروش اور اس کے کارنامے کی گونج سے لگا جیسے ہال میں بجلی کڑک رہی ہو۔

پولیس دھڑلے سے ڈنڈے لہراتے ہوئے ہال میں داخل ہوئی اور سامعین کو دھکے دے کر عمارت سے نکال باہر کیا۔ میں چبوترے پر رہی، تار میرے ہاتھ میں تھا۔ افسر اوپر چڑھ آیا، چیرمین اور مجھے حراست میں لے لیا۔ کوچے میں کھڑی پولیس کی گشتی گاڑی میں ہمیں ٹھونس دیا گیا اور تھانے کی طرف روانگی ہوئی۔ پیچھے پیچھے برہم مجمع تھا۔

جب سے جان لیوا خبر آئی تھی لوگ مجھے گھیرے ہوئے تھے۔ جن کی وجہ سے میں روح میں پیدا ہونے والے تلاطم کو دبائے ہوئے تھی اور گرم آنسوؤں کو حلق میں سے ابل پڑنے سے روکے ہوئے تھی۔ اب چونکہ تخلیہ تھا اس لیے عفریتی سزا مجھ پر غلبہ پا گئی اور اسی طرح سے بائیس سال کے آسیب نے! ساشا ابھی اکیس برس کا ہے۔ وہ وقت جب قبولیت کا زمانہ ہوتا ہے اور عمر شفاف ہوتی ہے۔ زندگی کا وہ حصہ جو ابھی اسے بسر کرنا ہے اس کے سامنے آچکی ہے۔ جس میں کشش اور حسن ہوتا اور جسے اس کی گہرائی میں اترنے والی فطرت نچوڑ لیتی۔ وہ ایک تنومند جوان درخت ہے جسے کاٹ کر گرا دیا گیا ہے اور سورج اور روشنی سے محروم کر دیا گیا ہے۔ فرک اب بھی زندہ ہے۔ اس کے زخم قریب قریب بھر چکے ہیں اور وہ اپنے محل نما گھر میں صحت یاب ہو رہا تھا۔ وہ محنت کشوں کا خون پھر سے بہانا شروع کر دے گا۔ فرک زندہ ہے اور ساشا کے مقدر میں بائیس برس زندہ مقبرے میں قیام۔ ستم ظریفی کہیے یا حالات کی تلخ ستم ظریفی جو میرے منہ پر طمانچے لگا رہی تھی۔

میرے بس میں نہ تھا کہ میں اس ڈراؤنی تصویر سے منہ موڑ لیتی اور آنسوؤں کو بہنے دیتی اور طویل نیند میں سب کچھ فراموش کر دیتی! اب آنسو بھی ساتھ چھوڑ چکے تھے اور نیند بھی غائب۔ نظر کے سامنے ساشا تھا۔۔ ساشا مجرموں کے کپڑوں میں۔ سنگی دیواروں میں مقید۔۔ ساشا اپنے زرد مطمئن چہرے کے ساتھ لوہے کی سلاخوں سے لگا کھڑا ہے۔ اس کی استوار نظریں مجھے غور سے گھور رہی ہیں اور کہتی ہیں کہ بڑھے جاؤ۔

نہیں، نہیں، نہیں مایوسی کو پاس نہ پھٹکنا چاہیے، میں جیوں گی، میں ساشا کے لیے لڑوں گی۔ میں اس کو نرغے میں لینے والے سیاہ بادلوں کو توڑ ڈالوں گی، میں اپنے محبوب کو نکال کر رہوں گی۔ میں اس کی زندگی اسے لوٹا کے رہوں گی۔

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com